حنا
ماہنامہ
جون 013

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! جون 2013ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

ملک میں توانائی کا بحران اپنی پوری شدت کے ساتھ جاری ہے، گرمی کے ستائے عوام کو نہ تو بجلی میسر ہے اور نہ ہی گیس، بدترین لوڈشیڈنگ کے باعث کاروبار ٹھپ اور صنعتیں بند ہیں، نگران وفاقی وزیر، بجائے صورتحال بہتر بنانے کے لئے کوئی قدم اٹھانے کے، قوم سے معافی مانگ کر اپنا وقت پورا کررہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ مسئلہ سابقہ حکومتوں کی، خاص طور پر گزشتہ حکومت کی، نااہلی اور ناقص منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ ساری دنیا میں بجلی کی پیداوار کے لئے مختلف النوع وسائل بروئے کار لائے جارہے ہیں، مگر ہمارے ہاں سابقہ حکومتوں نے کمیشن کے چکر میں سستے اور قابل عمل طویل مدتی منصوبے بنانے کی بجائے تیل اور گیس سے چلنے والے مہنگے رینٹل پاور سٹیشنوں کی طرف توجہ دی، جس کی وجہ سے بجلی مہنگی بھی ہوئی۔ اگر ڈیم بنانے کی طرف توجہ دی جاتی تو نسبتاً سستی بجلی مل سکتی تھی، اس کے علاوہ کوئلے کے وسیع ذخائر کے ساتھ ساتھ شمسی توانائی اور ہوا کی طاقت بھی موجود ہے۔ جن سے سستی بجلی پیدا کی جاسکتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ نومنتخب حکومت کو خالی خزانہ اور توانائی کا بحران ورثے میں ملے ہیں، مگر امید ہے کہ اس حکومت نے اس بحران کے حل کے لئے ضرور کوئی پلان بنایا ہوگا۔ لیکن اصل کامیابی پلان بنانا نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا ہے۔

اپنی نومنتخب قیادت سے عوام بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ توانائی کے بحران پر قابو پاکر ملکی معیشت کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرے گی، اس کے لئے پوری قوم اپنی نومنتخب حکومت کے ساتھ ہے۔

اس شمارے میں :۔ اداکارہ ایان علی سے ملاقات، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے سلسلے وار ناول، نسرین خالد اور ساجدہ تاج کے مکمل ناول، سندس جبیں اور تحسین اختر کے ناولٹ، عالی ناز، سیمی کرن، فرح طاہر قریشی، نورین شاہد، رافع اعجاز اور سعدیہ عابد کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

زمیں پر اور آسماں پر الٰہی
ذکر ہے ترا ہر زباں پر الٰہی

تری دسترس سے نہیں کوئی باہر
تو حاکم ہے سب جہاں پر الٰہی

خزاں رت میں گل کھلائے ہیں تو نے
کرم ہے ترا گلستاں پر الٰہی

جلانے کو بے تاب ہیں بجلیاں
نظر ہو مرے آشیاں پر الٰہی

مرادیں دل کی وہ پا کر ہی جائے
جو آئے ترے آستاں پر الٰہی

نہیں ہے مرا اس جہاں میں کوئی
ترا نام ہے بس زباں پر الٰہی

حکیم نان حکیم

طوفاں میں جیسے دور سے ساحل دکھائی دے
میں ان کو سوچ لوں مجھے منزل دکھائی دے

یہ اور راستے ہیں حدی خواں سنبھل کے چل
طیبہ کا ذرہ ذرہ مجھے دکھائی دے

گم نہ ہو جاؤں راہ میں اے صاحب کرم
اک بار پھر جادہ منزل دکھائی دے

طرز دعا بھی سونپ رہی ہوں نگاہ کو
کیوں صرف التجاؤں میں حائل دکھائی دے

وہ راہرو نہیں ہے اسے کارواں کہو
اس در کی آرزو میں جو شامل دکھائی دے

ل جائیں گے وہیں سے اجالے جہاں ادا
نویرِ لہر و ماہ بھی سائل دکھائی دے

ادا جعفری

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

قاضیوں کا ذکر

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جسے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا (جج) مقرر کیا گیا، اسے (گویا) بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔''

فوائد و مسائل:۔

لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ایک اہم ذمہ داری ہے، لیکن یہ بہت نازک ذمہ داری ہے، کیونکہ صحیح فیصلوں سے معاشرے میں امن و سکون قائم رہتا ہے اور غلط فیصلوں کا نتیجہ بدامنی اور فساد کی صورت میں سامنے آتا ہے، غلط فیصلے سے کسی بے گناہ کی جان بھی جا سکتی ہے اور ایک آدمی کا حق دوسرے کو مل سکتا ہے، اس لئے جج کو اپنی اس ذمے داری کا احساس کرتے ہوئے صحیح فیصلے تک پہنچنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنا ضروری ہے، ''بغیر چھری کے ذبح ہونے'' سے اس منصب کی نزاکت اور اس فریضے کی انجام دہی کی مشکل کی طرف اشارہ ہے، اس کے باوجود معاشرے میں اس منصب کا وجود ضروری ہے، اس لئے جس شخص میں صلاحیت موجود ہو، اسے یہ ذمہ داری قبول کرنا اور اسے انصاف کے ساتھ کما حقہ ادا کرنا ضروری ہے۔

منصب طلب کرنا

حضرت انس بھی مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے قاضی کا منصب طلب کیا، وہ اپنی جان کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور جسے اس (منصب کو قبول کرنے) پر مجبور کیا گیا، ایک فرشتہ نازل ہو کر اس کی رہنمائی کرتا ہے۔''

حضرت علیؓ کے لئے دعا

حضرت علیؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن روانہ فرمایا تو میں نے عرض کیا۔

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ مجھے روانہ فرما رہے ہیں کہ ان کے فیصلے کروں، حالانکہ میں جوان ہوں، (تجربہ کار نہیں) مجھے تو معلوم نہیں فیصلہ کیسے کیا جاتا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔

''اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے اور اس کی زبان کو (صحیح بات پر) قائم فرما۔'' وہ فرماتے ہیں، اس کے بعد مجھے دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت کبھی شک پیش نہیں آیا۔

فوائد و مسائل:۔

ملک کے مختلف علاقوں اور شہروں میں قاضی مقرر کرنا مسلمانوں کے سربراہ (خلیفہ) کا فرض ہے، کسی منصب کے لئے اس شخص کو مقرر کرنا چاہیے جس میں اس سے متعلقہ فرائض انجام دینے کی اہلیت موجود ہو، اگر ایک شخص محسوس کرے کہ وہ ان فرائض کو ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا جو اس کے ذمے لگائے جا رہے ہیں تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دے، اپنے بزرگ یا سربراہ کے سامنے اپنی کمزوری یا مشکلات بیان کرنا حکم عدولی میں شمار نہیں ہوتا، جس شخص کو کوئی ذمہ داری سونپی جائے، اس کی مناسب رہنمائی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے حق میں دعا کرنا بھی اس کے لئے بہت مفید ہے۔

نا انصافی اور رشوت بڑا گناہ ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو بھی قاضی، لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے، قیامت کے دن وہ اس حال میں حاضر ہوگا کہ ایک فرشتے نے اسے گدی سے پکڑ رکھا ہوگا، پھر آسمان کی طرف سر اٹھائے گا، اگر اللہ نے فرمایا، اسے پھینک دے تو فرشتہ اسے (جہنم کے) گڑھے میں پھینک دے گا، (جس میں وہ) چالیس سال تک گرتا چلا جائے گا۔''

صحیح فیصلہ کرنا

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے، روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے، جب تک وہ ظلم (بے انصافی) نہ کرے، جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

جب انسان صحیح کام کی نیت رکھتا ہو تو اسے اللہ کی طرف سے توفیق اور مدد حاصل ہوتی ہے، اسی طرح قاضی اگر صحیح فیصلہ کرنا چاہیے تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتا ہے اور اس کے لئے حقیقت تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے، اگر نیک نیتی کے باوجود غلطی بھی ہو جائے وہ غلطی معاف ہے، جب قاضی کا ارادہ بے انصافی کرنے کا ہو اللہ کی تائید و نصرت حاصل نہیں رہتی، اس کے نتیجے میں شیطان کو داؤ لگانے کا موقع مل جاتا ہے اور قاضی غلط فیصلہ کر کے ظلم کا مرتکب ہو جاتا ہے، ہر اچھا کام اللہ کی توفیق و عنایت سے ہوتا ہے، اس لئے فرائض کی انجام دہی وہ اللہ سے مدد مانگتا رہنا چاہیے۔

رشوت لینا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

رشوت دینے کی ضرورت تبھی پیش آتی ہے، جب کوئی شخص غلط موقف پر ہونے کے باوجود اپنے حق میں فیصلہ کرنا چاہتا ہے، اس طرح رشوت دینے والا حق دار کا حق بھی مارتا ہے اور قاضی کو بھی گناہ پر آمادہ کرتا ہے، یہ دگنا گناہ اسے اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتا ہے، رشوت لینے والا دنیا کے معمولی سے مفاد سے لئے ایک بے گناہ پر ظلم کرتا ہے اور اس سے اس کا حق چھین لیتا ہے، حالانکہ اسے مقرر ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ دوسروں کو ظلم سے کہیں زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، اس لئے وہ بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے، لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے محروم ہونا، اللہ کا کسی بندے کو اس کے کسی جرم کی وجہ سے اپنی رحمت سے محروم کرنا ہے، لعنت کا مطلب کسی کو یہ بددعا دینا بھی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے

محروم ہو جائے، (راشی) رشوت دینے والے کو (مرتشی) رشوت لینے والے کو اور (رائش) ان دونوں کے درمیان معاملہ طے کرانے والے کو کہتے ہیں، یہ سب بڑے گناہ گار ہیں۔

حاکم کا اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ کرنا

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور اجتہاد کر کے صحیح بات تک پہنچ جائے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں اور جب فیصلہ کرے، لیکن اجتہاد کرنے میں اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لئے ایک ثواب ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

اجتہاد کے لفظی معنی کوشش کرنا ہیں، یہاں یہ مطلب ہے کہ دلائل و شواہد کی روشنی میں اخلاص کے لئے پیش آمدہ مسئلے میں صحیح موقف تک پہنچنے کے لئے پوری توجہ اور کوشش سے سوچ بچار کی جائے اور یہ فیصلہ کرنے والے کا فرض ہے، اس کوشش اور اجتہاد کے نتیجے میں حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے اور مسلمان کو فائدہ پہنچانا ایک نیکی ہے لہٰذا اجتہاد کرنے والے کو اس کا بھی ثواب ملتا ہے، یہ ثواب اللہ کی خاص رحمت ہے، جس شخص سے اجتہاد میں غلطی ہو جائے اور اس کے نتیجے میں کسی کو غلط مسئلہ بتایا جائے یا حق دار اپنے حق سے محروم ہو جائے تو اجتہاد کرنے والے قاضی یا عالم کو گناہ نہیں ہو گا، کیونکہ اس نے صحیح بات کو سمجھنے کی پوری کوشش کی ہے، لہٰذا اسے اس کوشش کا ثواب بہر حال ملے گا، اگر بعد میں آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ عالم سے مسئلہ معلوم کرنے میں غلطی ہوئی ہے تو انہیں اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور غلطی کرنے والے عالم کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے کہ اس نے جان بوجھ کر غلط مسئلہ نہیں بتایا۔

جنتی اور جہنمی فیصلہ کرنے سے متعلق احکام و مسائل

حضرت ابو ہاشمؒ سے روایت ہے کہ اگر حضرت عبداللہ بن بریدہؒ کی وہ حدیث نہ ہوتی جو انہوں نے اپنے والد (حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قاضی تین (طرح کے) ہیں، دو جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں (ایک) وہ آدمی (ہے) جس نے حق معلوم کر لیا، پھر اس کے مطابق فیصلہ دیا تو وہ جنت میں جائے گا، (دوسرا) وہ آدمی (ہے) جس نے (حق سے) لاعلم ہوتے ہوئے لوگوں میں فیصلہ کیا، وہ جہنم میں جائے گا، (تیسرا) وہ آدمی (ہے) جس نے فیصلہ کرتے ہوئے ظلم سے کام لیا، وہ بھی جہنم میں جائے گا۔''

(اگر یہ حدیث نہ ہوتی) تو ہم کہتے کہ قاضی جب اجتہاد سے کام لے (اپنی پوری کوشش کرے) تو وہ جنتی ہے۔

فوائد و مسائل:۔

مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک یہ روایت قابل اور قابل عمل حجت ہے، شیخ البانیؒ نے اس روایت کی تحقیق میں کافی شافی بحث کی ہے، تفصیل کے لئے دیکھیے، بنا بریں جج کا عہدہ بہت بڑی ذمے داری کا حامل ہے، جج کے لئے ضروری ہے کہ فیصلہ کرتے اسے یقین ہو کہ صحیح

بات یہ ہے، پھر اس کے مطابق فیصلہ کرے، سرسری سماعت کے بعد فیصلہ دے دینا، جبکہ معاملے کی پوری طرح چھان بین کر کے حق معلوم نہ کیا گیا ہو، جائز نہیں، جب یقین ہو جائے کہ حق فلاں فریق کا ہے، پھر فیصلہ دوسرے کے حق میں دے دیا جائے، یہ ظلم ہے اور اس کی سزا جہنم ہے، اس نا انصافی کی وجہ بعض اوقات کوئی وقتی و دنیاوی مفاد ہوتا ہے، یہ مفاد رشوت میں شامل ہے جس کی وجہ سے لعنت پڑتی ہے، اجتہادی غلطی معاف ہونے کے باوجود حق تبدیل نہیں ہوتا، اس لئے جب معلوم ہو جائے کہ غلطی ہو گئی ہے تو قاضی یا مجتہد کو اپنے پہلے فیصلے یا فتوے سے رجوع کر لینا چاہیے۔

فیصلہ کرنے والے کو غصے کی حالت میں فیصلہ نہیں دینا چاہیے

حضرت ابو بکرہ (نفیع بن حارث بن کلدہ ثقفیؓ) سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قاضی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے، جبکہ وہ غصے میں ہو۔''

(استاد) ہشام نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بیان فرمائے ہیں۔

''فیصلہ کرنے والے کے لئے مناسب نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرے جبکہ وہ غصے میں ہو۔''

فوائد و مسائل:۔

غصے کی حالت میں انسان کی ذہنی حالت درست نہیں رہتی اور جذبات کی وجہ سے معاملات کے تمام پہلوؤں پر غور کرنا ممکن نہیں رہتا، اس لئے خطرہ ہوتا ہے کہ اس حالت میں دیا ہوا فیصلہ درست نہیں ہو گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے معصوم تھے کہ جذبات یا غصے میں غلط فیصلہ دیں، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اوقات ایسی حالت میں بھی فیصلہ دیا ہے، جبکہ کسی شخص کی کسی نامناسب بات کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراضی محسوس فرما رہے تھے۔

جج کے فیصلہ کر دینے سے حرام چیز حلال اور حلال چیز حرام نہیں ہو جاتی

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم میرے پاس اپنے تنازعات لے کر آتے ہو اور میں ایک انسان ہی ہوں، شاید کوئی شخص اپنی دلیل کو دوسرے کی نسبت بہتر طور پر بیان کر سکتا ہو اور میں تو جو کچھ تم (فریقین اور گواہوں) سے سنتا ہوں، اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، لہٰذا جس کو میں اس کے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دے دوں تو وہ اسے نہ لے، میں تو اسے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں، قیامت کے دن وہ اسے لے کر حاضر ہو گا۔''

فوائد و مسائل:۔

قاضی کو فریقین کے دلائل، گواہوں کی گواہی اور دیگر قرآن کی روشنی میں صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کے باوجود اگر اس سے غلط فیصلہ ہو گیا تو اسے گناہ نہیں ہو گا، اگر ایک شخص کو معلوم ہے کہ اس معاملے میں میرا موقف درست نہیں، لیکن قاضی اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا تو اس سے اصل حقیقت میں فرق نہیں پڑتا، لہٰذا اس کے لئے وہ چیز لینا جائز نہیں، جسے قاضی اس کی قرار دے چکا ہے، اس

حدیث کی روشنی میں علمائے کرام نے یہ اصول بیان فرمایا ہے۔

''قاضی کا فیصلہ ظاہراً نافذ ہوتا ہے، باطناً نہیں۔'' اس کا یہی مطلب ہے کہ قاضی کے فیصلے سے کسی دوسرے کی چیز حلال نہیں ہو جاتی، مثلاً اگر جھوٹے گواہوں کی مدد سے یہ فیصلہ لے لیا جائے کہ فلاں عورت سے نکاح ہو چکا ہے تو مرد کے لئے اس عورت کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز نہیں ہوگا، اگر وہ ایسا کرے گا تو زنا کا مرتکب ہوگا اور قیامت والے دن اسے اس کی سزا ملے گی، اسی طرح اگر قاضی یہ فیصلہ کر دے کہ فلاں عورت کو طلاق ہو چکی ہے جبکہ حقیقت میں مرد نے طلاق نہ دی ہو تو مرد اپنی اس بیوی سے ازدواجی تعلقات رکھنے پر اللہ کے ہاں مجرم نہیں ہوگا۔

ناجائز حاصل کیا ہوا مال قیامت کے دن سزا کا باعث بھی ہوگا اور رسوائی کا سبب بھی، جب مجرم سب لوگوں کے سامنے اپنے جرم کے ثبوت سمیت موجود ہوگا اور اسے اس کے مطابق سرعام سزا ملے گا۔

دوسرے کا حق لینا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں تو محض ایک انسان ہوں، شاید تم میں سے ایک شخص اپنی دلیل کو دوسرے کی نسبت بہتر طور پر بیان کر سکتا ہو، لہٰذا جس کو اس کے بھائی کے حق میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر دے دوں تو میں اسے (جہنم کی) آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔''

کے احکام کے مطابق عمل کرنے اور فیصلہ کرنے کے مکلف تھے، کسی کے حق سے ٹکڑا کاٹ کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جتنا حق دار کا حق تھا اسے پورا نہیں دیا گیا، بلکہ کچھ حصہ غلطی سے دوسرے کو دے دیا گیا۔

کسی کی چیز کا دعوا کرنا

حضرت ابوذر (جندب بن جنادہ غفاریؓ) سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے۔

''جو شخص اس چیز کا دعوا کرے جو اس کی نہیں تو وہ ہم میں سے نہیں، اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہیے۔''

فوائد و مسائل:۔

''ہم میں سے نہیں۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کا یہ عمل مسلمانوں کا عمل نہیں اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

''جہنم میں ٹھکانا بنا لینا چاہیے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اسے یقین ہونا چاہیے کہ وہ جہنم میں جائے گا، لہٰذا اس سے بچنے کے لئے اسے اس گناہ سے اجتناب کرنا چاہیے اور اگر یہ گناہ ہو گیا ہے تو حق دار کو اس کا حق واپس کر کے توبہ کر کے جہنم سے بچ جانا چاہیے، ارشاد نبوی ہے۔ ''جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں، اللہ اسے (جہنم کی) آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' یہ نہیں کہ اسے اس کے گناہوں کی سزا نہیں ملے گی بلکہ یہ مطلب ہے اسے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا عذاب نہیں ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ابن انشاء

ہم تقریر کرنے سے کتراتے ہیں، بلکہ مشاعرہ بھی اسی باعث نہیں پڑھتے کہ شعراء ارشاد کرانے سے پہلے شاعر کا تقریر کرنا اب قریب قریب آداب میں داخل ہو گیا ہے، یہ بات نہیں کہ ہم تقریر نہیں کر سکتے، ہمت کر کے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا، لیکن اس کے لئے ذرا اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے، ایک تو یہی کہ ہماری ٹانگوں کو کسی ستون یا کرسی کے پائے سے کس کر باندھنا پڑتا ہے، کیونکہ ہمارے دوسرے اعضائے رئیسہ کی طرح یہ بھی ایسی خدا ترس واقع ہوئیں ہیں کہ جہاں تقریر کا موقع آیا تھر تھر کانپنے لگیں، نرم دلی کے باعث آواز میں بھی رقت آ جاتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ اب روئے کہ تب روئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں دلائل پر قابو نہیں رہتا، دلائل ہمارے ذہن میں ایسے بافراط ہوتے ہیں کہ لب تک آنے کے لئے ایک دوسرے پر پلے پڑتے ہیں، بعض تو موقع محل بھی نہیں دیکھتے اور بلا سیاق و سباق وارد ہو جاتے ہیں، کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ کئی ایک نے بیک وقت ہماری زبان پر آنے کی کوشش کی تو ایک گچھا سا بن کر ہمارے حلق میں اٹک گئے۔

ایسے ہی سطحی نظر والوں کو ہماری تقریر اگر الجھی ہوئی معلوم ہو تو وہ قابل معافی ہیں، حلق تر رکھنے کے لئے ہمیں پانی بھی بار بار پینا پڑتا ہے، پیتے تو اور لوگ بھی ہیں، لیکن ہمیں اپنی ضرورت کے پیش نظر منتظمین جلسہ سے گزارش کرنی پڑتی ہے، کہ اسٹیج پر نلکا لگا دیا جائے، اب کتنے لوگ ہیں جو ایسا اہتمام کر سکیں، ابھی پچھلے دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ بزم تاریخ والوں نے ایک مباحثہ کرایا، موضوع ایسا تھا کہ ہمیں بے اختیار تقریر کرنے کی خواہش ہوئی، ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا تو سیکریٹری صاحب بولے۔

''آپ کا تقریر کرنا ہمارے لئے فخر کا باعث ہوتا لیکن کیا کریں کے ایل ڈی اے والے نہیں مانتے، کہتے ہیں ''شہر میں ویسے ہی پانی کی قلت ہے۔''

خدا جانے ہمارے تقریر نہ کرنے کی شہرت ایک مقامی کالج والوں تک کیسے پہنچ گئی کہ انہوں نے ہمیں ایک مباحثے کا جج بنا دیا، ہم نے بہت غور کیا کہ ہم تو خود بولنے سے قاصر رہتے ہیں، ہم کیا کریں گے، جواب ملا کہ ابھی پچھلے دنوں فلاں کالج والوں نے بھی تو ایک مشاعرے کی صدارت ایک ایسے صاحب سے کرائی جو شعر کہنا تو درکنار ایک مصرع بھی موزوں نہیں پڑھ سکتے۔

اس پر ہم لاجواب ہو گئے، دلائل ان لوگوں کے پاس اور بھی تھے، لیکن اندیشہ پیدا ہوا کہ جوں جوں وہ سامنے آئیں گے، ہمارا ازالہ حیثیت عرفی ہی ہوگا، نیک نامی کا کوئی امکان نہیں، ہم نے کہا ''اچھی بات ہے لیکن ایک بات کی ضمانت دیجئے کہ فیصلے کے بعد مقابلے میں شریک ہونے والے اور انعام نہ پانے والے ہمیں لتاڑیں گے نہیں۔'' کیونکہ ایک بار تھیوسوفیکل ہال کی چھت پر ہم نے تقریروں کے ایک مقابلے میں منصفی کی

تھی، ایک صاحبہ نے جن کے اسکول کو انعام نہ ملا، آنکھیں بند کر کے اور منہ کھول کر ایسی تقریر کی کہ اگر وہ ہماری شان میں نہ ہوتی تو ہم پہلا انعام ان ہی کو دیتے۔

ایک موقع پر ایک صاحبزادے کا ردعمل بھی کچھ ایسی قسم کا تھا، ان کو انعام نہ ملا تو مٹھیاں بھینچ کو بولے۔۔

''اب دیکھوں گا آپ کیسے جیکب لائن میں سے گزرتے ہیں، روز چلے آرہے ہیں ترکی ٹوپی لگائے قوالی سننے۔''

جن لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا تصوف سے شغف کم ہوگیا ہے، وہ غلطی پر ہیں اب ہم قوالوں کو اپنے گھر بلا لیتے ہیں۔

ہمیں اسکول سے نکلے (خود نکلے تھے، نکالے نہیں گئے تھے) اتنے دن ہو گئے ہیں کہ کچھ اندازہ نہ تھا کہ زبان اردو کتنی ترقی کر گئی ہے، ہم پرانے مولویوں سے پڑھے تھے، جو لب سڑک اور فوق البھڑک وغیرہ تک کو غلط قرار دیتے ہیں، اب وہ صحافت کے کوچے میں مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم ایسے سخت گیروں سے پالا پڑا، جنہوں نے ایک افسانہ نگار کی عظمت کو محض اس لئے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس نے زور بیان میں ہیرو کی زبان سے یہ کہلوا دیا تھا کہ۔

''سلمٰی! میرا پیار پہاڑ کی طرح اٹل ہے اور سمندر کی طرح پایاب......''

ایک اور مصنف پر وہ عمر بھر اس لئے خفا رہے کہ اس نے کہیں روانی میں لکھ دیا تھا کہ۔

''اس آگ نے مجھے جلا کر خس و خاشاک بنا دیا ہے۔''

ہمارے زمانے میں یا تو زیر نگرانی کہتے تھے یا نگرانی میں، غور کرنے پر زیر نگرانی میں، کہنے کی حکمت کھلی، یہ تقریر کوئی فارسی خواں سن رہا ہو تب بھی سمجھ جائے گا اور فارسی سے نابلد ٹھیٹھ اردو بولنے والے کی بھی محل اعتراض نہ ہوگا، ایک اور صاحبہ غالباً فارسی کی طالب علم تھیں، وہ صدر گرامی قدر گرامی کے نیچے بھی زیر ڈالتی گئی تھیں، ان کا صدر گرامی کہنا ہمیں تو بہت بھلا معلوم ہوا، متعارف کے معنی میں ہم ایک لفظ رشناس بولا کرتے تھے، ہمیں اندازہ نہ تھا کہ اس کا تعلق روشنی سے ہے، دو تین طالبات کو روشناس کہتے سنا تو صحیح مطلب سمجھ میں آیا، رجعت پسند ہیں ہم ہمیشہ زیر زبر ہی پڑھتے رہے، اپنی اس رجعت پسندی کا احساس اس وقت ہوا جب ایک مقررہ سے رجعت پسند سنا، اگر اتنے دنوں میں زبر ترقی کر کے پیش تک نہ پہنچے تو زبان کی ترقی ہی کیا ہوئی، اسی مباحثے میں ہمیں پہلی بار معلوم ہوا کہ صحیح لفظ مدح سرائی نہیں، مداح سرائی ہے۔

اسکولوں کی عمارتیں کم ہونے کی وجہ سے ہمارے بہت سے اسکول فٹ پاتھوں پر قائم ہیں، ہم نے اکثر دیکھا کہ ذرا استاد کلاس سے غائب ہوا اور کوئی بندر نچانے والا یا بلا درد دانت نکالنے والا یا چورن بیچنے والا ان کی جگہ آ بیٹھا، یہ بات فائدے سے خالی نہیں اس سے طلبہ کا ذخیرہ اشعار بڑھتا ہے۔

سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

اور

بشر راز دل کہہ کر ذلیل و خوار ہوتا ہے

اور

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے

وغیرہ ایسے ابیات ہیں کہ عمر بھر کام آتے ہیں، ان اسکولوں کے طالب علم جب فارغ التحصیل ہو کر رکشا یا بس چلاتے ہیں تو ان اشعار کو رکشا اور بس کی پشت پر لکھواتے ہیں، یہاں ایک

بی بی نے اپنی تقریر کا آغاز اس شعر سے کیا۔

دل میں ایک چبھتی ہوئی تقریر ہونی چاہیے
نالہ کیسا بات میں تاثیر ہونی چاہیے

تو ہم نے پوچھ لیا کہ آپ کس کالج سے تشریف لائی ہیں؟ فوراً کہنے لگیں، ''آپ انجان بنتے ہیں، جس فٹ پاتھ پہ آپ اپنے دفتر کی کھڑکی میں سے گنڈیریوں کے چھلکے پھینکتے ہیں وہیں تو ہماری کلاس لگتی ہے آپ نے مجھے ضرور دیکھا ہوگا۔''

اس بحث کا موضوع تھا کہ نئی پود کی بے راہ روی کی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے، بعض طالبات نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے انگلیاں سے ادھر اشارے بھی کیے جدھر ان کے والدین بیٹھے تقریر سن رہے تھے، لیکن سب ہی ایسی نہیں تھیں، بعضوں نے ان کو بری کرانے کے لئے زور خطابت صرف کیا، ایک صاحبہ نے کہا کہ۔

''حضرت آدم علیہ السلام کے تو والدین ہی نہیں تھے، اس کے باوجود آپ لوگ جانتے ہیں کہ ان سے جنت سے نکل جانے کے قابل بعض باتیں سرزد ہوئیں۔''

لیکن سب سے موثر استدلال ان صاحبہ کا تھا جنہوں نے کہا۔

''یہ نئی نسل نہایت ناخلف اور نالائق ہے، بد راہی کی حرکتیں خود کرتی ہے اور ذمہ دار والدین کو ٹھہراتی ہے، کار بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر۔''

اس پر ہمیں بہت دن پہلے کی ایک بات یاد آئی، اخبار (ڈان) کی ملکیت کا جھگڑا تھا، آرام باغ میں ایک جلسہ ہوا، ایک بہت محترم اور معمر لیڈر نے صدارت کی، ایک مقرر نے نہایت غیظ و غضب میں تقریر کی اور آخر میں فیصلہ صادر کیا کہ ڈان میرے باپ کی ملکیت نہیں، ڈان ایڈیٹر صاحب کے باپ کی ملکیت نہیں، ڈان (انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) صاحب صدر کے باپ کی ملکیت نہیں، بلکہ قوم کی ملکیت ہے۔

☆☆☆

آیان علی سے ملاقات

کاشف گوریجہ

پاکستان فیشن انڈسٹری میں بے تحاشہ اور خوبصورت ماڈلز کی کمی نہیں ہے۔ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت اور جاذب نظر چہرے ریمپ پر جلوہ گر ہوتے ہیں ان میں مشہور و مقبول ماڈلز صوفیہ مرزا، آمنہ شاہ، سنیتا، ونیزہ احمد و دیگر شامل ہیں۔

مگر ایک مکمل ماڈل میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ تمام خوبیاں ہماری آج کی شخصیت آیان علی میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

آیان علی 30 جولائی 1993 میں دبئی میں پیدا ہوئیں۔آیان علی نے 2010 میں بیسٹ فیمیل ماڈل کا ٹائٹل جیتا، اور ان کو دو بار لکس سٹائل کے لیے بھی نومینیٹ کیا گیا۔ آیان نے نہایت ہی کم عمر میں اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔

آغاز میں انہوں نے گل احمد اور بریز کے لیے ماڈلنگ کی۔ اور 2009 میں بیسٹ ماڈل کا ایوارڈ وومن ڈے کے موقع حاصل کیا۔اس کے علاوہ مشہور برانڈ کیل ون کلین کی کمرشلز میں انہیں کیل ون کلین بیوٹی کا ایوارڈ دیا گیا۔حال ہی میں انہیں پاکستان کی بیسٹ ماڈل کا ایوارڈ دیا گیا جو کہ ان کے لیے کسی بہت بڑے اعزاز سے کم نہیں ہے۔آیان علی سے ملاقات قارئین حنا کی دلچسپی

کے لیے حاضر ہے۔

☆ آپ فیشن فیلڈ میں آئیں اور چھا گئیں اس میں کیا راز ہے؟؟؟

◆ ایک تو قسمت اچھی ہے دوسرے میں نے کافی محنت کی تھی جس کا ثمر مجھے مل رہا ہے۔

☆ آج کل کی ماڈلز لگتا ہے کچھ کھاتی نہیں ہیں ڈائٹنگ پر گذارا کرتی ہیں آپ اس سے متفق ہیں؟؟؟

◆ ہاں ایسا ہوتا ہے کہ ماڈلز بہت کم کھاتی ہیں اور گنی چنی چیزوں پر ہی گذارا کرتی ہیں مگر میں سب کچھ کھاتی ہوں۔

☆ اکثر ماڈلز کو کمپلکس کا شکار دیکھا ہے، جیسے کہ کچھ ماڈلز سکن سرجری وغیرہ کرواتی پھرتی ہیں، کیا ایسا ہونا چاہیے؟؟؟

◆ جی اکثر ماڈلز ایسا کرتی ہیں ایک دوسرے کو دیکھ کر کمپلکس کا شکار ہو جاتی ہیں انہیں اپنی ڈائٹ کو متوازن کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ سرجری وغیرہ کی۔

☆ آپ کی فیلڈ میں ایک ماڈل دوسری ماڈل کو سپورٹ کرتی ہے یا کہ یہاں بھی ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے؟؟؟

◆ فیشن کی فیلڈ میں ایسا ہے تو سہی مگر بہت کم دیکھنے میں آیا ہے،

☆ کیا آپ اپنی جونیئرز کی ہلپ کرتی ہیں؟؟؟

◆ جی ہاں میں تو ہر وقت تلاش میں رہتی ہوں کہ کو مجھ سے مدد چاہے اور میں اس کی مد

کروں میں کسی کی مدد کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتی۔

☆ آپ پاکستانی یا انٹرنیشنل سطح پر کس ماڈلز سے انسپائر ہیں؟؟؟

﴾ میں کسی سے انسپائر نہیں ہوں میرا اپنا ایک سٹائل اور لک ہے۔

☆ کبھی اداکاری کی آفرز آئیں؟؟؟

ایکٹنگ کی آفرز آتی رہتی ہیں مگر ابھی اس بارے میں سوچا نہیں ہے۔

☆ اب تک آپ کون کون سی برانڈ کے ساتھ کام کر چکی ہیں؟؟؟

﴾ اب تک میں نے سونیا بٹلا لان، ایچ ایس وائے، چنری، گل احمد ٹکسٹائل ملز، اور اتحاد ٹکسٹائل کی برانڈ ایمبیسڈر رہ چکی ہوں۔

☆ اب تک آپ کتنی کمرشلز میں کام کر چکی ہیں؟؟؟

﴾ میں نے میگنم آئس کریم، میکڈونلڈ، بن سلک، یوفون، ودیگر کمرشلز میں پرفارم کر چکی ہوں۔

☆ آپ کو مشہور و مقبول برانڈ کیلون کلائن کی طرف سے کب خطاب دیا گیا؟؟؟

﴾ مجھے 2010 میں کیلون کلائن بیوٹی کا خطاب دیا گیا جو کہ میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے۔

☆ لکس سٹائل ایوارڈ کے لیے بھی آپ کو نومینیٹ کیا گیا؟؟؟

﴾ جی ہاں مجھے دوبار لکس سٹائل ایوارڈ کے لیے نومینیٹ کیا گیا۔ اور مجھے بیسٹ فیمیل ماڈل کے اعزاز سے نوازا۔

☆ آپ کو فیملی کی طرف سے سپورٹ حاصل ہے؟؟؟

﴾ مجھے فیملی کی طرف سے مکمل سپورٹ ہے۔ میری والدہ میری ڈائٹ کا بہت خیال رکھتی ہیں۔

☆ ماڈلنگ کے مقابلے میں کس پرفیشن کو ترجیح دیتی ہیں؟؟؟

﴾ ماڈلنگ اچھا پرفیشن ہے اگر میں ماڈل نہ ہوتی تو ٹیلی وژن ہوسٹ ہوتی۔

☆ ٹی وی پر کونسا پروگرام زیادہ شوق سے دیکھتی ہیں؟؟؟

﴾ مجھے ٹوم اینڈ جیری پسند ہے۔

☆ دلہن کے ڈریس میں آپ کیسا محسوس کرتی ہیں؟؟؟

﴾ دلہن کے لباس میں خود کو اچھا محسوس کرتی ہوں حالانکہ وہ بھاری لباس ہوتے ہیں۔

☆ ماڈلنگ کے علاوہ کوئی پروجیکٹ جو آپ کر رہی ہوں؟؟؟

﴾ ابھی تک مکمل فوکس ماڈلنگ کی طرف ہے اور ماڈلنگ کی طرف ہی رہنا پسند کرتی ہوں۔

☆ آپ کے خیال میں فیشن کی دنیا میں آپ کے سامنے مضبوط مدمقابل کون ہے؟؟؟

﴾ ہر سینئر ماڈل مضبوط مدمقابل ہے میں ہمیشہ سینئرز کو فالو کرتی ہوں۔

☆ آپ فیشن شوٹس کو انجوائے کرتی ہیں؟؟؟

﴾ بہت اچھا لگتا ہے جب کیمرے کی آنکھ آپ کا محاسبہ کر رہی ہوتی ہے، بہت نپے تلے انداز میں پوزنگ کرنی ہوتی ہے۔

☆ ماڈلنگ کے علاوہ آپ کے کیا مشاغل ہیں؟؟؟

﴾ مجھے سیر و تفریح کا بہت شوق ہے۔

☆ پاکستان کے بالائی علاقوں کی سیر کا کبھی اتفاق ہوا۔

﴾ پاکستان کے بالائی علاقوں کی پوری دنیا میں مثال نہیں ملتی جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا ہے یہ علاقے اپنے قدرتی حسن سے سحر زدہ کرتے رہتے ہیں۔

☆ ہماری قارئین اور پاکستانی خواتین کو کچھ پیغام دینا پسند کریں گی؟؟؟

﴾ میں ہر پاکستانی خاتون کو یہ پیغام دینا پسند کروں گی کہ اپنی ذات پر یقین رکھیں اور اپنے رائٹ کے لیے فائٹ کرنا سیکھیں۔

وہ ستارہ صبح امید کا

فوزیہ غزل

چھبیسویں قسط کا خلاصہ

ساؤتھ ایشین ایونٹ ود کلچر و ماڈلنگ ایگزیبشن کا کنٹریکٹ خان ایڈورٹائزنگ کو ملتا ہے تو کمپنی اریبہ کو ماڈلنگ کی آفر دیتی ہے جسے وہ مسترد کر دیتی ہے، صبا کے گھر دعوت میں سنعیہ اپنے اور شہریار کے درمیان موجود فاصلے کی حقیقت کا پول کھول دیتی ہے۔

اریبہ کی بہنیں اور دوست طیبہ اسے ماڈلنگ کی آفر قبول کرنے کا مشورہ دیتی ہیں مگر اپنے تحفظات کی بناء پر وہ مسلسل انکار پر مصر ہے۔

صبا، سنعیہ کے رویے کو لے کر شہریار سے باز پرس کرتی ہے تو اپنے گریز کو وہ سنعیہ کی خودسر طبیعت کے سر ڈال دیتا ہے، انا وضد کے اس کھیل سے صبا مزید پریشان ہو جاتی ہے۔

اریبہ کی والدہ زیادہ بیمار ہوتی ہے تو وہ وہاج کو بلاتی ہے خالہ ثمن ہما کی شادی کا بہانہ کر کے اسے بھیجنے سے انکار کر دیتی ہے۔

ماریا اپنے وفد کے ساتھ اسلام آباد، مری، سوات کی سیر کے لئے روانہ ہوتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

ستائیسویں قسط

اک لحظہ بھی کیف شناسائی میں کھونے نہیں دیتا
مکمل طور پر وہ مجھے اپنا بھی ہونے نہیں دیتا
اتارتا ہے بارشیں بہت میری تمنا کی زمینوں پر
اور پھر مجھے ہتھیلی بھی چاہ کی ڈبونے نہیں دیتا
اتار کے آنکھوں میں آنسو کہتا ہے کہ ہنسو کھل کے
کیسا عجب دشمن ہے کہ دکھ میں رونے نہیں دیتا
عطا کر کے رنگ فضاؤں کے مجھے اڑاتا ہے ہوائیں
سانسیں بھی خوشبو سے پھر بھگونے نہیں دیتا
اسے خواہش ہے جیئوں صدیوں کی زندگی میں
مگر سانس بھر میسر ہوا بھی ہونے نہیں دیتا
یہ کیسا عذاب آگہی دیا ہے کتابوں نے ذہنوں کو
کہ جوانی خواب اور بچپن کھلونے نہیں دیتا
پلکوں پہ ستارے سجانے کی آرزو لکھنے والا
لو سورج کی ہاتھ سے چھونے نہیں دیتا
جینا دشوار کرتی ہیں یادیں تیری دن کو
جگاتا ہے شب بھر خیال تیرا سونے نہیں دیتا
میں خوش ہو کے ہنسوں بھی تو بھلا کیسے غزل
کہ سلسلے درد کے وہ مختصر ہونے نہیں دیتا

اس کی آنکھوں کے کنارے طغیانی کی زد پر تھے، پپوٹے گلابی سوجے اور بھاری ہو رہے تھے، اس کا ذہنی انتشار بڑھتا جا رہا تھا، وہ خود کو اس وقت بے حد تنہا محسوس کر رہی تھی، رات کے تقریباً ساڑھے دس ہو رہے تھے شہریار ابھی تک گھر نہ لوٹا تھا، ایک جز وقتی ملازمہ ہر وقت اس کے پاس رہتی تھی مگر آج اپنے بچے کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ بھی جلد چھٹی لے کر جا چکی تھی، اتنے بڑے گھر میں وہ اکیلی خود کو انتہائی بے بس، مجبور اور خوفزدہ محسوس کر رہی تھی، اپنی زندگی کے شب و روز کو سوچتی کتنی آزردہ تھی، وہ شخص جو اسے اپنی زندگی میں لا کر یکسر لاتعلقی اختیار کر چکا تھا اس کے نام پر اس کے گھر میں جانوروں جیسی قید میں زندگی وہ کیا جی رہی تھی کیسے بتاتی، بس آنسو تھے جو رات بھر وقفے وقفے سے بہتے رہتے اپنی بے بسی پہ کڑھتے کبھی وہ سوچتی سب کو چھوڑ چھاڑ کہیں دور بھاگ جائے، مگر ہر چیز کے سوچنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

ابھی دو دن پہلے شائستہ بیگم اس کے پاس پورا دن گزار کے گئی تھیں، شہریار نے ان کی خاطر سارا دن گھر گزارا تھا ہنستے بولتے مما کو بھرپور کمپنی دیتے مگر سعیہ کی حد درجہ سنجیدگی اور کھوئے کھوئے رہنے والی عادت انہیں چونکا گئی، اگرچہ وہ شروع سے اتنی چونچال طبیعت نہیں رکھتی تھی اور اتنی کم گو بھی نہ تھی جیسی ان دنوں ہو رہی تھی تو کیا شہریار واقعی سعیہ سے کچھ الگ رویہ اپنائے ہوئے تھا۔

کھانے کے ٹیبل پر بیٹھے ہوئے شائستہ بیگم نے بطور خاص ان دونوں کے رویے نوٹ کیے تھے، وہ دونوں ایک دوسرے کو بلانے، دیکھنے سے احتراز برت رہے تھے، بھلے یہ شادی سعیہ کی مرضی کے خلاف سہی تھے تو پہلے سے کزنز اور بہت اچھے فرینڈز پھر بھی اتنی اجنبیت اور گریز جبکہ وہ ایک شرعی و قانونی رشتے میں بندھے ہوئے تھے اور اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہنے کے باوجود آپسی طور پر ایسے ریزرو تھے تو ان کے اندرونی حالات کیا تھے، کہیں ایسا تو نہیں شہریار سعیہ کی حق تلفی کر رہا ہو۔

یہ ایسا خیال تھا جو انہیں بے چین کر گیا وہ کھانا چھوڑ کر یکدم سعیہ کو دیکھنے لگیں عام سے گھریلو لباس میں بنا میک اپ کے بالوں کو کیچر میں اڑسے وہ کہیں سے بھی نو بیاہتا لڑکی نظر نہ آ رہی تھی لاکھ سادہ مزاج سہی وہ اتنی بے پروا تو خود سے کبھی نہ تھی پھر......؟

اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ سعیہ سجتی سنورتی نہیں، اونچی آواز میں نہیں بولتی، ہر بات پر مسکراتی نہیں، شہریار کے انداز میں بھی وہ بے تابی اور دیوانگی نظر نہیں آئی جو شادی کے اولین دنوں میں ہر دولہا اپنی دلہن کے لئے دکھاتا ہے، جبکہ پہلے سعیہ کے لئے اس کی شوخیاں شرارتیں عروج پر رہتی تھیں، سعیہ کو اس کی بے چین نگاہیں کھوجا کرتیں اور اب وہ سامنے تھے مگر ایک دوسرے سے یکسر لاپرواہ، بے نیاز بلاشبہ شادی کا رشتہ انسان کو بدل دیتا ہے اس کی شخصیت میں احساس ذمہ داری اور سنجیدگی بھر دیتا ہے مگر اتنی بھی نہیں کہ انسان اپنے اردگرد اپنے تعلقات، اپنے مقام، رشتے اور خود سے بے نیازی برتنے لگے پھر ان کی شادی کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ خاموشی وجود اور گھر پہ راج کرنے لگے، وہ اس وقت صرف ایک ماں کی نظر سے سعیہ کو دیکھ شہریار کو پرکھ کر سوچ رہی تھیں۔

''مما کیا ہوا کھانا اچھا نہیں بنا کیا؟'' سعیہ نے انہیں یونہی بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

''ابھی تو میں نے اسپیشل کک بلوایا تھا ورنہ گھر کا بنا کھانا تو نہ نگلا جاتا نہ اگلا جاتا۔'' شہریار بولا سعیہ خاموش ہو گئی تھی صرف اک نگاہ مما کو دیکھ کر اور اس ایک سادہ سی نگاہ میں کتنے گلے شکوے تھے، کتنی خاموش آہیں وہ ٹھٹک گئیں۔

''خیر ایسا بھی نہیں میری بیٹی اگر توجہ اور دل سے کچھ کرے نا تو کسی بڑے سے بڑے ہوٹل کا کک بھی مات کھا جائے، سعیہ نے کوکنگ کورسز کر رکھے ہیں، تمہارا جو دل چاہے بنوایا کرو۔'' کہتے ہوئے انہوں نے سعیہ کو بھی دیکھا جو بڑی خاموشی سے اپنی پلیٹ پہ جھکی ہوئی تھی، انہیں شادی سے پہلے والی سعیہ اس کی شخصیت سے غائب دکھائی دی۔

''شہری تم لوگ کہیں سیر وغیرہ ہی کر آؤ سعیہ بھی گھوم پھر لے گی اور تمہیں بھی تھوڑا ریسٹ مل جائے گا۔'' شائستہ بیگم نے اچانک کہا۔

''تو مما میرے پاس ابھی اتنا ٹائم کہاں ہے، آپ کو پتا ہے ابھی اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی کا معاہدہ کیا ہے میں نے ساؤتھ ایشین کلچر ایونٹ کے لئے۔''

''تمہیں اتنا بزنس میں خود کو بزی کرنے کی ضرورت نہیں تمہارے پپا ہیں، میں ہوں پھر تمہارا منیجر اتنا ایفی شینٹ بندہ ہے تم صرف بزنس کو اپنی روٹین نہ بناؤ، اب تم میرڈ ہو اور تمہارا ایک گھر

ہے بیوی ہے اس کے لئے بھی ٹائم نکالو۔"

"مما یہ کچھ دن ہیں مصروفیت کے نئے کنٹریکٹ کی وجہ سے، ورنہ آپ جانتی ہیں کہ میں خود کتنا بیلنس رکھتا ہوں بزنس گھر اور رشتوں میں۔"

"مجھے تم کچھ بھی کہو، میں یہی کہونگی کہ گھومنے پھرنے کے دن تو یہی ہوتے ہیں۔" کہتے ہوئے انہوں نے سعیہ کو بھی دیکھا جو ان کی گفتگو سے یکسر لاپرواڈائننگ ٹیبل سے برتن سمیٹ رہی تھی۔

"مما مجھے اس کانٹریکٹ سے فارغ ہو لینے دیں پھر میرا دوبئی کا بزنس ٹرپ ہے میں سعیہ کو ساتھ لے جاؤں گا بلکہ آپ اور پپا بھی چلیئے گا۔"

"دیکھو شہریار تم ہنی مون کو بزنس ٹرپ سے الگ رکھو اور بہتر ہو گا پیرس، سنگاپور، سوئٹزرلینڈ ہو آؤ، ایک تم دونوں بہتر طور پر اپنے رشتے و تعلق کی کیفیات کو سمجھ سکتے ہو، پھر سعیہ کے موڈ اور مزاج پر اچھا اثر پڑے گا۔" شائستہ بیگم زور دے کر بولیں۔

"مما پلیز، آپ کچھ دن مجھے اپنی بزنس روٹین تو سیٹ کرنے دیں، کئی نئی کمپنیز سے معاہدے ہوئے ہیں اگر میں ان کا کام اپنی نگرانی میں نہ کروا سکا تو ہماری بزنس ساکھ کو نقصان ہو سکتا ہے۔" وہ بڑے رسان سے بولا۔

"تم بزنس سیٹ کرتے رہو چاہے لائف اپ سیٹ ہو جائے۔" وہ کچھ اشتعال سے بولیں کیونکہ شہریار کا بار بار انکار انہیں برا لگا تھا۔

"مما آپ۔" شہریار ان کے خفا لہجہ پر کچھ بے بس سا ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔

"شہری اللہ گواہ ہے کہ تم مجھے سعیہ سے زیادہ عزیز ہو بہت محبت توجہ اور پیار سے تمہاری تربیت کی ہے میں نے اور اسی مان و محبت کے سہارے اپنی نازوں پلی بیٹی کو تمہیں سونپا باوجود اس کے کہ وہ اس رشتے سے انکاری تھی، اگر تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اسے ہمیشہ خوش رکھو گے اور سعیہ مجھے خوش دکھائی نہیں دے رہی، کیوں یہ تم بہتر جانتے ہو یا وہ، مگر کیا تم اس کو خوش رکھنے کی ذرا سی کوشش بھی کر رہے ہو کہ نہیں یہ آج خود سے پوچھنا ضرور۔" شائستہ بیگم نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی تھیں اور شہریار ساکت سا رہ گیا، سعیہ جو سوچ رہی تھی مما کو صرف شہریار کا دھیان ہے اسی سے محبت ہے مجھ سے نہیں، ماں کے الفاظ نے اس کی آنکھیں نم کر دی تھیں۔

☆☆☆

ایک کاروباری کمپنی کے نئے ایڈ کے شوٹ ریہرسل کو وہ فائنل ٹچ دے رہے تھے اس ایڈ میں ملک کی مشہور ماڈل و فلمسٹار کام کر رہی تھی بہت ناز نخروں اور ننگ کر کے وہ ایڈ میں کام کرنے پہ راضی ہوئی تھی جس سے کاروباری کمپنی کا چیف ایگزیکٹیو بھی بیزار ہو چکا تھا کیونکہ ایک تو مہنگے ہوٹل میں نیما کا ٹھہراؤ پھر من پسند ڈریسز اور میچنگ اشیاء و جیولری کے ساتھ اچھا خاصا بھاری معاوضہ اوپر سے شوٹنگ کے لئے وقت دینے میں اتنے بہانے اور نخرے اگر اس وقت وہ ٹاپ پہ نہ ہوتی تو ایڈ میں اس کی موجودگی کو منسوخ کر کے کسی اور ماڈل سے کام لے لیا جاتا، مگر ایڈ وائس بکنگ پھر کمپنی کی انویسٹمنٹ میں پرافٹ کا تخمینہ لگاتے ہوئے چیف ایگزیکٹیو کو یہ کڑوا گھونٹ بھرنا ہی پڑا۔

اس وقت خان ایڈورٹائزنگ کمپنی کے آڈیٹوریم ہال میں مین لائٹس آف کیے پروجیکٹر کو آن کر کے ایم ڈی شہریار خان اور کاروباری کمپنی کے چیف ایگزیکٹیو سعود غوری اپنے تیار کردہ ایڈ کی شوٹنگ کے مراحل دیکھ رہے تھے، کیمرہ مین بہت مہارت اور تکنیکی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایڈ کی تمام تر شوٹس ان تک پہنچا رہا تھا، ایڈ کی پریزینٹیشن اور ماڈل کے اینگلز کو دیکھتے ہوئے شہریار اور سعود غوری تبادلہ خیال کر رہے تھے ایڈ واقعی اچھا شوٹ ہو رہا تھا، مگر غوری صاحب مطمئن نہ تھے۔

"اس ایڈ کی خجل خواری نے مجھے بڑا سبق سکھایا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ اگلے ایڈ کے لئے کسی اور چہرے سے کام لیں، نئی ماڈلز ایک تو تنگ نہیں کرتیں پھر کام محنت اور لگن سے کرتی ہیں۔"

شہریار ذرا سا مسکراتے ہوئے کچھ کہنے لگے تھے کہ سعود غوری نے یکدم ہاتھ اٹھا کر انہیں کچھ کہنے سے روکا تھا، ان کی نظریں پروجیکٹر پر جمی تھی، جہاں دروازہ کھلا تھا اور روشنی کے گول دائرے میں وہ چلتی ہوئی آ رہی تھی، اس کا بے پناہ دلکش نقوش سے سجا چہرہ میک اپ سے عاری تھا سلیقے سے اوڑھے دوپٹے کے نیچے کمر تک جھولتی لمبی چٹیا چہرے پر سوگواری کا تاثر جو عجب حسن عطا کر رہا تھا کیمرہ اس پہ فوکس تھا۔

"آئم سوری میں دفتر پہنچنے میں کچھ لیٹ ہو گئی ان فیکٹ سر میری والدہ کی طبیعت بہت خراب تھی رات سے انہیں ہاسپٹل ایڈمٹ کروا کے آ رہی ہوں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں معذرت خواہانہ لہجہ اپناتے بولی تو منیجر صاحب نے اسے آہستہ آواز میں شوٹنگ کے فائنل ٹچ کا بتایا تھا۔

اریبہ کو یکدم اپنی غلطی کا احساس ہوا اور مدہم روشنی میں باہر سے آتی وہ اندر کا ماحول دیکھ نہ سکی تھی اور براہ راست کیمرے کے سامنے آ کر اونچی آواز سے بولتی کچھ دیر کو کنفیوژن سا پیدا کر گئی ماحول میں۔

"اوہ، سوری مجھے پتا نہیں چلا آپ لوگ کام کر رہے ہیں۔" وہ تاسف سے بولتی ذرا پرے ہو کر بیٹھی، جبکہ سعود غوری، شہریار خان سے اس کے متعلق پوچھ رہے تھے۔

"یہ ہماری کمپنی میں کچھ عرصہ قبل اپائنٹ ہوئی ہیں بہت محنتی لڑکی ہیں، ویل بی ہیوڈ، ویل مینرڈ اور اصولوں کی پابند ہماری ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے زیادہ کام کو یہی اسیسٹ کرتی ہیں۔"

"شہریار صاحب کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم یہی ایڈ دوبارہ شوٹ کریں اس لڑکی کو لے کر۔" سعود غوری اچانک بولے تو شہریار خان بے پناہ حیرت سے ان کی سمت مڑے اور تحیر زدہ لہجہ میں کہا۔

"غوری صاحب اتنا پیسہ لگا کر آپ نے یہ ایڈ بنوایا ہے اتنی مہنگی اداکارہ کو سائن کیا اور جب سب کمپلیٹ ہو گیا تو آپ یہ دوبارہ شوٹ کرنے کے خواہشمند ہیں۔"

"شہریار صاحب روپے کو کوئی بات نہیں، میں اس سے زیادہ روپیہ دوبارہ لگا سکتا ہوں مگر کام اسی لڑکی سے کروانا ہے۔" غوری صاحب منہ سے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے بولے۔

"یہ لڑکی پروفیشنل ماڈل یا ایکٹرس نہیں، ہماری کمپنی میں ورکر ہے پر، یہ ملازمت بھی اپنی

گھریلو مجبوریوں کی بناء پر کررہی ہے لہٰذا ایکٹنگ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"خان صاحب آپ آفر دے کر تو دیکھیں، اس شعبہ میں بھی اکثر لڑکیاں اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے امیر بننے کا خواب لے کر ہی داخل ہوتی ہیں اور میں اسے بھاری معاوضہ دے سکتا ہوں، اس ایڈ کے لئے نہ سہی اگلے ایڈ کے لئے بکنگ کروادو۔"

"غوری صاحب ہمارے پاس نئی خوبصورت اور پرکشش لڑکیوں کا کلیکشن ہے، آپ ان کے فوٹوگرافس اور اسکرین ٹیسٹ دیکھ کر کوئی فریش چہرہ منتخب کرلیں۔"

"خان صاحب اس لڑکی سے زیادہ حسین اور پرکشش کوئی ہوسکتی ہے ایسی عجیب مقناطیسی حسن اور چہرے و وجود پر ایسا ملکوتی حساس حسن بخدا میں نے آج تک نہیں دیکھا اگر یہ لڑکی اسکرین پر آجائے تو یقین مانو راتوں رات تہلکہ مچا جائے۔" ان کے لہجے و آنکھوں میں چمک لہرائی مخصوص قسم کی، شہریار نے بے اختیار پہلو بدلا تھا ان کی بات و انداز پر۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم نے اب تک اسے کیمرے کے سامنے کیوں نہیں کیا، اگر میں کسی ایڈورٹائزنگ کمپنی کا ایم ڈی ہوتا تو پہلی فرصت میں اس لڑکی کو کیش کرواتا۔" غوری صاحب نے ایک بولڈ سا کمنٹ پاس کرتے ہوئے کہا تو شہریار نے جھنجھلاتے ہوئے کچھ پچھتاتے ہوئے اریبہ کو دیکھا جو نیم تاریک گوشے میں بیٹھی بھی اپنے بے حد گورے چٹے رنگ سے نمایاں ہورہی تھی۔

سعود غوری کوئی باکردار قسم کا انسان نہیں تھا نہ ایک کنویں کے پانی سے شانت ہونے والا تھا، اس کی زندگی میں نت نئی اور ہر قماش کی عورتیں آتی جاتی رہتی تھیں، وہ ہر اس چہرے کی طرف لپکتا تھا جو باعث کشش دکھتا۔

حسن اور عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری تھے اور اس میں بھی وہ اپنا معیار برقرار رکھتا تھا ہمیشہ ان کھلی ان چھوئی کلی پہ ہاتھ و نظر ڈالتا، البتہ شاید خوبصورتی اور معصومیت و کشش کا ایسا بے پناہ احساس اسے کہیں نہیں ملا تھا جو اس وقت اریبہ اشفاق کے سوگوار چہرے پہ دکھائی دیا تھا، اس نے بہت عورتیں دیکھی تھیں مگر ایسی بے تحاشا خوبصورتی کسی میں نہیں دیکھی جن کیفیات کا شکار وہ اسے دیکھ کر اچانک ہوا تھا وہ آکٹوپس کی مانند اپنے شکنجہ میں جکڑنے والی تھیں، شہریار نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ کیا مجھے اتنا بد ذوق سمجھتے ہیں کہ میں اتنے حسین چہرے کو کیمرے کے سامنے لانے کی کوشش نہ کرتا، خوبصورتی ہر ایک کو متاثر کرتی ہے مجھے بھی اس کی خوبصورتی نے متاثر کیا تھا اور پہلی نظر اس پر پڑتے ہی میں بھی ساکت ہوگیا تھا اسے دیکھتے ہوئے کتنی دیر میری نظریں اس کے چہرے سے ہٹ نہیں سکیں، پھر میں نے اسے ماڈلنگ کی آفر کی تھی مگر وہ انٹرسٹیڈ نہیں She is a perfcit ladi but۔"

"She is not intrsted۔"

"آپ کچھ بھی کہیں خان صاحب میں اس لڑکی کو بہت اچھی آفر دے رہا ہوں۔" غوری صاحب اٹھے اور اریبہ کی جانب بڑھے، شہریار لب بھینچے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ ان کی متوقع بے عزتی دیکھنے لگے۔

"ہیلو مس، کیا میں آپ سے بات کرسکتا ہوں۔" وہ دایاں ہاتھ بڑھا کے بولے، سعود غوری کا سٹائل بڑا فلمی سا تھا۔

"سوری میں اپنے کام میں بزی ہوں۔" اریبہ نے روکھے انداز میں کہتے ہوئے نہ صرف ان کا بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کیا تھا بلکہ اپنے سامنے رکھی فائل اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"دیکھیں میں آپ کا زیادہ ٹائم نہیں لوں گا میں صرف آپ کو اپنے نئے ایڈ میں ماڈلنگ کی آفر کرنا چاہتا ہوں، آپ کا چہرہ بڑا فوٹو جینک ہے۔" سعود غوری کی بے باک نگاہیں اس کے شفاف چہرے کے نقوش پر ٹکی تھیں اور اریبہ اپنے آپ میں بے چینی و ناگواری محسوس کرتی اٹھی۔

"مجھے اس شعبے میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔" وہ لٹھ مار انداز میں بولی۔

"دیکھیں آپ کو احساس نہیں آپ کیا چیز ہیں اور اپنے اس بے پناہ حسن و خوبصورتی کو کیسے لمحوں میں کیش کرواسکتی ہیں۔" وہ جیسے اس کا ایکسرے کررہا تھا۔

شہریار نے بے ساختہ آنکھیں بند کی تھیں اور سعود غوری نے اپنا فقرہ اتنی بے اختیاری و سرعت میں مکمل کیا جس کا اسے احساس تک نہ ہوا اور اپنے کہے الفاظ و لہجہ کی سنگینی کا جب احساس ہوا تو بہت دیر ہوچکی تھی۔

اریبہ کا چہرہ لمحہ بھر میں سرخ ہوا اور اشتعال و غصہ کے تاثرات میں لپٹا اس کا دایاں ہاتھ بلند ہوا تڑاخ کی آواز کے ساتھ ایک بھرپور تھپڑ سعود غوری کے ہوس آلود چہرے پر پڑ چکا تھا۔

خان ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے آڈیٹوریم ہال میں جیسے سناٹا چھا گیا تھا، شہریار خان پوری آنکھیں کھولے ساکت سے بیٹھے تھے، وہاں موجود دوسرے افراد ہراساں و بے یقین۔

"تمہیں معلوم نہیں سعود غوری کس پاور اور کتنے اثر و رسوخ والا بندہ ہے یہ تھپڑ بہت مہنگا پڑے گا تمہیں، بڑی بھاری قیمت چکانی پڑے گی اس کی۔" لال بھبھوکا آنکھوں کو کھا جانے والے انداز میں اس پر ڈالتے دھمکی آمیز لہجے میں پھنکارتا سعود غوری ایک جھٹکے سے مڑا اور باہر نکل گیا، اریبہ نے چند ثانیے بہت ماؤف سے ذہن کے ساتھ وہیں کھڑے گزارے پھر آہستہ آہستہ اس کی سیاہ آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرتی گئیں۔

بہت حفاظت سے رکھا ہے ان چراغوں کو
بجھتے بجھتے بھی ہواؤں سے الجھ پڑتے ہیں
دیکھ فرعون کے لہجے میں بات نہ کر
ہم تو پاگل ہیں خداؤں سے الجھ پڑتے ہیں

☆☆☆

خوبصورت موسم، خوش رنگ پھول، گیت گاتے ہوئے پرندے، حسین مرغزار، بلند و بالا پہاڑ پھلدار درخت اور بہت کچھ انجوائے کرتے وہ لوگ دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں سے ایک اسلام آباد کے اہم اور قابل دید مقامات، فیول مسجد، شکر پڑیاں، پاکستان مانومنٹ (قومی یادگار) ارجنٹائن پارک، کیپٹل پارک، (ایشیا کا سب سے بڑا پارک) پلے لینڈ، چڑیا گھر، کنول جھیل، یاسمین گارڈن (گلاب اور چنبیلی کا باغ) راول ڈیم، دامن کوہ اور چھتر پارک دیکھتے سوات، کالام

روانہ ہو رہے تھے، شہر میں موجود پارک اور سیر گاہوں میں خوبصورت چھوٹے، فلائنگ بوٹس جن سے بچے اور بڑے لطف اندوز ہو رہے تھے، علاقہ کو لوکیشن کے مطابق سہولیات کا تعین اچھا تھا۔

اس وقت وہ سب ایک خوبصورت سیر گاہ پاکستان مانومنٹ میں داخل ہو رہے تھے اور دور سے نظر آتے چبوترے کو دیکھ رہے تھے، جو کافی بلندی پر واقع تھا، اس تک پہنچنے کے لئے انہیں چھ چھ سیڑھیوں کے ساتھ پڑاؤ چڑھنے تھے، جبکہ یادگار کے دائیں اور بائیں جانب وی آئی پی موومنٹ کے لئے لفٹیں بھی لگائی ہوئی تھیں، انہوں نے لفٹ کا استعمال کیا، ستارہ ہلال پر مرتکز پھول کی چاروں پنکھڑیوں کو ایک وسیع اور بلند چبوترے پر تعمیر کیا گیا تھا۔

”یہ خوبصورت سیر گاہ 27 مارچ 2007ء کو مکمل ہوئی تھی اور اس کے کھلتے پھولوں کی پنکھڑیاں پاکستان کے چاروں صوبوں کو ظاہر کرتی ہیں اور مختلف ثقافتوں میں بسنے والے پرعزم و غیور پاکستانیوں کی عکاسی کرتے ہوئے قومی وحدت کی حفاظت کے لئے ہمہ وقت سینہ سپر ہیں۔“ ان کا گائیڈ انہیں معلومات مہیا کرتے ہوئے یادگار کے دونوں جانب بنی چھوٹی چھوٹی پھولوں کی کیاریاں دکھا رہا تھا سرسبز گھاس اور یادگار میں نصب چھوٹے بڑے فوارے پھر یادگار کے عقب میں 24 محرابوں پر مشتمل خوبصورت بارہ دری بھی اپنی مثال آپ تھی جہاں سے اسلام آباد کا دلکش نظارہ آنکھوں کی سرور بخش رہا تھا، اسی جگہ ایک سائیڈ پر دستر خوان لگا کے ان سب نے کھلی فضا میں لذیذ کھانوں سے لطف اٹھایا، زائرین کے لئے کسی کھانے پینے کی اشیاء کے حوالے سے یہاں دکانیں تھیں، یادگار سے نکلتے ہوئے زیرو پوائنٹ سٹاپ کے سامنے سے گھنے جنگل میں ایک پختہ ٹریک جو اوپر پہاڑی تک جاتا ہے یہ نسبتاً کم بلندی پہاڑی شکر پڑیاں ہلز کے نام سے مشہور ہے اور یہ پہاڑی 609 میٹر بلندی پر ہے، ان کا اگلا پڑاؤ یہیں تھا۔

اگرچہ گھنے جنگل سے گزرنے والا یہ ٹریک بلاشبہ پیدل اور شکر پڑیاں جانے کے لئے مختصر ترین تھا لیکن شام کو اندھیرا چھا جانے کے باعث یہ رومانوی ٹریک خوفناک ٹریک میں تبدیل ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ لوگ اسلام آباد ہائی وے کی طرف سے آئے آگے چل کر دو حصوں میں تقسیم ہو جانے والی یہ پختہ سڑک ایک طرف سے باغیچہ کے پاس اختتام پذیر ہوتی ہے اور دوسری جانب شکر پڑیاں ہلز کا علاقہ شروع ہوتے ہی پارکنگ کی جانب مڑ جاتی ہے وہ اسی طرف سے آرہے تھے علاقہ شروع ہوتے ہی سب سے پہلے وہ جگہ آئی جو نماز کے لئے مخصوص ہے اس جگہ پر لوہے کی زنگ آلو باڑھ اور ڈرم جس میں وضو کے لئے پانی نہیں تھا جبکہ پارکنگ میں کچھ حضرات اسے تفریحی سیر گاہ کی بجائے گھر کا صحن سمجھتے ہوئے گاڑیاں دھونے میں مصروف تھے جس کی وجہ سے ساری پارکنگ میں پانی بہہ رہا تھا جو گاڑیاں پارک کرنے والوں کے لئے خاصی دقت کا باعث بن رہا تھا، انتظامیہ کے کارندے بھی اپنے فرائض نبھانے کی بجائے ٹھیلے لگائے چیزیں بیچنے میں مصروف تھے، عدم توجہ، گندگی یہ چیزیں ان کے ہمراہ موجود پاکستانیوں کے لئے خفت اور کوفت کا باعث تھیں۔

جبکہ وفد میں موجود ارکان اس چیز کو نہ صرف نوٹ کر رہے تھے بلکہ ان کی توجہ بھی دلا رہے تھے، وفد میں شامل خواتین اشیائے خورد و نوش کی دکانوں کے ساتھ بنی روایتی اشیاء کی دکانوں سے

خوبصورت ڈیکوریشن پیس اور آرٹیفیشل جیولری کو دیکھتے ہوئے بھاؤ تاؤ میں مصروف تھیں، شیشوں، موتیوں، نگوں سے مرصع پراندے، بندے ہار اور بریسلٹ اپنے آپ کو لگا کر دیکھتی تصاویر بنواتیں وہ سب مگن تھیں ان اشیاء کی قیمتیں ان کے معیار اور خوبصورتی سے کہیں زیادہ تھیں، اپنے مقامی مترجم کے ذریعے قیمتیں مناسب کرواتے ہوئے وہ بھی کچھ نہ کچھ خریدنے کی کوشش میں تھیں، جبکہ مہنگی اشیاء کی وجہ سے اکا دکا لوگ ہی خریداری کر رہے تھے زیادہ تر صرف قیمتیں پوچھ کر اپنے دل کو بہلا رہے تھے۔

ماریا شیشوں اور ریشمی دھاگے سے مزین ایک بڑا پراندہ خرید کر مقامی عورت سے اپنے کٹنگ شدہ بالوں میں کالی پنیں لگا کر سجانے لگی تھی، کیتھرین بڑے بڑے جھمکے پہنے خود کو دکان میں لگے بڑے آئینے میں دیکھ رہی تھی، اینجلا مارشل اور جینفر بازوؤں میں کانچ کی چوڑیاں پہنے خوش دکھائی دے رہی تھیں، خالصتاً فارنر لک اور مغربی ڈریسنگ، انگلش لہجہ اوپر سے مشرقی فیشن شکر پڑیاں ہلز میں موجود سبھی لوگ انہیں حیرت و دلچسپی سے دیکھ رہے تھے، کچھ ہنس رہے تھے۔

دکانات کے بائیں جانب فلائنگ بوٹ اور گول جھولے ٹکٹ مہنگے ہونے کی وجہ سے بند پڑے تھے اور بچے سپرنگ لگے ربڑ کی بنی چادر سے لگے جھولے پر ہی اچھل کود کر رہے تھے، شام کے سائے ڈھل رہے تھے جب وہ اسلام آباد سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ”چھتر“ نامی پر فضا مقام سے گزرتے لوکاٹ کے باغات دیکھ رہے تھے، پانچ کلومیٹر آگے وادی سالگراں پرندوں کے نغمے سناتی تھی، وسیع سبزہ زار دکانوں اور آنکھوں کو سکون عطا کر رہے تھے، اس سے آگے ترہٹ اور تند کوٹ کی بستوں سے گزرتے چھرا پانی اور گھوڑا گلی کے کشادہ مقامات پر انہوں نے کچھ فرحت بخش لمحات گزارتے ہوئے چپس، مچھلی، انڈوں اور پکوڑوں کا مزہ اٹھایا، گھوڑا گلی سے کچھ فاصلے پر 1860ء میں قائم کیا گیا لارنس کالج بھی دیکھا۔

ان کا اگلا پوائنٹ ملکہ کہسار مری تھا صاف سڑک اور حد درجہ خوبصورت راستہ سٹی بنک عبور کرتے ہی خنک ہواؤں کے جھونکے ان کی طبیعت میں شادابی کا عنصر پیدا کر گئے، پنڈی پوائنٹ اور کشمیر پوائنٹ کے درمیان تقریباً سات کلومیٹر کے علاقے پر پھیلے ہوئے مری میں رات کو روشنیاں یوں جھلملاتی محسوس ہوتی تھیں، جیسے ستارے زمین پہ اتر آئے ہوں، کشمیر پوائنٹ سے کشمیر کے بلند و بالا پہاڑ انتہائی خوشنما محسوس ہو رہے تھے، شاہ بلوط اور صنوبر کے درختوں، شاخوں کی سرسراہٹ اور فطرت کی رعنائیوں کو دیکھتے ہوئے سفر کی ساری تھکاوٹ دور ہو چکی تھی رات کے وقت بھی تیز روشنیوں نے دن کا سا ماحول پیدا کر رکھا تھا، خوبانی اور سیب کے درختوں پر پھولوں کو دیکھ کر محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اپسرائیں پھولوں سے پیرہن اوڑھ کر درختوں پر بسیرا کیے ہیں۔

”ان گھنے درختوں کی چھاؤں تلے بیٹھ کر انگور کی بیلوں کے سنہرے گچھوں کی خوشبو اور مہک آفریں چاندنی مہندی اور گلاب کے پھولوں کی رعنائیاں دیکھتے دل یہاں سے جانے کو نہیں چاہتا۔“ فطرتی نظاروں کی دیوانی ماریا خوشی سے بولی۔

”اور میں سوچ رہی ہوں پاکستان کتنا امیر ملک ہے جسے ایسی پہاڑوں میں گھری حسین وادیاں جھیلیں، تیرے بادلوں، بلند و بالا درختوں، پھلوں، پھولوں خوشنما پرندوں سے بھرے علاقے

میسر ہیں جسے تپتے سلگتے علاقوں سے ٹھنڈے علاقوں اور حسین موسموں تک رسائی حاصل ہے۔" کیتھرین رشک سے بولی۔

"جبکہ کسی اور ملک میں شاذونادر ہی اتنی نعمتیں ایک ساتھ میسر ہونگی۔" ڈاکٹر پیٹر نے کہا۔

"واقعی یہ خوبصورت پھل ہی جو ہم سال میں ایک بار تھوڑا بہت لا کر سب صرف چکھتے ہیں یہاں کے لوگ درجنوں کے حساب سے روزانہ کھاتے ہونگے۔" ڈاکٹر لوتھر بولے۔

"اور اس کے باوجود یہ لوگ زیادہ ناہمواریوں، مشکلات اور پیچیدگیوں کا شکار ہیں یہاں تک کہ ان کا ہر پیدا ہونے والا بچہ قرض دہندہ ہے، پاکستان اربوں کھربوں کا مقروض ہے۔" ان کے وفد کے انچارج ڈاکٹر جیک مارٹن کا انداز قدرے طنزیہ تھا، جو ان کے ہمراہ موجود ٹورسٹ گائیڈز اور ڈرائیورز مقامی مترجم کو قدرے برا لگا اور سعید صاحب کا دل چاہا تھا کچھ ایسا کہہ دیں کہ غبار ہلکا کر دیں مگر ہائے رے مجبوری یہ مہمان پاسداری وہ لب بھینچ کر رہ گئے۔

"ایسا ملک جو قدرتی مضافات سے بھرا پڑا ہے اور جس کا چپہ چپہ خوبصورتی سے مالا مال ہے یہاں ہر وقت ہائیکنگ، کیمپنگ، کوہ پیمائی اور جنگلوں کی سیر کے شوقین آتے ہوں، وہ تو ان علاقوں کی تشہیر کر کے اچھی سفری سہولیات مہیا کر کے ہی محض سیاحت کے زور پر امیری اختیار کر سکتا ہے اور سیاحتی فروغ ان علاقوں کی انڈسٹری کو بھی ترقی دے گا اور انڈسٹری ترقی پائے گی تو ملک خود بخود ترقی یافتہ ہوگا۔" ماریا نے تاسف سے کہتے ہوئے ایک اچھا مشورہ بھی دے ڈالا جسے سننے والا کوئی نہ تھا، مگر گزشتہ برسوں میں مسلسل مارشل لازء، پھر دہشت گردی نے حالات ایسے بگاڑے کہ سیاحتی فروغ اور سہولیات ناپید رہیں، ایک تو سڑکیں سلائیڈنگ سے تین تین دن بند رہتی ہیں پھر سیاح اگر دو تین دن سٹے کرے تو کسی بھی موبائل فون کی سہولت موجود نہیں اور سیاحوں کا رابطہ لوکل پی سی او سے رہتا ہے جبکہ باقی دنیا سے ان کا رابطہ کٹ جاتا ہے، اس صورت حال کے پیش نظر جو سیاح ایک مرتبہ یہاں آتا ہے وہ دوبارہ یہاں کا رخ کرنے کا سوچتا بھی نہیں بلکہ دس دوسرے افراد کو یہاں آنے سے منع کرتا ہے اور اپنی یہ کمزوری کون تسلیم کرتا سو وہ کان لپیٹ کر یوں ہو گئے گویا کچھ سنا نہیں اور یہ جان بوجھ کر انجان بننے والی عادت کافی عافیت دے گئی جبکہ وفد کے تمام لوگ مسلسل چہل قدمی کرتے گہری رات کا احساس بھولے ہوئے تھے اور ان کے ہمراہ موجود لوگ انہیں سنکی اور خبطیوں کے لقب سے نوازتے سوچ چکے تھے۔

☆☆☆

غرور اس پہ بہت سجتا ہے مگر کہہ دو
اسی میں اس کا بھلا ہے غرور کم کر دے
کسی نے چوم کے آنکھوں کو یہ دعا دی تھی
زمین تیری خدا موتیوں سے نم کر دے

عجب شے ہوتی ہے یہ زندگی بھی بعض اوقات وہ سب کچھ کرنے پر انسان کو مجبور کر دیتی ہے جو اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا، وہ منافقت والی زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی مگر اپنی بے بسی بھی خوب جانتی تھی، وہ شخص جس کی مہربان دوستی پہ اسے بہت ناز رہا تھا، جو بچپن سے بڑی توجہ اور محبت سے

اسے وقت دیتا خلوص و اپنائیت کا رشتہ نبھاتا آیا تھا جس کی سحر طراز آنکھوں کو دیکھتے اور وجیہہ سراپے پر فخر کرتے وہ بڑی اترایا کرتی تھی کہ اتنا شاندار سا شخص اس کا فرسٹ کزن ہے، لڑکیاں ہمیشہ اس کے گرد شہد کی مکھیوں کی طرح منڈلایا کرتی تھیں اور وہ بڑے مان سے اک معصوم سے تفخر کے سہارے اڑی اڑی پھرا کرتی جب شہریار کے سامنے، بولتی ہنستی تو زندگی کیسی اچھی لگتی اور وہ انہی ست رنگی چاہتوں کی خوشبو میں سانس لینے کی عادی تھی کہ زندگی نے یکدم پلٹا کھایا تھا اور ایک ناپسندیدہ زندگی اس پر مسلط کر دی گئی تھی جسے جینا اس کی خوشی نہیں مجبوری تھی۔

اسے شہریار اچھا لگتا تھا وہ بچپن سے اس کی صلاحیتوں، خوبیوں، ذہانت، بے پناہ مردانہ وجاہت اور دھیمے انداز میں مسکراتے رہنے کی عادت سے متاثر تھی اور لاشعوری طور پر شہریار جیسی عادات اپنانے کی کوشش کیا کرتی تھی مگر رشتے کا بدلنا پھر شہریار کا بنا کسی اعتراض کے اس فیصلے کو ماننا یہ حد درجہ فرمانبرداری اور بے حد سمجھوتہ کرنے والی طبیعت اس سے ہضم نہ ہوتی تھی، اسے مرد ہمیشہ دھڑلے والے اچھے لگتے تھے اپنے مخصوص رعب داب اور حاکمانہ مزاج میں ڈھلے ہوئے بطور حسین ساتھی شہریار ہمیشہ اس کے ماں باپ کے احسانوں تلے دبا سعیہ کو بھی اس احسانمندی کا حصہ سمجھ کر اپناتا اور بہت نک سک سے درست رہنے والا شخص اک مستقل بے ترتیبی کو اس کی ذات کا حصہ بنا دیتا، اس نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ شہریار کے دل کا بھید پا لے، وہ اسے خوشی محبت سے اپنا رہا تھا یا محض مما، پپا کا دل رکھنے کے لئے، اسی کنفیوژن میں اکتاہٹ بیزاری سے وہ شہریار کو حظ اٹھانے کو موقع دیتی رہی اور پھر اک ذرا سی غلطی نے اسے وہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا جو شاید وہ کبھی نہ کرنے کا عہد کر چکی تھی۔

اب دھوکے میں رہ کر بناوٹ زدہ زندگی بسر کرنا کتنا مشکل تھا کس کو بتاتی، آنسو اک تواتر سے اس کے صبیح رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

"کیوں رو رہی ہو میں اس شخص کے لئے جسے نہ میری پرواہ ہے اور نہ وہ کوئی حق مجھے دینے پر تیار ہے، میں اسے کیوں یہ سوچنے کا موقع دوں کہ رات کے اس پہر اس بے درد کے انتظار میں جاگ رہی ہوں نہیں اپنے حوالے سے مجھے شہریار خان کو کسی قسم کی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونے دینا۔" یک لخت ہی آنکھیں رگڑتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور جب وہ تاب گھما کر لاؤنج کا داخلی دروازہ کھولنے لگی تو اسی پل شہریار کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا اور سعیہ کچھ دیر پہلے احساس تنہائی، کرب اور شکستگی کے جس جان لیوا احساس سے گزر رہی تھی وہ جیسے ایک دم سے اشتعال میں بدلنے لگا اور جیسے ہی گاڑی پورچ کرنے کے بعد بے حد تھکن زدہ انداز میں ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا اندر داخل ہوا تھا تو وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"کہاں تھے آپ اب تک، مجھے اس چار دیواری میں قید کر کے نکل جاتے ہیں پھر آدھی آدھی رات تک گھر میں داخل نہیں ہوتے، ایسا کون سا کام بڑھ گیا ہے جو بارہ بجے تک گھر نہیں آنے دیتا۔" شہریار نے چونک کر اسے دیکھا تھا جو لائیٹ پنک کلر کے ہلکے پھلکے کام والے سوٹ میں ناگواری چہرے پر سجائے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے خالص لڑاکا بیوی والے سٹائل میں کھڑی اسے گھور رہی تھی، پھر اک گہری سانس لے کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آفس سے نکلنے لگا تھا جب ایک ضروری اپائمنٹ نکل آئی کچھ دفتری ایشوز تھے نپٹاتے ہوئے دیر ہوگئی۔"

"اور کھانا؟" سعیہ نے کچھ طنزاً پوچھا۔

"آفس میں کھالیا تھا۔"

"آفس، آفس، آفس صرف یہی ایک چیز ہے آپ کی زندگی میں، میں کچھ نہیں، جسے بیاہ کر لائے اور پھر میری بے بسی کا تماشہ دیکھنے کو مجھے اس چار دیواری میں قید کر کے غائب ہو جاتے ہیں اور تنہا ڈر، خوف سے میں کیسے وقت گزارتی ہوں، مجھے کچھ ہو سکتا ہے وہم، خدشات، اندیشے پھر اکیلے ہونے کا خوف ایسے میں نہ کھانے کو جی چاہتا ہے نہ نیند آتی ہے کسی بیچارگی اور ہراس میں ٹائم گزرتا ہے، کچھ احساس نہیں آپ کو۔" وہ بری طرح مشتعل ہوائی تھی۔

شہریار اس کے سرخ چہرے کو بڑے دھیان سے دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا تھا، چند قدم چل کر اس کے سامنے آیا اور پھر اس کی غلافی آنکھوں میں دیکھتا دفعتاً مسکرا دیا ذرا سا جھک کر اس کی ٹھوڑی کو انگشت شہادت سے اٹھاتا بڑے محظوظ انداز میں بولا۔

"نئی خبر ہے کہ تم بھی خوفزدہ ہوتی ہو، ورنہ تو دوسروں کو وقف ہراس کرنا تمہارا مشغلہ رہا ہے، مائینڈ یو سعیہ شہریار خان، اس سارے خرابے کی ذمہ دار تم خود ہو۔" شہریار نے اس کے نرم ہونٹوں کو بڑے انداز سے چھوا تھا اور وہ جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی، کیسا شخص تھا جو اس کے اشتعال کو اتنے آرام سے لے رہا تھا۔

"میں، جس نے اپنی ذات اپنے خواب اپنے ارمان سب سہہ کر کے خود کو قربان گاہ پر چڑھایا بہت سے رشتوں کو بچانے کی کوشش کی اور میری اسی مجبوری کا صلہ مجھے قید خانے میں مل رہا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ لہجہ و آواز کو نم ہونے سے بچا نہیں سکی اور یہ وہ کمزوری تھی جو اسے اس بندے کے سامنے بکی کا شکار کر دیتی تھی۔

"ایک شرعی رشتے کو تم نبھا نہیں پا رہی ہو اور بات کر رہی ہو رشتوں کو بچانے کی، اگر تم رشتے ناتوں کا اتنا احساس رکھنے والی ہوتیں تو کسی نہ کسی لمحے میری نظر کرم کا اعزاز پا ہی لیتیں۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے بہت سکون سے بولا۔

"نظر کرم اور التفات آپ ان جذبوں کا مطلب سمجھتے ہیں نہ معنی آپ کو تو اپنی بیوی کو بیوی ہونے کا عزت و احترام دینا نہیں آتا اور بات کرتے ہیں حساسات کی یو نو مائینڈ آپ جیسا پتھر دل انسان ایسی باتیں کرتا اچھا نہیں لگتا۔" وہ چیختی ہوئی آواز میں بولتی پلٹی تھی کہ جب شہریار نے ایک ہی جھٹکے سے اس کی کلائی تھام کر اس کا رخ اپنی سمت موڑا تھا اور اپنے مخصوص تحکم بھرے انداز میں بولا تھا، سلگتی سانسیں اس کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے۔

"بیوی ہو تم میری اس بات کو تسلیم کرتی ہو تو اس کے تقاضے بھی جانتی ہو گی۔" اپنے اس کے بیچ فاصلے کو مٹاتے ہوئے وہ بولا تو سعیہ کا سارا غصہ سارا طنطنہ جیسے جھاگ بننے لگا اور موجودہ قربت کی اپنائیت نرمی و گرمی جیسے وجود میں عجب سنسناہٹیں جاگ اٹھیں، بے ساختہ نگاہیں چراتی وہ خود کو اس کی مضبوط گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش میں کسمسائی مگر گرفت مضبوط تھی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے مسز شہریار خان۔" اس کے نرم و ملائم رخسار کو چھوتے آنکھوں میں جھانکتے ایک خاص انداز سے دیکھتا وہ مسکرایا تھا، اپنی بے بسی کو محسوس کر کے قدرے جھنجھلاتے ہوئے سعیہ نے چہرہ اوپر کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

خوبصورت نقوش سے سجے وجیہہ پر چمکتی ساحر آنکھیں، مضبوط چوڑا جسم اور استحقاق بھرا انداز بلاشبہ وہ وجاہتوں سے مالا مال ایک شاندار مرد تھا وہ بے خیالی میں اسے دیکھے گئی اور یہ بے اختیاری شہریار کو اپنی بھرپور شخصیت کا احساس دلا رہی تھی، ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنے مضبوط مردانہ بازوؤں کی حصار میں قید دلکش و دلنواز سراپے والی اس خفا خفا سی لڑکی کو اس نے قدرے دھیان سے دیکھا تھا، سعیہ کے دل کی دھڑکنیں یکدم ہی ارتعاش میں گھرنے لگیں اس نے بہت گھبرا کر شہریار کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے خود کو آزاد کروانا چاہا تھا، مگر نا کام رہی، آنکھیں اپنی بے بسی خجالت اور بدلتی کیفیات کو محسوس کر کے نم ہونے لگیں۔

"اونہوں سویٹی میری بات کا جواب دیجئے بنا تم ہل نہیں سکتیں۔" بڑی توجہ سے اس کے چہرے پر جھولتی بالوں کی لٹ پرے کر کے وہ مسکرایا۔

"چھوڑیں مجھے آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دینا نہ آپ زبردستی مجھے روکنے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں۔" بہت غلط وقت پر غلط بات سعیہ کے منہ سے نکل گئی شہریار کا دماغ گھوم گیا اس کی سحر طراز آنکھیں طیش سے دہک اٹھیں اور اس کے چمکتے چاند چہرے کو باور کرانے والے انداز میں گھورتا وہ غرایا تھا۔

"حق تو اپنے سارے ابھی وصول بھی لوں گا اور بتا بھی دوں گا۔" سعیہ کی بھیگی پلکیں لرزنے لگیں اور گداز لب کپکپا رہے تھے جبکہ شہریار اور اس کے بیچ جو انچ بھر فاصلہ تھا وہ بھی سمٹ رہا تھا اس کا سر ہولے ہولے نفی میں ہل رہا تھا دلکشی کی حدوں کو چھوتی اس لڑکی کے ہونٹ شہریار اپنے بے حد قریب دیکھ کر لرز رہے تھے آنکھیں تو اتر سے بہہ رہی تھیں، شہریار نے اک بھرپور اور استحقاق بھری نگاہ اس پہ کی پھر سرد لہجہ میں بولا۔

"مگر نہیں سعیہ تم یہ حق وصولنے کے قابل نہیں ہو اور میں بھی اتنا سستا بک جانے والا مرد نہیں ہوں، سو اگر تم اپنے حسن و خوبصورتی کے بل بوتے پر کسی زعم یا خوش فہمی کا شکار ہو تو اس سے باہر نکل آؤ کیونکہ شہریار کو خوبصورت عورتوں کی کمی نہیں اگر وہ جسمانی حسن پہ مر مٹنے والا ہوتا تو کب کا حد سے گزر جاتا مجھے ہر چیز خالص پسند ہے یہ ذرا سی قربت مجھے ڈھیر کر دے گی تمہاری خام خیالی ہے۔" سعیہ کی حیرت سوا تھی وہ ششدر ساکت اسے کمرے سے نکلتا دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ بے ذہنی خلفشار کا شکار تھی ایک تو آفس کے آڈیٹوریم ہال میں سعود غوری سے ہونے والی منہ ماری دوسرا امی کی طرف سے ڈسٹربنس جانے صبح سے وہ کس حال میں تھیں، ان کو ہاسپٹل میں ٹریٹمنٹ ملی تھی کہ نہیں، پریشانی کے عالم میں وہ ہسپتال پہنچی تھی، یہاں جویریہ اور ربیعہ دونوں بنچ پہ بیٹھی رو رہی تھیں اور امی وہ بے سدھ پڑی تھیں۔

"کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے امی کی؟" وہ بے طرح پریشان ہو کر بولی۔

"امی کو فالج کا اٹیک ہو گیا ہے جسم کی ایک سائیڈ پر اور ڈاکٹرز اتنے سنگدل بار بار بلانے پر بھی کوئی دیکھنے نہیں آتا۔" جویریہ سسکتے ہوئے بولی۔

اریبہ بری طرح چونکتے ہوئے بے یقین اور متاسف نگاہوں سے ماں کو دیکھنے لگی، گہری سیاہ آنکھیں جن کے پپوٹے بیمار ہونے کے باعث سیاہ ہو گئے تھے گالوں کا گوشت والا حصہ اندر کو دھنس کر رخساروں کی ہڈیاں باہر کو ابھر آئی تھیں پپڑی زدہ سوکھے ہونٹ کمزور نحیف وجود انہیں کچھ دیر اسی طرح دیکھتے رہنے کے بعد جیسے بری طرح ٹوٹ گئی اور صدمے سے سسکنے لگی، آفس سے وہ اپنی ایڈوانس پے منٹ لے کر آئی تھی مگر فالج کا علاج بہت مہنگا تھا ہر روز چودہ ہزار کا انجکشن لگنا تھا پھر ان کی ریکوری کے آپشنز بچتے، سرکاری ہسپتال میں کوئی حال تھا مریض کا نہ پرسان حال پرائیویٹ ڈاکٹر کا تجویز کردہ علاج نا قابل حصول۔

"خالہ کہہ رہی تھیں رات صبح کچھ کریں گی کیا انہوں نے کسی کو نہیں بھیجا اب تک؟"

"آپی اگر وہ ہماری مدد کا ارادہ رکھتیں تو رات کو ایسی بیزاری کا اظہار نہ کرتیں، وہ اب ایسے صاحب حیثیت لوگوں میں شامل ہیں جو اپنے غریب رشتے داروں سے ہر گھڑی بچنا چاہتے ہیں، سچ کہتے ہیں مشکل ہو تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔" ربیعہ تلخی سے بولی۔

"لیکن ہم یہ سوچ کر ان سے تعلق ختم نہیں کر سکتے کہ اب رابطہ نہیں رکھنا۔" اندر سے ڈھے جانے کے باوجود اریبہ آہستگی سے بولی۔

"یعنی آپ پھر ان سے مدد مانگیں گی؟" جویریہ نے حیرت اور استعجاب سے دیکھا۔

"ان کے سوا ہمارا کوئی اور رشتے دار ہے بھی تو نہیں، امی کی حالت لحہ بہ لحہ بگڑتی جا رہی ہے ہمارے لئے ایک ایک پل قیمتی ہے اور کسی غیبی مدد کے انتظار میں بیٹھے رہنا نری حماقت ہے۔" اس کی آواز آنسوؤں سے بوجھل تھی جویریہ اور ربیعہ اسے دیکھ کر رہ گئیں، جانے کیوں اسے اندھیرے راستوں میں روشنی کی تمنا تھی وہ بھی ان سے جو اندھیرے پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے، وہ اس سب سے انجان نہ تھی مگر پھر بھی ایک موہوم سی امید کے سہارے اس نے اپنے بے جان ہوتے وجود میں ہمت پیدا کی، دل میں سوچتی اک عزم سے وہ اٹھی۔

دن کے پچھلے پہر وہ خالہ کے گھر پہنچی تھی، شادی گھر والی اک مخصوص گہما گہمی چمک دمک بڑے عالیشان گھر میں نظر آ رہی تھی دور سے ہی گیٹ کے پار ہی چوکیدار نے اسے ڈپٹ کر روک دیا تھا۔

"اے اے ہٹو پرے کدھر گھسی جا رہی ہو، ادھر کھڑی رہو صاحب لوگ صدقہ خیرات ادھر ہی دے گا کھانا چاہیے تو نہیں ملے گا کیونکہ فنکشن رات ٹائم میرج ہال میں ہے۔" وہ اسے کوئی بھکارن سمجھا تھا، حلیہ بھی تو کچھ ایسا ہو رہا تھا اس کا۔

"مجھے خالہ سے ملنا ہے۔" اریبہ نے کچھ خفت سے ناگواری کے ملے جلے تاثرات میں غصے سے کہا۔

"ارے پورا خاندان مانگتا ہے کیا؟" چوکیدار کا انداز تمسخرانہ ہو گیا۔

"شٹ اپ زبان سنبھال کر بات کرو۔" اریبہ کو شاید تاؤ آیا۔

"ارے واہ تو تو انگریزی بولے ہے ویسے ہے بڑی خوبصورت، بالکل بالی ووڈ کی کرینہ کپور دکھے ہے، ادھر آ چار منٹ میرے پاس بیٹھ میرا دل خوش کر، تو تجھے پیسے بھی دونگا، کھانا بھی کھلاؤ نگا۔" ہوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے چوکیدار نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور اریبہ کا ہاتھ جیسے اس کا منہ نوچنے کو بڑھا کہ اسی پل پیچھے سے بڑی سی سیاہ گاڑی نے ہارن دیا تھا وہ ہڑبڑا کر پرے ہٹی، خالہ وہاج پچھلی سیٹ پر تھے ان کی نگاہ اریبہ پر پڑ چکی تھی، خالہ نے فوراً ہی گاڑی رکوا کر اپنی طرف کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے اسے ناگواری سے ٹوکا۔

"تم سے کہا بھی تھا کہ اگر آنا ہوا تو پہلے سے ثمن ہما کے کپڑے لے جانا پہننے کو اور تم یہ بھیک منگوں جیسا حلیہ بنا کے کیا ظاہر کرنے آئی ہو سوسائٹی میں ہمارا ایک مقام ہے عزت ہے تمہیں جس کا خیال نہیں تم یہیں ٹھہرو تم، میں کسی ملازمہ کو بھجواتی ہوں وہ تمہیں پچھلے دروازے سے اندر لے آئے گی۔" انہوں نے شیشہ نیچے کرنا چاہا تو اریبہ بے ساختہ ہاتھ بڑھا کر ان کے بازو کو پکڑتے ہوئے بولی۔

"آپ بے شک مجھے اندر نہ بلائیں یہیں میری بات سن لیں میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔"

"اریبہ تم پلیز ادھر آؤ، اندر چل کر بات کرتے ہیں۔" اسے بہ غور دیکھتے وہاج نے جانے کیا سوچ کہ اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولا تھا اور اریبہ دوسری طرف سے جا کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی حالانکہ خالہ کا چہرہ بگڑ چکا تھا مگر اریبہ کو اس وقت خالہ کے تاثرات کی کوئی پرواہ نہ تھی اس کی جان صرف اپنی ماں، بہنوں میں اٹکی ہوئی تھی، وہ ہر قیمت پر ان کے لئے کچھ کرنا چاہتی تھی۔

بڑے عالیشان سے گھر کے پورچ میں گاڑی رکنے تک اس کی آنکھیں بھرا چکی تھیں، اس کے ہمراہ بیٹھا وجیہہ اور شاندار مرد اس کا منگیتر کزن بہت اچھا دوست تھا اور اس پل اس لمحے شاید کچھ تھا یا نہیں، وہ اس کی زندگی میں کچھ حیثیت یا اہمیت رکھتی تھی یقیناً اسی لئے وہاج کا رویہ قدرے نرم اور بہتر تھا، اریبہ کا دل ایک بار پھر بے طرح خوش فہم ہوا تھا، اس نے ایک بار پھر اپنے اندر کی نئی توانائی نیا حوصلہ اُمڈتا محسوس کیا۔

کیا چیز ہوتی ہے یہ محبت بھی پل میں انسان کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیتی ہے، وہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے جو وہم و گماں سے حدوں پرے ہو وہ دیکھنے کے لئے خوش فہم کر دیتی ہے خو قسمت میں لکھا بھی نہیں ہوتا؟

خالہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی تھیں اور یہ بات اریبہ کو چبھی تھی کیونکہ اپنوں کو ہمیشہ اندر لے جاتے ہیں، ڈرائنگ روم تو غیروں، مہمانوں کے لئے ہوتا ہے۔

"خالہ شاید ہمیں اپنا سمجھنا چھوڑ چکی ہیں۔" یہ بات محسوس کر کے اسے بُری سے تاسف ہوا اور اپنا مدعا بیان کرنے میں بھی جھجک مانع ہونے لگی مگر اس کے لئے گزرتا ہر لمحہ قیمتی تھا جسے ضائع کرنے کا رسک نہیں لیا جا سکتا تھا سو ایک بار پھر حوصلہ پکڑتی وہ خود کو بولنے کے لئے تیار کرنے لگی۔

"لڑکی جلدی کرو جو کہنا ہے کہو، بہت کام ہے ہمیں اتنے فارغ نہیں کہ بیٹھے تمہارا چہرہ دیکھتے

رہیں۔" خالہ کچھ بیزاری سے بولیں تو اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے، وہاج کو دیکھا وہ نظریں چرا گیا، وہ جو اس کے بولنے سے پہلے اس کے دل کے راز پڑھ لیتا تھا اس کی سوچ کے سب زاویوں سے واقف تھا وہ کتنا انجان تا یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں ہزار کوشش کے باوجود چھلک پڑیں۔

"امی کی طبیعت بہت خراب ہے رات سے، وہ ہاسپٹل میں ہیں، فالج کا اٹیک ہوا ہے ان کے علاج کے لئے رقم چاہیے آپ قرض سمجھ کر دے دیں میں جلد واپس کر دونگی۔" خالہ کچھ دیر کے لئے چپ سی ہوگئیں اور وہاج کو باہر جانے کا اشارہ کیا تھا پھر بہت احسان کے انداز میں فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بڑے سے پرس سے ہزار ہزار کے دس نوٹ نکالے۔

"یہ رکھو تم، واپس کرنے کی ضرورت نہیں میں آؤنگی ٹائم نکال کر دیکھنے۔" اریبہ نے ہونق سے انداز میں پہلے روپوں کو پھر انہیں دیکھا۔

"یہ پیسے ان سے کیا بنے گا خالہ چودہ ہزار کا انجکشن روز لگنا ہے انہیں آپ کم از کم پچاس ہزار تو دیں۔"

"دیکھو اریبہ دو بچیوں کی شادی ایک ساتھ کر رہے ہیں لمبے چوڑے جہیز کے ساتھ سلامی میں گاڑی فلیٹ ہنی مون کے لئے ٹکٹیں بہت کچھ کیا ہے، اب روپے درختوں پر تو لگے نہیں کہ یہاں سے اتار کر تمہیں لاکھ دو لکھ دے دوں بس اسی کو غنیمت سمجھو۔" ایسا سنجیدہ انداز کہ اریبہ کچھ دیر تو گنگ دیکھتی رہ گئی، پھر ملتجی انداز میں بولی۔

"خالہ پلیز آپ کچھ کریں، آپ کے سوا ہمارا کون ہے جو اس وقت ساتھ دے۔"

"کہا نا میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتی تم کسی اور طرف سے بندوبست کر لو۔" خالہ جس انداز میں کہہ کر اٹھیں اریبہ کو جھٹکا سا لگا گیا، اتنا کورا اور صاف جواب یہ ان کی خالہ یا امی کی بہن تو نہ تھیں شاید وہ غلط جگہ آ گئی تھی، اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

☆☆☆

بھوربن، نتھیا گلی اور پتریاٹہ کے خوبصورت علاقے میں سات کلومیٹر لمبی چیئر لفٹ جو سیاحوں کو ایک ایڈونچر فراہم کرتی ہے ان کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی، چیئر لفٹ کی سیر زندگی کے قیمتی لمحات سے تبدیل ہوگئی اور ان لمحات کو انہوں نے کیمرے کی آنکھوں میں محفوظ کیا، ان کے گائیڈ بتا رہے تھے۔

"اس چیئر لفٹ کا شمار دنیا کی دوسری بڑی اور تیز رفتار لفٹ میں ہوتا ہے یہ ایشیا کا واحد اور جدید ترین کمپیوٹرائزڈ کیبل کار اور چیئر لفٹ کا نظام ہے۔"

اور جب چیئر لفٹ میں بیٹھے ہوئے سر سبز کوہسار، حسین وادیاں اور دلآویز جنگلات انہیں اپنے راستے میں پلکیں بچھاتے محسوس ہوئے تو ذہن و دل کی ساری کلفتیں جیسے دور ہوگئیں، پاکستان کی پہلی چیئر لفٹ کے مرکز ایوبیہ اور خانس پور کا جانفزا موسم بھی طبیعت کو تازگی عطا کر گیا وہ سب سحر زدہ سے تھے۔

شاہ بلوط اور صنوبر کے درختوں کی خوشبو یہاں کے ماحول میں رچی بسی تھی جس سے دل و دماغ کو عجیب راحت مل رہی تھی اور شاید یہ اسی حسین سفر کا اعجاز تھا کہ وہ تھکاوٹ محسوس کیے بنا

بڑے جوش سے آگے بڑھ رہے تھے پھر وہ شملہ پہاڑ، آبشار اور الیاس مسجد جیسی تفریح گاہوں سے گھرے اس پیالہ نما شہر کی بلندی سطح سمندر سے 4120 فٹ تھی، جناروں کے اس شہر کا نظارہ انہوں نے قریبی پہاڑی پر چڑھ کر کیا تو چاروں اطراف میں گہرائیوں کے بیچ درخت، وادیاں اور نالے انہیں مبہوت کر گئے۔

"درختوں کے یہ جھنڈ، گھٹائیں، اناروں کے سرخ پھولوں سے بھرے پودے کیسے جنت نظیر نظارے ہیں یہاں زندگی نغمہ بن کر گاتی محسوس ہوتی ہے، ان سبزہ زاروں میں آ کر لگتا ہے ہم اس دنیا میں نہیں اور یہ احساس پر کیف میرے دل و دماغ کے لئے کسی دوا سے کم نہیں۔"

ماریا شاہ بلوط کے مضبوط تنے سے ٹیک لگا کے آنکھیں بند کیے بولی تو اس کی ساتھی خواتین نے اسے دلچسپی سے دیکھا وہ واقعی بہت پر سکون اور فریش دکھائی دے رہی تھی اور یہ واقعی ایک مثبت تبدیلی تھی۔

"یہاں انہوں نے بلند ترین چوٹی میراں جانی (9500 فٹ بلند) بھی دیکھی، PMA کا کول کے زیر تربیت فوجی افسران کی لمبی مہم جویانہ چہل پہل کا نظارہ بھی مبہوت کر دینے والا تھا، جامنی رنگ کے چھ پتیوں والے پھول قدموں تلے جا بجا بکھرے تھے۔"

"یہ پھول مقامی طور پر "کھوکھی" کہلاتے ہیں، یہاں پر تقریباً پانچ کلومیٹر نسبتاً کم چڑھائی کر کے "ہرنو" کا شفاف میٹھے پانی کا چشمہ بھی ہے جبکہ اس سفر کا ایک لازمی حصہ پائے بھی ہے۔"

گائیڈ نے ان کے شوق اور معلومات میں اضافہ کیا مرد حضرات شوق میں پہاڑی راستہ عبور کرنے لگے جبکہ خواتین اونچی ایڑھی والے جوتے پہنے ہونے کی وجہ سے محض انہیں دیکھ کر محظوظ ہوتی رہیں، منظم، سبز قطعات میں گھری خوبصورت عمارات کے درمیان مستطیل شکل کی پاک فوج کی تربیت گاہ کاکول کا دلفریب نظارہ قدرتی صناعیوں کے شاہکار پھول پودے اور پھر یہاں کے لذیز سیب کھا کر وہ واقعی لطف اندوز ہوئے مگر ٹھنڈا پانی بجلی اور اچھے ہوٹل نہ ہونے کے باعث وہ لوگ شام ہونے سے قبل روانہ ہو چکے تھے اور ایک بار وہ سب پھر متاسف لب و لہجہ میں گویا تھے۔

"کہ یہاں بجلی اور گیس کی سہولت دستیاب نہیں، عام استعمال کا پانی نہیں ہے آبادی ٹی وی کی سہولت سے محروم ہے اور ایسے اہم حسین ہل سٹیشن کو ان سہولیات سے محروم رکھ کر سیاحت کو کس طرح فروغ دیا جا سکتا ہے۔"

"جو ملک جمہوریت کو فروغ نہیں دے سکا وہ کسی اور چیز کو کیسے دے سکتا ہے۔" ڈاکٹر پیٹر کا لہجہ استہزائیہ اور طنزیہ تھا پھر اسی لہجہ کو برقرار رکھتے ہوئے وہ بولے۔

"But remember ایک چیز کو واقعی یہاں بہت فروغ ملا ہے، دہشت گردی جو یہاں پل رہی ہے پھول رہی ہے اور بڑھ رہی ہے بڑھتے ہوئے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔"

"پلیز ٹاک ٹو یو لسن می سر Please talk to you liston me sir محض سنی سنائی بات کو با غیر مصدقہ اطلاعات کو اتنے وثوق سے بیان کرنا آپ جیسے پڑھے لکھے بندے کو زیب نہیں دہشت گردی وہ نہیں جسے آپ دہشت گردی گردانتے ہیں بلکہ اصلی اور حقیقی دہشت گردی وہ ہے جسے دہشت گردوں سے نپٹنے کا نام دے کر عرصہ دراز سے مسلم ممالک میں جاری رکھا

گیا ہے جس کی آڑ میں سفاکانہ کاروائیاں کرتے ہوئے نہتے غریب اور مجبور لوگوں سے جینے کا حق چھینا جارہا ہے جبکہ اسلام میں کسی بے انصافی یا استحصال کی کوئی گنجائش نہیں نہ تو آبادیاتی نظام، سامراجیت، طبقاتی کشمکش یا غیر منصفانہ اور جارحانہ جنگوں کی کہیں اجازت ہے۔'' ان کے ہمراہ موجود مترجم اپنی قوم و مذہب کے لئے دفاعی انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔

''اسی لئے اسلامی ممالک میں خودکش بمبار تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔'' یہ کہنے والا ڈاکٹر آرتھر تھا۔

''ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک Negtive اور ایک Positive اسی طرح ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے، مغربی دنیا نے اپنے مفادات کو سرفہرست رکھتے ہوئے انسانی اقدار کو پس پشت ڈالا اور اخلاقی قدروں کو پامال کیا اور یہ تجربہ سیاسی، اقتصادی، اور سماجی سطح پر تیسری دنیا کے ساتھ روا رکھا گیا اور یہ خودغرضانہ عمل جب اخلاقی سیاسی اور اقتصادی جہتوں کے ساتھ مسلمانوں کی تہذیبی اور فکری زندگی پر بھی اثر انداز ہو کر انہیں ان کی ذاتی آسانیوں سے بھی محروم کر گیا تو وہ ظلم و زیادتی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اسلام کا جبر و استبداد کے خلاف نفرت و بیزاری کا جو حالیہ رویہ سامنے آیا ہے اس کے پیچھے مغربی پالیسیاں اور یہودی آقاؤں کا خودغرضانہ اور بے رحمانہ رویہ کارفرما ہے۔'' گائیڈ کا لہجہ تحمل مزاج مگر سچائی کو سامنے لاتا ہوا تھا وہ اسی لہجہ میں مزید بولے۔

''آج اگر اسلامی خودکش بمبار سامنے آرہے ہیں تو اس کا ذمے دار آپ کا مغربی طبقہ ہے جو تیسری دنیا کے اقوام مسلم کے بیشتر مسائل کے ذمہ دار ہیں، بلاشبہ بدقسمتی سے عالم اسلام میں عدل اجتماعی کی صورتحال خطرناک حد تک خستہ و خراب ہے اس کے باوجود اسلامی برکات پوری اسلامی دنیا میں نظر آتی ہیں۔'' اس کے برعکس مغربی دنیا تہذیبی و فکری محرومی کا شکار جنسی حوالے اور اخلاقی اقدار سے بالکل بے نیاز ہے کیونکہ مذہبی طور پر یہاں کبھی کوئی جاندار مستحکم نظریہ کارفرما نہیں رہا ایک نظریہ متعارف ہوتا ہے دس بیس سال اسے خوب مقبولیت رہتی ہے پھر وہ دم توڑ دیتا ہے اور اس کی جگہ کسی نئی آئیڈیالوجی کو فروغ مل جاتا ہے اور مغربی اقوام صدیوں سے یونہی بے یقینی اور شکوک و شبہات کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔'' بہت رسان سے بولتے اس شخص کا لہجہ اتنا منطقی اور دلائل سے پر تھا کہ وہ سب چپ کے چپ رہ گئے لیکن چپ ہونا بھی شکست کی دلیل تھا اور انہیں خود کو شکستہ کہلوانا منظور نہ تھا، بالآخر کیتھرین نے اس خاموشی کو توڑا۔

''آپ ایسا نہیں کہہ سکتے عیسائیت ایک عالمگیر مذہب ہے اور عیسائی مفکرین و محققین نے بہت ترقی کی ہے جو آج آپ کے مذہب میں ناپید ہے، آپ کا مذہب ابھی تک برقعے اور چار دیواری میں قید گھر کی دہلیز عبور کرنے سے قاصر ہے۔''

''ترقی ایک وسیع لفظ ہے جس کے بہت سارے پہلو ہوسکتے ہیں اس کا کوئی ایک مفہوم قطعی نہیں ہے مسلمان ایک دور میں خلیج بنگال سے لے کر اٹلانٹک تک حکمران رہے وہ سائنس اور فلسفے میں پوری دنیا کے استاد تھے، تہذیب و تمدن کے اعتبار سے کوئی قوم ان کی برابری نہیں کرسکتی، اسلامی تاریخ جن نامور افراد سے بھری پڑی ہے وہ عظیم الشان لوگ جاہل ماؤں کی گود میں تو پل بڑھ کر اس قابل نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی ان عورتوں کو علما، فقہا، اولیاء حکماء مصنفین اور فاتحین کو اس

اعلیٰ درجے پر فائز کرنے کے لئے پردے کو توڑنا پڑا تھا اسلام میں نقاب اور حجاب کے ساتھ عورتوں نے بڑی ترقی کی ہے، البتہ مغربی اقوام جو ترقی کر رہی ہیں اس طرح کی ترقی تو ہمیں واقعی حاصل نہیں ہوسکتی۔''

آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے سعید صاحب کا لہجہ قدرے استہزائیہ اور طنزیہ ہوگیا تھا، وہ سب لوگ ایک نہایت خوشگوار سفر کے درمیان ایک ناگوار بحث میں پڑ چکے تھے، ان کے ہمراہ موجود مسلمان اتنے لاعلم نہ تھے مغربی اقوام کے بارے میں جتنا وہ سمجھتے تھے۔

☆☆☆

اس جگہ میں بھی بھٹکتا پھر رہا ہوں آج تک
جس جگہ تھا راستہ پیاک سے بچھڑا ہوا
جب بھی تولا بے نیازی کی ترازو میں اسے
وہ نجھی نکلا ضبط کے ادراک سے بچھڑا ہوا

خوابوں سے کوئی بہت دوستی نہیں تھی اس کی نہ وہ محبت جیسی فرسودہ باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتی تھی اور پھر جب تک کوئی شے دسترس سے باہر ہو تو نفسیاتی طور پر دل و دماغ کو صبر آجاتا ہے مگر ایک شے تمام تر شرعی و قانونی اختیارات سمیت آپ کے پاس بے حد قریب ہوا اور وہ آپ کی ہوتے ہوئے بھی آپ کی نہ ہوا اور آپ اس کے نہ ہوسکیں، اس سے بڑا اور جان لیوا کرب اور کوئی نہیں ہوتا، وہ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لے کر جینے والی لڑکی تھی اسے لمحوں سے رنگ کشید کرنا اچھا لگتا تھا اور زندگی سے جب وہ خوشیاں اور رنگ کشید کرتی شہریار سے موجود تعلق اپنے اس کے رویے تعلقات کا بدلاؤ ان باتوں سے پریشان ہونے لگی تھی تو صبا نے بہت رسان سے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''عجلت سے اسٹینڈ والی عادت بعض اوقات بڑے نقصان کر دیا کرتی ہے زندگی بہت دھیان سے دیکھنے بہت سوجھ بوجھ سے برتنے والی چیز ہے اور تم دونوں کا رویہ، یا پوائنٹ آف ویو مختلف ہونا اتنا اہم نہیں، دنیا میں ننانوے فیصد لوگ ایک دوسرے سے مختلف پوائنٹ آف ویو رکھتے ہیں اور اس کے باوجود بہت کامیاب زندگی گزارتے ہیں، بلکہ ان میں محبت بھی ہوجاتی ہے ہوسکتا ہے تمہیں بھی ہوجائے۔''

محبت اس چیز کو اس نے اب تک سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہ محسوس کی تھی اور شہریار اس نے بھی روایتی میاں بیوی والے امیج کو برقرار رکھنا چاہا تھا، بس...... ورنہ وہ ایک کمرے میں رہنے سونے کے باوجود آپسی لگاوٹ توجہ محبت جیسے مسئلوں سے ناآشنا تھے پھر...... اس گریزاں، خاموش اور بیگانگی سے بھرپور فضا میں شہریار اس کے ساتھ کیا کر رہا تھا ایکدم سے ایسی قربت و محبت، توجہ اور رویہ جو اتنا غیر متوقع ہوتا کہ وہ ششدر رہ جاتی، اس کی طرف دیکھنے والی استحقاق سے بھرپور نگاہیں، اسے چھونے والے مضبوط مردانہ ہاتھ اس کے وجیہہ سراپے کی ایسی مدہوش کر دینے والی قربت یہ سب بے دھیانی یا سرسری طور پر سرزد ہونے والے افعال نہ تھے، نہ ان سب کو فیس کرنا آسان تھا کسی لڑکی کے لئے، لڑکی بھی وہ جو سعیہ ہو جس رشتے سے بندھ کر وہ شہریار کے گھر اور

زندگی میں موجود تھی۔

اس میں حالات اس کے بس سے باہر تھے صورتحال بے اختیار تھی، وہ شہریار سے دور بھاگنا چاہتی تھی مگر پاؤں بندھ جاتے تھے، ایسی نزدیکیاں اس نے کب سوچا تھا اور شہریار ایسے میں اس کی کیفیت بخوبی سمجھ جاتا تھا وہ پل جب سعیہ کا غرور، نسوانی وقار تمکنت سب اس کی ساحرانہ کشش اور مردانہ وجاہت کے آگے مٹی کا ڈھیر دکھائی دیتی اور یہی اس کا پلس پوائنٹ تھا وہ خود کو برتر پا کر سعیہ کو پھر سے بیگانگی کی مار مارتا سلگتی دھوپ میں چھوڑ جاتا، ایک لڑکی کے لئے اس کی سیلف رسپیکٹ کیا معنی رکھتی ہے وہ سوچنا گوارہ نہ کرتا۔

سعیہ ہزار ہا مضبوط سہی مگر شہریار کے اس اچانک التفات پہ جان چھڑانے کے باوجود اس کے وجود کے علاقے میں اندر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ پر کوئی شے کمزور واقع ہوئی تھی، یہاں کئی اضطرابیوں نے ایک عجیب بے چین کر دینے احساس کے ساتھ ڈیرا جمایا تھا، کہ اس کے لئے خود کو سنبھالنا دوبھر ہو گیا تھا اس قدر اچانک توجہ و التفات کے ساتھ اسی قدر اچانک سختی وہ کئی نئی کیفیات سے آشنا ہوتی رہی تھی کہ وہ شکست کھا رہی ہے اور اس شکست کو باور کراتی سب سے بڑی وجہ وہ خود تھی اس کا دل جو اسے شہریار سے نفرت کرنے نہیں دے رہا تھا اور وہ اپنی دھڑکنوں میں اُمڈتی اس نرمی اور توجہ کو مٹانا چاہتی تھی مگر کیسے؟ ایک یہ بات ہی تو سمجھ نہ آ رہی تھی، اپنی بے بسی کو اس معاملے میں محسوس کر کے اس کے آنسو تواتر سے بہنے لگے پھر آہستہ آہستہ ہچکیاں بھرنے لگی تو سوں سوں کی آواز پہ شہریار بے اختیار جھنجلا کر اٹھا تھا۔

نائٹ بلب کی روشنی میں دونوں ہاتھوں سے چہرا چھپائے بیٹھی وہ بے طرح رو رہی تھی۔

”تمہیں ہمیشہ راتوں کو رونا آتا ہے برائے کرم یہ شوق دن میں میرے آنے سے پہلے پورا کر لیا کرو، چند گھنٹے سونے کو ملتے ہیں وہ بھی عذاب بنا دیتی ہو۔“ وہ تکیہ اٹھا کر اسٹڈی روم میں جانے لگا۔

”شہری پلیز مجھے تنہا چھوڑیں کر نہ جائیں میں ڈر جاؤں گی۔“ وہ سسکی ہوئی بولی۔

”تم دودھ پیتی بچی نہیں ہو جو سوتے میں ڈر جاؤ گی اور یہاں کیا یہ ڈرامے تمہارے مجھے سونے دیں گے عجب سنکی لڑکی ہو، دوسروں کو اذیت دے کر ہمیشہ خوشی محسوس کرتی ہو۔“ وہ ناگواری سے کہتا پھر سے وہیں لیٹنے لگا۔

”اذیت تو آپ دے رہے ہیں مجھے کبھی نرمی کبھی گرمی کبھی کرم کبھی ستم کیوں کر رہے ہیں ایسا میرے ساتھ، اتنا برا کیا کر دیا میں نے کہ مجھے جینے بھی نہیں دے رہے، مانا پہلے میں نے آپ کو اس موجودہ رشتے کے حوالے سے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے گھر والوں کی عزت و مان کے لئے یہ سب کیا تھا بھلے یہ سب سچ سہی مگر آپ کی بیوی تو ہوں اور کیا اس رشتے کے حوالے سے میں آپ کی نگاہ میں ذرا سی بھی عزت کی حقدار نہیں، بہت سے رشتے دونوں فریقین میں کسی نہ کسی کی ناپسندیدگی کے باوجود طے ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی وہ لوگ ایک معتبر زندگی گزار دیتے ہیں، میں آپ کی نظر میں کتنی قابل سزا سہی مگر مجھ پہ زندگی اتنی تنگ تو نہ کریں میرے جذبات کا مذاق نہ بنائیں کم از کم جینے کا ایک قابل قبول رویہ تو رکھیں، سمجھوتوں میں بھی انسان ایسے خبط نہیں آزماتا جیسے مجھے آزما رہے ہیں۔“ سعیہ بری طرح روتے ہوئے بولی، پھر روتے ہوئے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ گئی۔

”میں آپ کی مجرم سہی، آپ کو ٹھکرانے کا آپ کی محبت کو قبول نہ کرنے کی گناہ گار سہی، اس جرم کو بار بار جتا کر مجھ پہ نفرت کی انتہا نہ کریں بیگانگی کی مار نہ ماریں، زندگی اتنی تنگ نہ کریں مجھ پہ۔“

بے بس اور شکست خوردہ انداز میں کہتی وہ چپ ہو کر پھر چہرہ ڈھانپے رونے لگی، یہ ٹھیک تھا کہ اس نے شہریار کے سنگ کوئی بہت خوبصورت خواب نہیں دیکھے تھے مگر ایک اچھی اور مطمئن زندگی کی چاہت تو تھی نا، اب تک وہ محبتوں کی فضا میں سانس لیتی آئی تھی، پھر یہ کیا تھا کہ محبت تو درکنار احساس خلوص و مروت تک نہ تھا اس کی ذرا سی تکلیف برداشت نہ کرنے والا اس کی ایک آہ پر تڑپ اٹھنے والا اس سے کچھ فاصلے پر ایک چھت کے نیچے بے خبر بنا بیٹھا تھا۔

اور سعیہ خود کو لاکھ باور کراتی کہ اسے شہریار کی پروا نہیں وہ اس سے کس قسم کا کوئی تعلق برقرار رکھنا مشکل سمجھتی مگر اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ بے تاثر بن جانا اتنا آسان نہیں ہوتا اور ان معاملات میں تو قطعاً نہیں جو آپ سے ملتے ہوں اور شہریار کہاں وہ رشتے کی دلیلیں دے رہا تھا اپنے اس کے تعلق کی اہمیت سمجھا تا تھا کہاں یہ دن کہ ایک چھت تلے رہتے دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا، وہ کس حال میں اور کیسے جی رہی تھی کچھ سروکار نہ تھا۔

مگر نہیں یہ سعیہ کی خام خیالی تھی شہریار کا دل اس کے لئے اب بھی حد درجہ نرم اور ملتفت تھا کیونکہ اپنے سے چند قدم فاصلے پر بیٹھی اس نازک اور کومل سی لڑکی ہے اس نے ٹوٹ کر عشق کیا تھا یہ وہی لڑکی تھی جس کی اجلی آنکھیں اور شگفتہ مسکراہٹ اسے دیوانہ کر دیتی تھی جس کی معصومیت اور سادگی نے اسے محبت کرنا سکھایا، اس کو سپنوں سے تعبیر بخشی پھر وہ اس لڑکی کو کیسے اپنے سامنے معتوب ٹھہرا سکتا تھا۔

جبکہ شہریار کا دل پوری شدت سے اب بھی اس کی جانب پلٹتا تھا کیونکہ وہ اس کی محبت کا روپہلا چہرہ تھا اور محبت اتنی آسانی سے بھلانے والی چیز نہیں، خاص کر اس صورت میں جب وہ اپنے قیام و مقام کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ آپ کے آس پاس موجود ہو، مگر انا درمیان میں آ کر روک دیتی ہر بار، وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اسے چند ثانیوں تک یونہی دیکھتا رہا پھر آنکھیں بند کرتے ہوئے بولا تھا۔

”لائٹ آف کر دو مجھے نیند آ رہی ہے۔“

سعیہ کا دل بری طرح تڑپا تھا اس قدر بے توقیری پر وہ ایک بار پھر تواتر سے آنسو بہانے لگی۔

☆☆☆

منحصر اہل ستم پر ہی نہیں ہے محسن
لوگ اپنوں کی عنایت سے بھی مر جاتے ہیں

اریبہ کو شدید دکھ ہوا اپنی کم عقلی پر ان کی بیگانگی پر، ان رویوں کا اندازہ تھا مگر وہ پھر بھی چلی

آئی، اس نے سنا تھا کہ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اور خالہ کے ساتھ وہاج کے ساتھ بہت نیکیاں تھیں ان کی ماں کی مگر اس وقت ان دونوں کو کچھ بھی یاد نہ تھا، پھر بھی اک موہوم سی امید اریبہ کو ان کے سامنے بلکنے اور مدد مانگنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"خالہ اور کون ہے ہمارا کہاں جاؤں گی میں سب نے تو چھوڑ دیا ہمیں ابو کے بعد، صرف آپ سے رابطہ و تعلق ہے اور آپ نے بھی کچھ نہ کیا تو میری ماں مر جائے گی اور بغیر باپ بھائی کے ہم اپنے گھر میں صرف ماں کے آسرے پر بیٹھی ہیں، ماں نہ رہی تو گدھ ہمیں نوچ کھائیں گے۔"

"کیوں تم جو روز نئی گاڑیوں میں آتی جاتی ہو، نت نئے لوگوں کے ساتھ گھومتی ہو، کیا آج وہ تمہاری مدد نہیں کریں گے۔" خالہ نے تیکھے چتونوں سے پوچھا، اریبہ اس بات کے جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں سکی صرف لب بھینچ کر رہ گئی۔

"مرنا تو ویسے بھی ماں نے ہے اس کی بیماری بہت بڑھ چکی ہے روپے ضائع کرنے کا فائدہ، اب تو دعا کرو اللہ اسے زندگی سے خلاصی کر دے سال بھر سے تو وہ محتاج اور بے حواس ہے۔"

"خالہ ایسا نہ کہیں۔" وہ کانپ کر بولی۔

"بیمار محتاج سہی ہیں تو آپ کی سگی بہن۔"

"تم بھی تو سگی بھانجی تھیں بلکہ بطور بہو بھی چن لیا تھا مگر تم سے کیا فیض ملا، ذرا سی زندگی تنگ ہوئی اور تم اپنے مقام، رشتے، ناطے، تعلقات ہر چیز کو فراموش کر کے نئے راستے تلاشنے چل پڑیں اور آج مصیبت پڑی تو ہم یاد آ گئے، ہم اب بھی وہی ہیں اور تم اب کوئی اور اسٹوری گھڑ کر میرا وقت برباد نہ کرو، مجھے ثمن ہما کو پارلر بھی بھجوانا ہے اور بیسیوں کام ہیں تم تو گھر سے بن سنور کر شکار ڈھونڈنے نکل پڑتی ہو۔" خالہ ایک جھٹکے سے مڑیں اور ڈرائنگ روم سے نکل گئیں، اریبہ کو جیسے کوئی گہری چوٹ لگی تھی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ادھر سے اتنا کورا جواب ملے گا، اس کا سارا بدن ایکدم پھوڑے کی مانند دکھنے لگا تھا اور دل یوں بے بسی دکھ سے کانپ رہا تھا جیسے خزاں رسیدہ درخت کا تنہا پتا لرزتا ہے، اس نے بے حد کرب کے عالم میں آنکھیں موند لیں، آنسو ایک تواتر سے اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

"بی بی صیب آپ جا سکتی ہیں اپنے گھر، ڈرائنگ روم میں صاحب کے مہمانوں نے بیٹھنا ہے۔" کسی نے آ کر اسے حکم سنایا تھا حیرت تاسف دکھ اور پشیمانی نے جیسے ہمت بھی سلب کر لی تھی وہ بڑی قوت برداشت سے خود کو سنبھالتی اٹھی مرے مرے قدم اٹھاتی باہر آئی تو وہاج حسن کھڑا تھا کاریڈور میں دو آدمی اس کے ہمراہ تھے اپنی آنکھوں میں اترتی دھند کے باعث اریبہ ان کو پہچان نہ سکی یا شاید اس نے کوئی کوشش بھی نہ کی بلکہ وہ سیدھی وہاج حسن کی طرف بڑھی۔

"وہاج تم محبت کرتے ہو نا مجھ سے میری مشکلات سے اچھی طرح واقف ہو تم، پلیز مدد کرو ہماری ورنہ میری ماں مر جائے گی، پلیز وہاج کچھ کرو تمہارے سوا ہمارا کون ہے۔" اسے بازو سے پکڑتے ہوئے وہ سسکنے لگی، وہاج نے اپنے پاس کھڑے سعود غوری اور زبیر عباسی کو دیکھا تھا پھر لب بھینچ کر ایک غصیلی نگاہ اس پہ ڈالی تھی۔

"وہاج دیکھو میں وہی ہوں تمہاری اریبہ جس سے تم محبت کرتے تھے جس سے تم نے وعدے کیے تھے یہ دیکھو یہی انگوٹھی نا جو تم نے مجھے پہنائی تھی منگنی کے وقت، اس تعلق کے واسطے سہی آج اس وقت ساتھ دو تنہا نہ چھوڑو۔" وہ بری طرح سسکتے ہوئے بولی، وہاج جو پتھرائے چہرے اور بے تاثر نگاہوں کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا اس نے ایک نظر دیکھا تھا اپنے اردگرد کھڑے لوگ جن کے چہرے استہزائیہ ہنسی سے سجے تھے نگاہیں محظوظ ہو رہی تھیں ایک تماشہ دیکھنے کو مل رہا تھا مفت میں اور دوسرے پل اس کا ہاتھ بلند ہوا مضبوط مردانہ ہاتھ کا زناٹے دار تھپڑ بڑی سرعت سے اریبہ کے چہرے کو سن کر گیا، دماغ کے سارے تار جیسے جھنجھنا اٹھے تھے، لمحہ بھر کو تو اسے سوچنے سمجھنے کی حسیات بھی مفلوج ہوتی محسوس ہوئیں۔

"میں تو صرف تم لوگوں کی ہمدردی میں ترس کھا کر مدد کرتا تھا، تمہاری محرومیوں پہ سہارا دینے کی کوشش کی تھی تم اسے محبت سمجھ بیٹھیں، یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے میرا نہیں۔" وحشیانہ انداز میں گھسیٹ کر بیرونی گیٹ کے قریب دھکیلتے ہوئے وہ نفرت سے بولا تھا۔

اریبہ کو لگنے والا جھٹکا شدید تھا، اس پہ جیسے تیزاب سا ڈال دیا گیا تھا، اس کے چہرے پر کھنڈتی زردی اور بے یقینی بے ساختہ تھی۔

"آج میں وہ سارے وعدے توڑتا ہوں، میرا تم سے کوئی تعلق ہے نہ میری زندگی میں تمہاری جگہ ہے آئی ہیٹ یو۔" چوکیدار سے دروازہ بند کرنے کا کہہ کر پلٹا تھا اور اریبہ وہ بے ساختہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

ایک لمحہ تھا جو وہاج کی نگاہوں میں دل میں شک بو گیا تھا اور اپنی سچائی ثابت کرنے کو وہ کوئی آسمانی گواہی نہ لا سکی تھی اور اپنا اثاثہ کل گنوا دیا اک خطا کے ہاتھوں، اس در پہ ہونے والے سلوک اور رویے کا اندازہ پہلے سے تھا جویریہ اور ربیعہ نے یہاں آنے سے منع بھی کیا تھا اسے مگر ماں کی محبت اسے کھینچ کر لے گئی یہ عقدہ تو اب کھلا تھا کہ ماں کی محبت کے ساتھ اس کی بدبختی بھی اسے کھینچے جا رہی تھی، اپنی کم عقلی کا دکھ اسے لے بیٹھا تھا، آخر کیا سوچ کر وہ یہاں چلی آئی تھی یہ خیال پچھتاوے میں دھکیل رہا تھا، انتہائی بیدردی سے تمام وعدے بھلا کر رشتہ توڑنے والا شخص کتنا اجنبی تھا اور وہ اس ایک شخص کے لئے برباد ہو رہی تھی صرف اس ایک خوش فہمی میں کہ محبت کرتا ہے وہ اس سے اور آج بھی اس پہ جان دیتا ہے جبکہ اس کے لئے صرف پیسہ اہم تھا جھوٹی شان و شوکت عزیز تھی اسے۔

اور اسے برقرار رکھنے کے لئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا اور خالہ وہ غریب تھیں تو کتنی اچھی تھیں یہی اریبہ تھی جس کے سلیقے اور حسن کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی تھیں، اپنی بہن بھانجیوں کے دم سے جیتی تھیں آج اس سمے خالہ کیا کر رہی تھیں، بیٹے کی ترقی اور اچھے حالات نے ان کی نگاہوں، ذہنوں اور تعلقات کو بدل ڈالا تھا۔

بے حس و حرکت بیٹھی اریبہ نے بڑے عالیشان گھر کو دیکھا تھا اور سوچا تھا۔

کیا فائدہ ایسی اونچائی کا جو انسان کو تکبر کے پہاڑ پر کھڑا کر دے یہاں کھڑے ہو کر وہ دیکھے تو نیچے کھڑے انسان بھی کیڑے مکوڑے نظر آئیں، وہاج حسن سے اس نے ٹوٹ کر محبت کی تھی جس سے وہ ایک خوبصورت تعلق میں بندھی تھی اس محبت تعلق کے ناطے یہ نہیں انسان کے طور پر تو وہ تھوڑی عزت کی مستحق تھی، مگر اس کی نگاہوں، باتوں، رویے اور سلوک میں اریبہ اشفاق کے لئے محبت تھی نہ عزت اور وہ اس شخص کے لئے سب لٹا کر تہی داماں تھی، جذبے، خواہشات، خواب کچھ بھی تو نہ رہا تھا اس کے پاس اپنے ہر احساس کو لے کر وہ اس عشق کے لئے خوار ہو گئی تھی، طیبہ اسے سمجھاتی تھی اس موڑ کے آنے سے پہلے سنبھل جانے کا کہتی تھی مگر وہ کس فریب نے اسے اندھی بہری کر دیا تھا، کہ وہ سب بھلائے محبت کے عفریت کے پیچھے اندھا دھند بھاگتی رہی، اب سارے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

وہاج حسن وہ شخص نہیں تھا جس سے وہ محبت کرتی تھی جس پہ حد سے سوا اعتبار تھا اسے، تذلیل، توہین، بیگانگی کے تحفے دیتا وہاج حسن وہ شخص نہیں تھا جس سے اریبہ اشفاق محبت کرتی تھی، نہ اس کی آنکھیں وہ آنکھیں تھیں جو اریبہ کو محویت و چاہت سے دیکھتی تھیں وہ بے حد نفرت سے بھری نگاہیں تھیں کہ اریبہ کو اپنے دفاع میں کہنے والے تمام الفاظ ان آنکھوں کو دیکھ کر بھول گئے۔

''بی بی اٹھو ادھر سے ہم دروازہ بند کریں صاحب لوگ غصہ کرے گا۔'' چوکیدار بولا، اریبہ نے چونک کر پہلے چوکیدار پھر اس گھر کو دیکھا۔

(باقی اگلے ماہ)

انا کی جیت

فرخ طاہر قریشی

انا وہ آگ ہے پیاری
کہ جس آگ میں جل کر
بچا کچھ بھی نہیں کرتا
ملا کچھ بھی نہیں کرتا......
انا وہ جنگ ہے پیاری
کہ جس کو جیت جانے تک
اپنی جان جاتی ہے
انا وہ کھیل ہے
جس میں وفا کے ہوتے ہوئے بھی
بے وفائی کرنا پڑتی ہے
وفا جب دونوں طرف ہی ہو
تب انا گر بیچ آ جائے
وفا تب کچھ بھی نہیں رہتی
دلوں میں نفرت پلتی ہے
دوریاں بڑھنے لگتی ہیں
وفا تب کچھ بھی نہیں رہتی
انا بس جیت جاتی ہے

''انا'' تین حرفوں سے بنا یہ لفظ دیکھنے میں جس قدر چھوٹا لکھنے میں جتنا بھی آسان ہوتا ہو مگر سمجھنے میں نہ تو یہ چھوٹا ہوتا ہے نہ ہی آسان، تین حرفی یہ لفظ اپنے اندر اتنی طاقت رکھتا ہے کہ لمحوں میں انسان کی زندگی کو تباہ کر کے رکھ سکتا ہے، کسی سے محبت کے اظہار کے لئے بھی تو تین ہی لفظوں کا استعمال کیا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح نفرت کے اظہار لئے بھی تین ہی لفظوں کا استعمال ہوتا ہے، لفظ اپنے اندر بہت طاقت رکھتے ہیں، مگر انا...... یہ وہ لفظ ہے جو انسان کی شخصیت کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے، ایک بار اگر انا کسی رشتے کے درمیان آ جائے تو پھر سب کچھ پیچھے رہ جاتا ہے بس درمیان میں انا ہی سلامت رہ جاتی ہے، اس کے ساتھ بھی تو یہی ہوا تھا؟ اپنی انا کو عزیز رکھنے والی، رشتوں سے زیادہ انا کو اہمیت دینے والی؟ مگر انا کو اس قدر عزیز رکھنے کے بعد اسے کیا ملا؟ صرف اور صرف تنہائی؟ ایسی تنہائی جس نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

☆☆☆

''عنایہ بیٹا اٹھ جاؤ سات بج چکے ہیں آپ سکول سے لیٹ ہو جاؤ گی۔''
''اٹھتی ہوں بابا۔'' اس نے خمار آلود آواز میں جواب دیا تھا۔
''اٹھو پھر فوراً۔'' پھر جلدی کی تلقین کی گئی تھی۔
''اوکے بابا آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' اس کی آنکھیں ابھی بھی بند تھی۔
''جلدی...... فوراً ریڈی ہو کر آ جاؤ آپ آل ریڈی لیٹ ہو رہی ہو۔'' عامر صاحب بیٹی کو جلدی اٹھنے کی ایک بار پھر تلقین کرتے باہر نکل گئے۔
''سلام۔'' وہ آنکھیں ملتی کمرے سے باہر آئی تھی۔
''وعلیکم السلام! عنایہ یہ آج اتنا لیٹ کیوں اٹھی تم؟ اور یہ کیا تم تو ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئی ہو، سکول تو لگ چکا ہو گا، مزید اور دیر کی تو تم بہت زیادہ لیٹ ہو جاؤ گی، تمہارے بابا بھی تمہارا انتظار کرتے کرتے آفس چلے گئے، آپ مزید اور دیر مت کرو فوراً تیار ہو جاؤ میں چھوڑ آ جاؤں گی تمہیں' سائرہ نے فکرمندی سے کہا تھا۔
''جی آنٹی! جانتی ہوں میں بہت لیٹ ہو گئی ہوں، دراصل رات فزکس کے ہونے والے ٹیسٹ کی تیاری کرتی رہی، پوری رات سٹڈی کرتے گزری صبح ہونے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی تب میں سوئی تھی اسی وجہ سے اب آنکھ دیر سے کھلی ہے، لیکن کیا فائدہ ہوا رات بھر ٹیسٹ کی

تیاری کرنے کا ساری محنت اکارت گئی۔'' اس کا انداز افسوس بھرا تھا۔
''محنت اکارت کیوں گئی، تم تیار ہو جاؤ میں چھوڑ آتی ہوں تمہاری ٹیچر سے میں ایکسوز کر لوں گی تم بس جلدی تیار ہو کے آ جاؤ۔''
''سوری آنٹی! میں بہت لیٹ ہو چکی ہوں سکول سے، کلاس کب کی شروع ہو چکی ہو گی، ایسے میں اگر میں اب سکول چلی بھی جاتی ہونگی تب جب تک میں سکول پہنچوں گی ٹیسٹ ختم ہو چکا ہو گا۔'' اس نے جانے سے انکار کر دیا۔
''ٹیسٹ ختم بھی ہو چکا ہو گا تب بھی میں تمہاری ٹیچر سے کہہ کر ٹیسٹ دوبارہ لینے کی ریکوئسٹ کروں گی تمہاری محنت بالکل بھی ضائع نہیں ہو گی، اب اور دیر مت کرو اٹھو اور چینج کرو۔'' سائرہ نے اسے ہاتھ پکڑ کر چینج روم کی طرف دھکیلا۔
''آپ کو سمجھ نہیں آ رہی؟ اس وقت میں سکول گئی تو ٹیچر سے جو ڈانٹ پڑے گی وہ الگ اور سب لڑکیاں جو میرا تماشا بنائے گی وہ الگ، بس میں آج سکول نہیں جا رہی۔'' اس کا انداز قطعی تھا، سائرہ کو اس کا انداز سخت ناگوار گزرا تھا۔
''تم چینج کرتی ہو یا میں ایسی حالت میں تمہیں سکول لے جاؤں؟'' اس بار اس نے سختی سے کہا تھا۔
''آنٹی پلیز میری بہت انسلٹ ہو گی آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔'' ناک چڑھائے اس نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی تھی۔
''چٹاخ۔'' سائرہ نے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا تھا۔
''تمہیں پیار کی زبان سمجھ نہیں آتی کیا؟ کب سے کہہ رہی ہوں چینج کرو میں خود سکول چھوڑ آتی ہوں ٹیچر سے ایکسوز کر لوں گی، اس سب کے باوجود بھی ہٹ دھرمی کیے جا رہی ہو، سخت بری لگتی ہو تم اس طرح کرتی۔''
''آپ نے مجھے مارا؟'' عنایہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
''ہاں مارا...... اور بھی ماروں گی اگر تم اسی طرح فضول ضد کرتی رہی ہو۔'' سائرہ نے اسی انداز میں جواب دیا تھا، عنایہ نے لب بھینچ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
''کس حق سے آپ نے مجھے تھپڑ مارا؟ اور مزید کس حق سے آپ مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گی؟'' اس کے سامنے کھڑی وہ سوالیہ ہوئی تھی۔
''ماں ہو تمہاری۔''
''سوتیلی ماں، ایسی ماں جس کو کبھی میں نے ماں سمجھا ہی نہیں ہے۔''
''سخت بری لگتی ہیں آپ مجھے اس طرح زبردستی میری ماں کا رول پلے کرتی، یاد رکھا کریں آپ صرف میرے بابا کی بیوی ہیں اور بس۔'' چبا چبا کر ایک ایک لفظ کہتی وہ وہی زہر اگل رہی تھی جو اس کے اندر بچپن سے بھرا گیا تھا، سائرہ حق دق سی اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔
یہ تو وہ جانتی تھی، عنایہ اسے پسند نہیں کرتی ہے مگر وہ اس سے نفرت کرتی ہے اس بات کا احساس اسے آج ہوا تھا، نجانے اس سے کہاں کوتاہی ہوئی تھی کہ عنایہ کے اندر اس کے خلاف اس حد تک زہر بھر گیا تھا، اس نے تو ہمیشہ ایک اچھی ماں بننے کی پوری کوشش کی تھی مگر......؟ عنایہ کہہ رہی تھی۔
''آپ کے شوہر بابا ہیں آپ ان پر توجہ دیا کریں میری فکر مت کیا کریں۔'' وہ کہہ کر جانے کو پلٹی، پھر رخ موڑ کر مزید کہنے لگی۔
''اور آئندہ سوچئے گا بھی نہیں کہ میں کبھی

سے ایکسوز کرنے کی کوئی بھی ضرورت نہیں ہے، میرا ٹیسٹ اہم تھا یہ میں بھی جانتی ہوں مگر اب اسے کس طرح ہنڈل کرنا ہے میں یہ بھی اچھی طرح جانتی ہوں، آپ کو کسی بھی زحمت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ کی جو ذمہ داری ہے آپ اس کو یاد رکھیں اور بس۔" انتہائی روڈ انداز میں اسے اس کی اوقات یاد دلاتی وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی، سائرہ ابھی تک اسی جگہ کو دیکھ رہی تھی، جہاں سے ابھی عنایہ گئی تھی، اس کے لفظوں نے اسے بہت ہرٹ کیا تھا جس کا ثبوت اس کی آنکھوں سے بہتا پانی تھا۔

یہ سچ تھا وہ عنایہ کی سوتیلی ماں تھی اس نے عامر سے شادی اس وقت کی تھی جب عنایہ کی پیدائش کے دو سال بعد اس کی ماں دوسرے بچے کی ڈلیوری کے وقت بچے سمیت خود بھی مر گئی تھی، عامر سے اس کی شادی کی وجہ صرف اور صرف عنایہ تھی، عنایہ ایک اچھی بچی تھی اس نے اس کی حقیقی ماں کی طرح اس کے خیال رکھنے کا عزم کیا تھا، مگر نجانے کیا وجہ تھی عنایہ ہمیشہ اس سے ڈری ڈری رہتی وہ اسے پاس بلانے کی کوشش کرتی تو وہ ڈر کر اس کے پاس سے بھاگ جاتی، ڈری سہمی عنایہ کا ڈر اس نے دور کرنے کی بہتری کوشش کی تھی تب کہیں جا کر وہ اس کا ڈر دور کر پائی تھی اب وہ اس کے بلانے پر ڈر کر بھاگ نہیں جایا کرتی تھی، مگر اب یہ ہونے لگا تھا وہ اسے پاس بلاتی تو وہ ڈھیٹ بنی اس کے سامنے اپنی جگہ پر کھڑی رہ جاتی، اس کے لاکھ پکارنے پر بھی وہ نہ آتی تو سائرہ کو خود اس کے پاس آنا پڑتا تھا۔

نجانے خدا کی کیا مصلحت تھی سائرہ کے ہاں کوئی اولاد ہی نہ ہوئی، اپنی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ساری توجہ عنایہ ہی کے لئے تھی مگر عنایہ وہ جو بچپن میں اس کے بلانے پر نہیں آیا کرتی تھی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسکی یہ عادت مزید پختہ ہو گئی، وہ کبھی بھی اس کی کوئی بات نہیں مانتی تھی، مگر یہ ضرور تھا باپ کے سامنے وہ ہمیشہ با ادب رہا کرتی تھی۔

سائرہ کے ساتھ اس کا جو بھی سلوک تھا اس نے کبھی اس کے متعلق عامر سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا، جو تھا جیسا تھا وہ اپنی طرف سے ایک ماں کی طرح اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش کیے جا رہی تھی کہ اب اس طرح عنایہ کے منہ سے اپنے لئے نفرت کا اظہار سن کر اس کی ہمت ہار گئی۔

وہ کون سا اس کی سگی ماں تھی جو ہر بار اس کا کاری سے کاری وار سہہ جاتی؟ پھر اس بار تو وار کافی کاری لگا تھا، اس کی خود کی کوئی اولاد نہیں تھی وہ عنایہ میں اپنی اولاد ڈھونڈتی رہا کرتی تھی، مگر اب......؟؟

اب جب عنایہ ہی اسے ماں تسلیم نہیں کرتی تھی تو وہ کیوں اور کب تک خود کو اس کی ماں ثابت کرنے کی کوششوں میں لگی رہتی۔

"میں سوتیلی ماں ہوں اور ہمیشہ سوتیلی ہی رہوں گی اور بس۔" بہتے آنسوؤں کو پونچھتے اس نے تھک کر کچن کی طرف رخ کیا تھا۔

☆☆☆

عامر آفس سے واپس آ کر کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے سائرہ کے کھانا لگا دینے کا انتظار کر رہے تھے، جب عنایہ اپنے کمرے سے باہر آئی، اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر عامر نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا ٹیسٹ کیسا رہا بیٹا؟"

"لیٹ ہو جانے کی وجہ سے میں سکول نہیں گئی بابا، ٹیسٹ رہ گیا میرا۔" میز کی دوسری طرف پڑی کرسی کھینچ کر وہ خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اوہ اتنی محنت سے تو تیاری کی تھی میری بیٹی نے۔" انہوں نے افسوس کا اظہار کیا۔

"کوئی بات نہیں بابا پھر کبھی سہی۔" سائرہ کھانا لے آئی تھی، اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے عامر کے سامنے رکھ دی اور خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"آپ بیٹھ کیوں گئی آنٹی؟ میرا کھانا کہاں ہیں؟ میں نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اب شدید بھوک لگی ہے۔" اسے بیٹھتے دیکھ کر عنایہ نے استفہامیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اب تم چھوٹی نہیں رہی ہو عنایہ، خود بھی اپنا کھانا لا سکتی ہو، کچن میں جاؤ اور لے آؤ۔" سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے اپنا کھانا شروع کر دیا، عامر نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ایسے کیوں کہہ رہی ہو سائرہ! روز بھی تو آپ ہی اس کے لئے کھانا لایا کرتی تھی تو پھر آج کیوں نہیں۔"

"روز میں خود کو اس کی ماں سمجھ کر اس کے لئے کھانا لایا کرتی تھی، اب جب میری اتنی ریاضتوں کا مجھے کوئی ثمر ملنا ہی نہیں ہے تو میں کیوں اور کب تک یوں آپ کی بیٹی کی نوکری چاکری کرتی ہوں۔"

"یہ میری ہی نہیں تمہاری بھی بیٹی ہے سائرہ۔" عامر کو تو اس کی بات کی کوئی سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔

"نہیں عامر، یہ صرف اور صرف آپ کی بیٹی ہے اور میں یہاں صرف آپ کی بیوی ہوں اور بس، جب تک یہ چھوٹی تھی میں نے اس کی ہر ذمہ داری اٹھائی ماں کی طرح مگر اب جب یہ بڑی ہو گئی ہے تو یہ ذمہ داری اب اسے خود سے اٹھانی ہو گی۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے سب کہا تھا۔

"یہ آج آپ کو ہو کیا گیا ہے؟ کیوں اس طرح کی باتیں کر رہی ہیں، کچھ ہوا ہے کیا؟" عامر نے بڑا الجھ کر عنایہ اور سائرہ کو دیکھا تھا۔

"آپ کی بیٹی کا میرے ساتھ جیسا بھی سلوک تھا میں نے آپ سے کبھی شکایت نہیں کی مگر آج...... آج میں تسلیم کرتی ہوں سوتیلی ماں ہمیشہ سوتیلی ہی رہتی ہے، وہ چاہے حقیقی ماں سے بڑھ کر کسی کی اولاد کو پیار کرے، مگر وہ ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور دیکھی جاتی رہے گی، کیونکہ اس ماں کے ساتھ ایک لفظ سوتیلی لگ کر اس کی ہر ریاضت کو ضائع کر دیتا ہے، میں بھی آپ کی بیٹی کی سوتیلی ماں ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔"

"آج اس نے مجھے جو کچھ بھی کہا، اس کے بعد میں چاہوں گی اب کبھی یہ دوبارہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھے اور ویسے بھی امید رکھنے کے لئے کسی رشتے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ اس کے اور میرے درمیان اب کوئی رشتہ باقی نہیں رہا اور پلیز آپ بھی اب کبھی مجھے اس کے لئے مجبور نہیں کریں گے۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے اپنی بات عامر کے گوش گزار کی اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

عامر نے عنایہ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا مگر انہوں نے بڑی خاموش نظر سے اس کو دیکھا تھا اور کھانے کی ٹرے پڑے کھسکائے وہاں سے چلے گئے تھے، پیچھے وہاں صرف اکیلی عنایہ ہی بیٹھی رہ گئی تھی بالکل اکیلی۔

☆☆☆

"اور پھر وہ خود اپنی ہی وجہ سے بالکل اکیلی

ہو کر رہ گئی۔"

میں عنایہ ملک جس نے اپنی انا میں اپنے پیاروں کو خود سے دور کر دیا، نجانے کب مجھ میں انا نے سر اٹھایا یہ تو ٹھیک طرح سے یاد نہیں مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ وقت جب ماما کی ڈیتھ کے بعد بابا نے سائرہ آنٹی سے شادی کی تھی، اس وقت میں اتنی چھوٹی تھی کہ سگی اور سوتیلی کے لفظوں سے بھی نا آشنا تھی، اگر میں ماہا کی امی کی سب باتوں میں نہ آئی ہوتی تو شاید میں ان لفظوں سے ہمیشہ نا آشنا ہی رہتی، وہ عمر کچی عمر کہلاتی تھی ایسی عمر میں جس میں ذہن کو جس طرف روخ دینے کی کوشش کرو پھر وہ اسی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

میرے ساتھ بھی اس عمر میں یہی ہوا، جب ہوش سنبھالا اور ماں جیسے رشتے کو سمجھنا چاہا تو ماہا کی ماما نے بتایا سائرہ میری سگی ماں نہیں ہے، ان کی بات سن کر میں نے بڑی معصومیت سے ان سے پوچھا۔

"آنٹی سگی ماما کیا ہوتی ہے سائرہ میری ماما نہیں تو میری ماما کہاں ہیں؟"

تب انہوں نے میری معصوم ذہن میں سگی اور سوتیلی کا فرق کچھ اس طرح بٹھایا کہ میں چاہنے کے باوجود بھی پھر کبھی سائرہ آنٹی کو اپنی ماں کی نظر سے دیکھ ہی نہ پائی۔

ماہا کی ماما نے بتایا میری ماما خدا کے پاس جا چکی ہیں اور سائرہ میری سوتیلی ماں ہے جو مجھے بوجھ سمجھتی ہیں ایسا بوجھ جو موقع ملتے ہی وہ اپنے گلے سے اتار پھینکے گی، ماہا کی ماما کی باتیں میرے ذہن کو اپنی گرفت میں ہر وقت رکھتی ہیں انہی کی وجہ سے میں کبھی بھی سائرہ آنٹی کے قریب ہو ہی نہیں پائی۔

"سائرہ آنٹی بہت اچھی ہیں، انہوں نے ہمیشہ میرا بہت خیال رکھا اتنا خیال تو شاید میری اپنی سگی ماں بھی میرا نہ رکھتی، انہوں نے اپنی ریاضت کے صلے میں مجھ سے بس اتنا چاہا کہ میں ان کو اپنی ماں سمجھ سکوں، مگر میں...... میں نے کبھی بھی ان کی خواہش پوری نہیں کی، جو انہوں نے چاہا ہمیشہ اس کے الٹ کیا، ایسا کر کے ہمیشہ مجھے خوشی ہوتی تھی اور شاید میں ہمیشہ ایسا ہی کرتی رہتی مگر اس دن...... ان کی باتیں...... بابا کی خاموشی نے احساس کرایا میں غلط ہوں، اپنے غلط ہونے کا احساس ہوا تو ضمیر پر بہت بوجھ بن گیا۔"

"آج مجھے اقرار کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہو رہی، اس دن میں نے سائرہ آنٹی کے ساتھ بہت غلط کیا اور اس بات کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا، اس وقت جب مجھ سے ناامید ہو کر انہوں نے اپنی ہر امید کو مٹ دیا، ختم کر دیا؟ بابا نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا کاش اس سمے انہوں نے مجھ سے کچھ تو کہا ہوتا؟ مجھے میری غلطی کی سزا دی ہوتی، مجھے ڈانٹا ہوتا، تب کم از کم میں یوں اکیلی نہ رہ جاتی، سائرہ آنٹی نے اسی دن کی طرح حق سے مجھے ڈانٹا ہوتا مارا ہوتا، مگر وہ اپنا حق پھر سے استعمال کرتی بھی تو کیسے؟ ان سے ان کا حق تو میں خود ہی چھین چکی تھی، مجھے سمجھ میں نہیں آتا میں خود کو کیا کہوں۔" عنایہ ملک ان کی بہت بڑی پجاری۔

میں نے کبھی اپنی ماں کو نہیں دیکھا وہ تو ٹھیک طرح سے مجھے یاد بھی نہیں میں نے جب بھی اپنی ماں کے لئے کچھ سوچنا چاہا میری نظروں کے سامنے سائرہ آنٹی آ جاتی ہیں پہلے میں اس خیال کو جھٹک دیا کرتی تھی مگر اب...... اب میں خود پہروں بیٹھی انہیں سوچا کرتی ہوں، مجھے اعتراف پہلے سائرہ آنٹی نے اپنے ماں ہونے کا حق ادا کر دیا، مجھ سے لاتعلقی کے اظہار کے باوجود بھی انہوں نے بڑے چپکے سے اس تعلق کو قائم رکھا۔

آج مجھے ان کو ماں کہنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی، مگر اب شاید بہت دیر ہو چکی ہے، میں اپنی انا کو توڑنا نہیں چاہتی میں جھک نہیں سکتی کہ جھک جانا تو ہار کے مترادف ہوتا ہے، میں جھک ہی نہیں سکتی اور میں جھکنا چاہتی بھی نہیں ہوں۔

"میری انا یہ گوارا ہی نہیں کرتی کہ میں سائرہ آنٹی کو بتاؤں وہ بہت اچھی ہیں، وہ میری آنٹی نہیں میری ماں ہیں سائرہ ماں، میں جانتی ہوں اگر میں ان کو یہ سب بتاؤں تو وہ خوشی سے شاید پاگل ہی ہو جائیں گی مگر میں ان کو بتاؤں تو کس طرح؟ میں چاہتی ہوں وہ پہلے کی طرح مجھ سے پیار کریں میرے لئے کھانا بنا کر مجھے خود کھلائیں، میں چاہتی ہوں وہ مجھ سے باتیں کریں مجھے گلے لگائیں، مگر...... سائرہ ماں نے ثابت کر دیا ماں صرف ماں ہوتی ہے سگی، سوتیلی کچھ نہیں ہوتا، مگر مجھے ہارنا پسند نہیں ہے کہ ہار جانے میں میری توہین ہے تو پھر وہ سب کیسے ممکن ہے جن کو میں حسرتوں کی طرح دل میں پالے جا رہی ہوں۔"

"اب میں بہت تھک چکی ہوں مگر خوش ہوں کہ میں ہاری نہیں ہوں میری انا سلامت رہی ہے، انا کی اس جنگ میں جیت تو انا کی ہوئی ہے میں تو بری طرح ٹوٹ چکی ہوں، مجھے اعتراف ہے انا کو عزیز رکھنے میں انسان دنیا میں بالکل تنہا ہو کر رہ جاتا ہے، میں نے یہ بات جانی تو مگر بہت دیر سے، مگر اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

انا کی جیت کے اس مقام پر آ کر مزید اس کا ساتھ دینا چاہیے یا یہاں تک پہنچ کر انا کو شکست دے کر اپنوں میں لوٹ جانا چاہیے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟

☆☆☆

ساجدہ تاج

وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی ڈرائنگ روم سے آتی آوازوں سے مہمانوں کی آمد کا اندازہ کرتی شدید کوفت کا شکار ہوئی تھی اور پھر صبر کے گھونٹ بھرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''شدید گرمی، تھکاوٹ، گردو غبار کی اکتاہٹ کیا کم کہ اوپر سے یہ مہمان۔'' انتہائی بیزار کن انداز میں اس نے سوچا اور پھر خود کو ریلیکس کرنے کے لئے شاور لینے چلی گئی۔

''کتنی بری بات ہے آبرہ تم مہمانوں سے ملے بغیر ہی اس طرح خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی ہو، کم از کم ان لوگوں سے سلام دعا تو کر ہی لیتیں۔'' وہ جب شاور لے کر نکلی تو رفعت آراء کو نہ صرف اپنے کمرے میں موجود پایا بلکہ ان کی سخت سست بھی سننی پڑی۔

''مجھے نہیں ملنا اس طرح کے کسی بھی مہمان سے پھپھو اور جب بابا جان نے انہیں ایک بار انکار کر دیا ہے تو پھر یہ روز کیوں آجاتے ہیں اپنا اور ہمارا ٹائم ویسٹ کرنے۔'' آبرہ نے منہ پھلا کر خفگی سے جواب دیا تھا اور ٹاول سے اپنے گیلے بالوں کو خشک کرنے لگی۔

''تم نے وہ کہاوت تو سنی ہوگی نا کہ جہاں بیری ہوتی ہے وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں بس اسی سلسلے میں وہ لوگ......'' رفعت آراء نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، اپنی اڑیل، ضدی بھتیجی سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔

''ان کے پتھروں کا اچھی طرح جواب دے چکے ہیں ہم لوگ پھر بھی...... عجیب ڈھیٹ قسم کے لوگ ہیں۔'' آبرہ نے ایک بار پھر

ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے مہمانوں کی شان میں قصیدہ گوئی کی تھی۔

''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' رفعت آراء نے تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر باہر کی جانب جاتے ہوئے بولیں۔

''اگر کھانا کھانا ہو تو کچن میں آجانا۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے پھپھو، میں اس وقت صرف سونا چاہتی ہوں اس لئے پلیز مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا۔'' آبرہ نے جمالیا لیتے ہوئے جواب دیا اور پھر رفعت آراء کے جانے کے بعد آنکھوں پر تکیہ رکھ کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

شام کے دھندلکے آہستہ آہستہ گہرے ہو رہے تھے، رات کی تاریکی دن کے اجالے کو دھیرے دھیرے نگل رہی تھی، چرند پرند سب واپس اپنے ٹھکانوں پر جا رہے تھے، اگست کا وسط چل رہا تھا جس کے سبب گرمی اور حبس کی شدت بھی عروج پر تھی اور اس گرمی کی شدت میں مزید اضافہ لائٹ کے غائب ہونے کی بدولت ہو گیا تھا اس وقت مغرب کی اذان ہو رہی تھی جب آبرہ سو کر اٹھی تھی، کچھ دیر کسلمندی سے بیڈ پر بیٹھے رہنے کے بعد وہ منہ ہاتھ دھوتی باہر چلی آئی تھی۔

ڈرائنگ روم کی خاموشی مہمانوں کے رخصت ہونے کا ثبوت دے رہی تھی تب ہی گہری سانس بھرتی وہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''اچھا ہوا تم خود ہی اٹھ گئیں، ورنہ میں ابھی فارغ ہو کر تمہیں اٹھانے کے لئے ہی آ رہی تھی۔'' رفعت آراء نے چاول دم پر رکھتے ہوئے کہا۔

''سوری پھپھو! آپ کو میری وجہ سے یہ سب کچھ کرنا پڑا وہ ایکچوئلی پتہ ہی نہیں رہا، اب آنکھ کھلی تو اتنا زیادہ ٹائم ہو رہا تھا۔'' آبرہ نے ندامت سے معذرت کرتے ہوئے وضاحت دی۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! کام ہی کتنا تھا، آراء اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کچن سے باہر چلی گئیں۔

آبرہ نے جلدی سے دال کو بگھار لگا کر سلاد کے ساتھ ساتھ فریج سے دہی نکال کر رائتہ بھی بنا لیا، جب تک یوسف صدیقی نماز پڑھ کر واپس آئے کھانا تقریباً تیار تھا۔

''آبرہ بیٹا! آج پھر شاہنواز خان آئے تھے۔'' کھانے کے دوران ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد بالآخر یوسف صدیقی نے یہ موضوع چھیڑا تھا۔

''جانتی ہوں بابا۔'' پرسکون انداز میں انہیں جواب دے کر وہ پانی پینے لگی۔

''پھر آپ نے اس سلسلے میں کیا سوچا ہے۔'' یوسف صدیقی کچھ دیر تک اس کی جانب منتظر نظروں سے دیکھتے رہے کہ مبادا شاید وہ کچھ کہے مگر دوسری طرف اس کے سرسری انداز کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا تھا۔

''بابا میں اپنا جواب پہلے بھی آپ کو دے چکی ہوں، مزید سوچنے کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' پانی کا گلاس ٹیبل پر واپس رکھتے ہوئے اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''بٹ وائے بیٹا! شانزل اچھا لڑکا ہے، فیملی بیک گراؤنڈ بھی بہت اچھا ہے اچھے شریف لوگ ہیں، لمبی چوڑی فیملی بھی نہیں ہے، پھر آخر آپ کو اعتراض کس بات پر ہے۔'' کھانے سے ہاتھ روک کر یوسف صدیقی نے آبرہ سے پوچھا تھا، جب سے شانزل خان کا رشتہ اس کے لئے آیا تھا یہ پہلی بار تھی کہ وہ خود آبرہ سے اتنی تفصیل

سے بات کر رہے تھے، اگرچہ کہ جب وہ لوگ پہلی بار رشتہ لے کر آئے تھے تب آبرہ نے سنتے ہی انکار کر دیا تھا مگر اس انکار کے باوجود شاہنواز خان دوسری بار اسی نیت سے ان کے گھر آئے تو یوسف صدیقی سے رہا نہ گیا اور تب انہوں نے خود آبرہ سے اس سلسلے میں بات کرنے کی ٹھان لی، اس رشتے سے وہ ہر لحاظ سے مطمئن تھے مگر آبرہ نجانے کیوں انکار کیے جا رہی تھی۔

''کسی بات پر بھی اعتراض نہیں ہے مجھے۔'' آبرہ نے سابقہ لاپرواہی سے جواب دیا تھا، یوں جیسے یہ بات اس کے لئے اہمیت کا باعث ہی نہ تھی۔

''پھر آپ اس رشتے سے بار بار انکار کیوں کر رہی ہیں، کیا آپ کی کوئی اور پسند...... میرا مطلب ہے۔'' یوسف صدیقی نے جھجکتے ہوئے محض اتنا ہی کہا تھا، رفعت آراء اس تمام عرصے میں خاموش بیٹھیں ان کی تکرار سن رہی تھیں۔

''نہیں بابا ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔'' آبرہ نے اپنی پلیٹ ایک جانب کھسکاتے ہوئے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! اگر آپ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتیں تو فی الحال منگنی وغیرہ کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، شادی تمہارے ایگزامز کے بعد رکھ لیں گے۔'' یوسف صدیقی نے اپنے تئیں ایک مناسب حل رکھا تھا اس کے سامنے، کیونکہ انہیں یہ رشتہ آبرہ کے لئے بے حد پسند تھا۔

''نو بابا مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے، نہ اب نہ تب، نہ شانزل خان سے اور نہ ہی کسی اور سے، اس لئے بابا آپ......'' وہ قطعی سے لہجے میں بولی تھی۔

''آئے ہائے لڑکی تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے، جو یوں دھڑلے سے بول رہی ہو کہ مجھے تو شادی کرنی ہی نہیں ہے، ٹھیک ہے اگر یہ لڑکا پسند نہیں ہے تو کسی اور سے ہم تمہاری شادی کر دیں گے مگر اس طرح یہ کہنا......'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی قریب خاموش بیٹھی رفعت آراء بول اٹھیں۔

''میں نے کہا نہ پھپھو کہ مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی، میں بس آپ لوگوں کے ساتھ ہی رہوں گی، میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' اس بار اس نے لاڈ سے کھانا کھاتی رفعت آراء کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے کہا، جبکہ اس کے لہجے اور انداز کو دیکھ کر یوسف صدیقی گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔

''لیکن بیٹا یہ تو ایک فرض ہے اور ہر ماں باپ کو یہ فرض ادا کرنا پڑتا ہے پھر تم دور تھوڑی ہو گی، ہم سے ملنے آیا کرو گی، کبھی کبھی ہم لوگ تمہیں ملنے آیا کریں گے۔'' رفعت آراء نے مدبرانہ انداز میں اسے سمجھایا تھا۔

''جی پھپھو جیسے صابرہ آپا آتی جاتی تھیں، یہ رنگین سپنے آپ مجھے مت دکھائیں، شادی اور اس کی حقیقت سے میں اچھی طرح واقف ہو گئی ہوں پھپھو، صابرہ آپا کی شادی کر کے آپ کو نصیحت نہیں ہوئی ہے کہ آپ لوگ مجھے بھی......'' وہ تلخ لہجے میں زہر اگل رہی تھی۔

''بابا آپ ان لوگوں کو انکار کر دیں مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی اینڈ آئی ایم سوری...... میں......'' وہ قطعی لہجے میں کہتی آگے بڑھ گئی تھی اور اس کے لہجے اور انداز کی تلخی نے یوسف صدیقی کو گہری فکروں میں دھکیل ڈالا تھا، وہ ایکدم سے پژمردہ سے ہو گئے تھے، اضطراب کی گہری پرچھائیاں ان کے وجود کا احاطہ کئے کھڑی تھیں۔

''آپ پریشان مت ہوں بھائی جان،

وقت کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، وقت بہت بڑا مسیحا ہے، اگر زخم دیتا ہے تو مرہم بھی وہی رکھتا ہے، سب کچھ دھیرے دھیرے نارمل ہو جائے گا۔'' آبرہ کے جانے کے کچھ دیر بعد رفعت آراء نے اپنی ہمتیں مجتمع کرنے کے بعد انہیں تسلی و دلاسا دیا تھا، ورنہ تو ان کا اپنا دل بھی غم کے بوجھ سے پھٹنے لگا تھا۔

☆☆☆

''کیا خیال ہے شہلا، اس سے پہلے کہ نیکسٹ کلاس شروع ہو جائے کیوں نہ کینٹین چلیں، اتنی زیادہ بھوک لگ رہی ہے، صبح بھی ناشتہ نہیں کیا تھا میں نے۔'' انگلش لیٹریچر کی کلاس آف ہونے پر وہ جیسے ہی کلاس سے نکلی تھیں آبرہ نے دہائی دیتے ہوئے کہا۔

''یار نیکی اور پوچھ پوچھ، چلو چلتے ہیں۔'' شہلا نے خوشدلی سے کہا اور پھر وہ دونوں کینٹین کی جانب بڑھ گئیں۔

''ہائے گائز، کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔'' وہ دونوں برگر، چپس اور پیپسی سے انصاف کر رہی تھیں جب شانزل خان نے شہلا کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے نہایت شائستگی سے پوچھا۔

''وائے ناٹ شانزل بھائی پلیز بیٹھیں۔'' شہلا نے اخلاقیات نبھاتے ہوئے کہا۔

''تھینکس۔'' کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے شانزل نے کہا، اس کے اس طرح بیٹھنے پر قریب بیٹھی آبرہ کے چہرے پر ناگواری کی جو ایک لہر آ کر گزری تھی وہ شانزل سے مخفی نہ رہ سکی تھی، تب ہی ایک خوبصورت مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا تھا۔

''آپ کیسی ہیں آبرہ۔'' زیر لب مسکراتے ہوئے شانزل نے پوچھا تھا۔

''آئی ایم فائن۔'' آبرہ نے روکھے سے انداز میں جواب دیا تھا، اور نگاہیں نیوز پیپر پر جمائے گاہے بگاہے پیپسی کے سپ لیتی وہ اندر ہی اندر جز بز ہو رہی تھی، شہلا کی خوش اخلاقی پر آج اسے بے حد غصہ آ رہا تھا۔

''ویسے شہلا آپ اپنی اس دوست کے ساتھ بور نہیں ہوتیں۔'' شانزل نے بغور آبرہ کا جائزہ لیتے ہوئے شرارت سے بھرپور انداز میں شہلا سے پوچھا تھا۔

گلابی نفیس لان کے سوٹ میں نکھری نکھری گلابی رنگت لئے، جھیل سی گہری آنکھیں اور گلابی صبیح رخساروں پر جھکی لمبی گھنی مژگان، وہ اس وقت ہمیشہ سے کہیں زیادہ دلکش اور خوبصورت لگ رہی تھی، اردگرد کی پرواہ کیے بغیر وہ ہمیشہ کی طرح وہ اس وقت بھی خود اپنی ذات میں مگن تھی، شانزل خان کو اس کا یہی لاپرواہ خود اپنی ذات میں مگن رہنے کا انداز ہی تو بھاتا تھا کہ وہ دل و جان سے اس پر فدا تھا، اس میں عام لڑکیوں کی طرح خود کو نمایاں کرنے کی عادت موجود نہ تھی، وہ اپنی کلاس کے تمام لڑکوں سے بہت کم بات چیت کرتی تھی، ہمیشہ سے ایک فاصلہ رکھتی چلی آئی تھی وہ خود میں اور ان میں...... اپنی حیا اور نسوانیت کا پاس رکھے ہوئے تھی وہ...... اور یہی سب کچھ شانزل خان کو بہت اپیل کرتا تھا، ورنہ یہاں یونیورسٹی میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی تھی جو فیشن اور جدت میں اپنی مثال آپ تھی، جو صرف شانزل خان کے ایک اشارے پر پکے پھل کی طرح اس کی گود میں گرنے کو ہر وقت تیار رہتی تھیں مگر شانزل خان کا دل تو اس عام سی لڑکی نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا، جو اس سے بات کرنا تو دور کی بات شانزل خان کو دیکھنا تک گوارا نہ کرتی تھی۔

''بالکل بھی نہیں شانزل بھائی کیونکہ میری دوست بہت اچھی ہے۔'' شہلا نے مسکرا کر آبرہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''ان کی اچھائی پر تو مجھے بھی کوئی شبہ نہیں ہے لیکن......'' شانزل نے کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا آبرہ کتابیں سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں جا رہی ہوں شہلا، تم جب فارغ ہو جاؤ تو آ جانا۔'' آبرہ نے قطعی لہجے میں کہا اور باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

''ایک منٹ آبرہ پلیز میری بات سنتی جاؤ۔'' شانزل خان اگلے ہی لمحے اس کے سامنے کھڑا اس سے ریکوسٹ کر رہا تھا۔

''جی کہیں، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔'' آبرہ نے روڈلی کہا۔

''ایکچوئیلی اس طرح یہاں کھڑے ہو کر وہ بات کرنا مناسب نہیں ہے، میرا مطلب ہے کہیں بیٹھ کر......'' شانزل نے جھجکتے ہوئے کہا، تب وہ خاموشی سے واپس اپنی کرسی پر جا بیٹھی، جس پر شانزل کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

''ایکچوئیلی بات یہ ہے آبرہ کہ میں...... میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور اسی سلسلے میں میرے والدین دو بار آپ کے گھر آ چکے ہیں مگر جواب میں دونوں بار ہی انکار کیا گیا ہے اور میں آپ سے اس انکار کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔'' شانزل نے دھیرے دھیرے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

''دیکھئے مسٹر شانزل آپ مجھے پسند کرتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ میں بھی آپ کو پسند کروں اور آپ سے شادی کروں، میرے والدین کو جو مناسب لگا وہ انہوں نے کیا اس لئے میں آپ کو وجہ بتانے کی پابند نہیں ہوں۔'' آبرہ نے قطعی دو ٹوک انداز میں جواب دیا تھا وہ کسی قسم کا ادھار رکھنے کی قائل نہ تھی، جب اور جو منہ میں آتا تھا کہہ ڈالتی تھی۔

''پلیز آبرہ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، کیا تم کہیں اور انٹرسٹڈ......'' شانزل نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوال کیا تھا کہ مبادا جواب میں کچھ غلط نہ سننے کو مل جائے، پچھلے کتنے دن سے وہ اسی کشمکش میں مبتلا تھا، آبرہ جیسی لڑکی اور اس سے دوستی کرے یہ ناممکن تھا اس لئے وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے لاکھ اصرار پر کسی قسم کا رسپانس نہ دے گی تب ہی تو اس نے اپنے والدین کو مجبور کر کے اس کے گھر بھیجا تھا مگر جواب میں انکار سن کر ایک پل کے لئے وہ بری طرح طیش میں آیا تھا، مگر پھر ایک اور کوشش کے طور پر دوبارہ انہیں بھیجا تھا مگر اس بار بھی نتیجہ وہی نکلنے پر اس نے آبرہ سے بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اگر ہوتی بھی تو میں آپ کو بتانے کی مجاز نہیں ہوں۔'' شانزل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بہت کھردرے لہجے میں بولی تھی۔

''تھینکس گاڈ۔'' آبرہ کے جواب کا پہلا جملہ سن کر شانزل نے بے اختیار احساس تشکر ظاہر کیا تھا، اس کے لہجے اور انداز پر غور کیے بغیر وہ اس وقت اپنے مطلب کی بات کر رہا تھا۔

''دیکھئے مسٹر شانزل آپ خوامخواہ اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہیں، چلو شہلا چلیں۔'' آبرہ نے ایک بار پھر کتابیں سمیٹتے ہوئے کھڑے ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، شہلا جو اس تمام عرصے میں خاموش بیٹھی ان کی بات چیت سن رہی تھی ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''خیر وقت تو نہ میں اپنا برباد کر رہا ہوں اور نہ تمہارا اور رہ گئی شادی تو وہ مجھے صرف اور صرف تم سے کرنی ہے، اس کے لئے مجھ کچھ بھی کرنا پڑا

تو وہ میں کروں گا۔'' شانزل پرسوچ انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''وٹ رَبش آپ مجھے دھمکی دے رہیں ہیں۔'' شانزل کے انداز و اطوار پر آبرہ بھڑک اٹھی تھی۔

''نہیں میرا مقصد آپ کو دھمکی دینا نہیں بلکہ یقین دہانی کروانا ہے، اس لئے میری بات پر تم غور ضرور کرنا۔'' شانزل نے کھڑے ہوتے ہوئے ایک سرسری مگر بھرپور نگاہ آگ بگولہ ہوتی آبرہ پر ڈالتے ہوئے کہا تھا، اس کی آنکھوں میں اس وقت ایک پراسراری چمک تھی جو آبرہ کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی تھی، اتنا کہہ کر شانزل بڑے بڑے ڈگ بھرتا کینٹین سے باہر نکل گیا جبکہ آبرہ غصے سے کھڑی کھولتی رہی۔

☆☆☆

یوسف صدیقی فارسی کے پروفیسر تھے اور گورنمنٹ کالج میں تعین تھے، سفید پوش گھرانے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے خود بھی قناعت پسند تھے، زندگی میں پے در پے ہونے والے حادثات نے انہیں بہت خاموش طبع بنا ڈالا تھا، ان کی ہنستی بستی زندگی میں آنے والا پہلا دکھ ان کی اہلیہ کی وفات تھی، وہ اپنی بیوی کے ساتھ بہت مطمئن اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے کہ ان کے آنگن میں آنے والے پھول نے ان کی خوشیاں دوبالا کر دی تھیں، صابرہ کی صورت میں انہیں ایک کھلونا مل گیا تھا اور جب صابرہ کے بعد آبرہ پیدا ہوئی تو کچھ ایسی کامپلیکیشنز ہوئیں کہ نصرت بیگم بیمار رہنے لگیں اور پھر کچھ عرصے بعد ہی وفات پا گئیں، یوسف صدیقی کے لئے یہ صدمہ بہت بڑا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس صدمے کو سہنے اور دونوں بچیوں کی پرورش کرنے کے لئے انہیں اپنا دل بہت بڑا کرنا پڑا اور ابھی اس صدمے سے باہر نہ نکلے تھے کہ ان کی اکلوتی لاڈلی بہن رفعت جہاں طلاق کا داغ ماتھے پر سجائے ان کی دہلیز پر چلی آئی تھیں، چونکہ وہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم تھیں اسی لئے ان کے شوہر نے انہیں طلاق دے کر رخصت کر دیا تھا۔

یوسف صدیقی کے گھر اپنی دونوں بھتیجیوں کی صورت میں رفعت آراء کو اولاد اور صابرہ، آبرہ کو اپنی پھپھو کی صورت میں ماں مل گئی تھی اور یوں ان دونوں بہن بھائی نے مشکل کی اس گھڑی میں ایک دوسرے کو نہ صرف سہارا دیا بلکہ ہر طرح سے ایک دوسرے کا خیال بھی رکھا، یوسف صدیقی اور رفعت آراء نے ان دونوں بچیوں کو تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ چھوڑی تھی، صابرہ نے جب بی اے کر لیا تو یوسف صدیقی نے اپنے ایک دوست کی توسط سے آنے والے ایک رشتے کی ضروری جانچ پرکھ کر کے صابرہ کی بات پکی کر دی اور پھر جلد ہی اس کی شادی کر دی گئی مگر بدقسمتی سے صلاح الدین، صابرہ کے لئے اچھا شوہر ثابت نہ ہوا، صابرہ کی ساس کیونکہ ایک بہت تیز مزاج کی عورت تھیں اور ان کا بیٹا صلاح الدین مکمل طور پر ان کے کہنے میں تھا، گھر میں ہونے والی چھوٹی موٹی باتیں آہستہ آہستہ بڑے لڑائی جھگڑے کا پیش خیمہ بنتی چلی گئی، بے چاری صابرہ اس تیز مزاج اور شاطر عورت کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی لہٰذا ایک دن روٹھ کر اپنے میکے چلی آئی جس پر یوسف صدیقی اسے سمجھا بجھا کر کچھ دن بعد اس کے سسرال جا کر چھوڑ آئے اور جو غلط فہمیاں بھی ان کے درمیان تھیں وہ بھی دور کر آئے تھے، مگر بدقسمتی سے انہیں ایسا کیے چند دن ہی ہوئے تھے کہ اچانک صابرہ کی ناگہانی موت کی اطلاع نے ان کی کمر توڑ ڈالی، اس کے بعد جو ان کو چپ کی مہر لگی تو وقت گزرنے کے ساتھ

ساتھ اس میں کمی تو ہوئی مگر ان کی خاموشی مکمل طور پر نہ ٹوٹی، ریٹائرمنٹ کے بعد یوسف صدیقی کا زیادہ تر وقت بچوں کو ٹیوشن پڑھانے اور ایک پرائیویٹ کالج میں لیکچرر شپ میں گزرتا تھا، اپنے گھر کی گزر بسر چلانے کے لئے بھی بالآخر انہیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا سو وہ کر رہے تھے، چھوٹی بیٹی آبرہ نے بی اے کرنے کے بعد انگلش میں ماسٹرز کرنے کے لئے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی خواہش ظاہر کی تو یوسف صدیقی نے اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی اجازت دے دی اور یوں وہ ایم اے پارٹ ٹو میں تھی۔

مردوں کے اس معاشرے میں مرد ذات سے شدید بے زار تھی وہ اور اس کی بیزاریت نہ تو یوسف صدیقی سے مخفی تھی اور نہ ہی رفعت آراء سے یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے لئے آنے والے کسی پرپوزل کے لئے ہامی نہ بھرتی تھی، اگرچہ کہ یوسف صدیقی اور رفعت آراء نے اپنے طور پر اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی مگر وہ اپنی سوچ پر مطمئن تھی۔

☆☆☆

عذاب در بدری سے نکلنا چاہتے ہیں
اب اس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں
صدائے گل کی طرح موجہ صبا کی طرح
تیری گلی سے کسی دن گزرنا چاہتے ہیں
تلاش رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے بعد
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں
ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھے کتنا چاہتے ہیں
وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیان اب بھی
یہ لوگ کس لئے دیوار رکھنا چاہتے ہیں

شانزل خان اپنے بیڈ پر لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا اور اس کے اردگرد ڈھیروں تصویریں بکھری پڑی تھیں، ہر تصویر میں آبرہ نمایاں نظر آ رہی تھی، یہ تصویریں یونیورسٹی کے مختلف فنکشنز کے مواقع پر شانزل خان نے اپنے موبائل میں بنائی تھیں، ان تصاویر کو بناتے وقت اس کے ذہن میں کوئی غلط خیال نہ تھا، بلکہ یہ تصاویر اس نے صرف یہ سوچ کر بنائی تھیں کہ زندگی کے خوشگوار لمحات میں جب وہ لوگ ایک ہو جائیں گے تو وہ یہ تصاویر آبرہ کو دکھا کر اپنی پل پل کی محبت کا اسے یقین دلائے گا مگر بدقسمتی سے اب وہ جو کچھ کرنے جا رہا تھا اس کے بارے میں نہ اس نے پہلے سوچا تھا اور نہ ہی ایسا اس کا کوئی ارادہ تھا۔

آبرہ سے شادی کرنا اس کے دل کی شدید خواہشات میں سے ایک تھی اسی لئے وہ سب کام تھرو پراپر چینل سے کرنا چاہتا تھا اتنا تو وہ جان ہی گیا تھا کہ اس کے رشتے سے انکار کے پیچھے خود آبرہ کا ہاتھ تھا، کیوں...... یہ وہ نہ جانتا تھا اور نہ ہی اسے یہ جاننے کا شوق تھا، وہ جانتا تھا تو صرف اتنا کہ آبرہ جیسی لڑکی کو حاصل کس طرح کرنا چاہیے اور اس سب کے لئے اس نے مکمل طور پر پلاننگ کر لی تھی۔

''آبرہ یوسف تم شانزل خان کی محبت ہو اور شانزل خان اپنی پسند کی ہوئی چیز کسی کے پاس نہیں جانے دیتا تو پھر تم تو میری جان ہو، میرے دل کی دھڑکن ہو تم، تمہیں کیسے میں کسی اور کی ہونے دے سکتا ہوں۔'' یونیورسٹی کے کسی فنکشن میں پرائز لیتی آبرہ کی تصویر کو ہاتھ میں پکڑے شانزل خان اس سے مخاطب تھا، نیوی بلو کلر کے دوپٹے کے ہالے میں اس کے خوبصورت چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ چمک رہی تھی جبکہ گہری آنکھوں میں وہی متانت اور ٹھہراؤ تھا جو کہ اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

☆☆☆

شاہنواز خان کا تعلق زمیندار گھرانے سے تھا ان کے تین بچے تھے، سب سے بڑے شاداب خان جنہوں نے ایگریکلچر یونیورسٹی سے ڈگری لے کر اپنی زمینوں کا حساب کتاب سنبھال لیا تھا، شاہنواز خان نے شاداب کی شادی اپنی مرضی سے اپنے جاننے والوں میں کر دی تھی، جس پر شاداب اور یاسمین بیگم دونوں خوش اور مطمئن تھے جبکہ دوسرے نمبر پر اسمارہ تھی، جس کی شادی انہوں نے اپنے بھتیجے سے کر دی تھی اور یوں اسمارہ اور اس کا شوہر دوبئی سیٹل ہو گئے تھے، شانزل لاڈلا اور ضدی بھی بہت تھا اور ماں باپ کو اس کے ساتھ ساتھ اس کی ہر ضد سے بھی پیار تھا، یہی وجہ تھی کہ جب شانزل خان کے لئے لڑکی دیکھنے کی بات ہوئی تو اس نے اپنی پسند سب کے آگے رکھ دی اور ان کی پسند پر ایک پل کے لئے سب کو دھچکا ضرور لگا تھا مگر پھر شانزل خان کی ضد کے آگے سب کو خاموش ہونا پڑا، اگرچہ کہ دونوں خاندانوں کی حیثیت اور مرتبے میں زمین آسمان کا فرق تھا، مگر عشق اور محبت نے یہ فرق کب دیکھا تھا جو وہ اب دیکھتے، عشق اور محبت تو ازل سے حیثیت اور مرتبے کا غرور پاش پاش کرتے آئے ہیں۔

اپنے بیٹے کی خواہش اور خوشی کے لئے شاہنواز خان اور زبیدہ بیگم دو مرتبہ پروفیسر یوسف صدیقی کے گھر جا چکے تھے مگر دونوں ہی بار انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اسی بات کا انہیں غصہ بھی تھا۔

☆☆☆

”شانزل پتر کہیں جا رہے ہو کیا؟“ وہ ٹک سک سے تیار ہو کر سیڑھیاں اتر رہا تھا جب زبیدہ بیگم نے اس سے پوچھا۔

”جی بی بی جان خیریت آپ کو کوئی کام تھا کیا؟“ شانزل نے ان کے قریب رکتے ہوئے احتراماً کہا تھا۔

”ہاں مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی۔“ دل ہی دل میں اس کی نظر اتارتے ہوئے انہوں نے کہا۔

بلیک پینٹ پر ریڈ شرٹ ڈالے اپنے دراز قد اور کسرتی بدن سمیت اس کی مردانہ وجاہت قابل دید تھی، سرخ و سفید رنگت، بھرے بھرے عنابی لب اور ان لبوں پر خوبصورت گھنی مونچھوں نے اس کی دلکشی میں اور اضافہ کر دیا تھا، وہ کچھ بھی پہن لیتا خواہ وہ کرتا شلوار پہنتا یا پینٹ شرٹ سب کچھ اس پر جچتا تھا۔

”جی بی بی جان کہیں کیا بات ہے۔“ شانزل نے ان کے کندھے کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا اور پھر انہیں ساتھ لئے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا دیا پھر خود بھی ان کے قریب بیٹھ گیا۔

”بات یہ ہے بیٹا کہ وہ لڑکی کیا نام ہے اس کا، ہاں آبرہ اس کے گھر والوں نے تو جواب دے دیا ہے، حالانکہ ہم لوگ دو بار ان کے گھر ہو آئے ہیں، مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ ان لوگوں کو ہم میں ایسی کون سی برائی نظر آ گئی ہے جو ہم لوگوں میں اپنی بیٹی کا رشتہ کرنے سے انکاری ہیں۔“ زبیدہ بیگم نے بات شروع کرتے ہوئے اپنی تشویش ظاہر کی۔

”ایکچوئلی بی بی جان بات یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے سے اونچے لوگوں میں رشتہ کرتے ہوئے ڈر رہے ہیں سو طرح کے وسوسے اور خدشے ہوتے ہیں لڑکی والوں کے ذہن میں...... میں شاید اسی لئے۔“ اپنی دانست میں شانزل نے انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا، اسی لئے ان سے جھوٹ بولا تھا۔

”چلو ٹھیک ہے میں مان لیتی ہوں تمہاری بات، لیکن اب جب انہوں نے دوسری بار بھی انکار کر دیا ہے تو کیوں نہ ہم لوگ کہیں اور......“ بیٹے کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا اور ابھی ان کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ شانزل بول اٹھا۔

”بی بی جان اب تک انہوں نے جو کیا سو کیا مگر اب جب تیسری بار آپ لوگ ان کے گھر جائیں گے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو جواب ”ہاں“ میں ہی ملے گا اس لئے مائی سویٹ مدر یو ڈونٹ وری اینی تھنگ۔“ شانزل نے ان کے دونوں کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے ریلیکس انداز میں کہا تھا، اس کا ایک ایک لفظ یقین کی دولت سے مالا مال نظر آیا تھا، زبیدہ بیگم کو۔

”کیا مطلب...... تیسری بار...... نہیں ہم بالکل نہیں جائیں گے، حد ہوتی ہے بے عزتی کی بھی، تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ لوگ بار بار انکار کرتے رہیں گے اور ہم بار بار ان کے دروازے پر جاتے رہیں گے، بس بہت ہو چکا۔“ زبیدہ بیگم ایک دم غصے میں آ گئی تھیں، مگر ان کے غصے کا دوسری طرف کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

”ٹھیک ہے بی بی جان اگر آپ مجھے ساری عمر کنوارہ ہی دیکھنا چاہتی ہیں تو مت جائیں ان کے گھر، اب میں جاؤں مجھے ایک دوست کی طرف ضروری جانا تھا، او کے بی بی جان۔“ بہت آرام سے انہیں دھمکی دیتا وہ یہ جا وہ جا ہوا تھا اور زبیدہ بیگم سر تھام کر بیٹھ گئی تھیں۔

☆☆☆

”آبرہ پلیز جسٹ ون منٹ، میری بات سن لو۔“ کلاسز آف ہونے کے بعد وہ گھر جانے کے لئے یونیورسٹی کے گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی جب شانزل نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا، چونکہ آج شہلا بھی نہ آئی تھی اس لئے بھی آج کا دن آبرہ کا بہت بور گزرا تھا اور اب شانزل کی صورت میں مصیبت نازل ہوتی محسوس ہوئی تھی آبرہ کو، بہت کوفت سے رک کر اس نے اپنے قریب آنے والے شانزل کو دیکھا تھا، پہلے تو اس کا دل چاہا تھا کہ اس کی بات سنی ان سنی کر کے جانے کے لئے قدم بڑھا دے مگر پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ اگر اس نے ایسا کیا تو شانزل اس کے پیچھے آنے سے قطعی گریز نہ کرے گا اور یوں فضول میں تماشا بن جائے گا، لہٰذا یہی سوچ کر وہ رک گئی۔

”سوری شانزل مجھے دیر ہو رہی ہے اس لئے آپ کی بات میں پھر کسی وقت......“ آبرہ نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے اپنی راست میں اسے ٹالنا چاہا تھا۔

”میں تمہارا زیادہ ٹائم نہیں لوں گا آبرہ جسٹ ون منٹس۔“ وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا بے تکلفی کی حد کرتا ہوا بولا۔

”جی کہیں۔“ آبرہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے مجبوراً کہا۔

”آپ کی ایک امانت تھی میرے پاس، میں وہی دینا چاہتا تھا میں۔“ شانزل نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کیا ہے اس میں؟“ آبرہ نے لفافے کو ہاتھ لگائے بغیر استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”خود دیکھ لو۔“ شانزل نے لاپرواہی سے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا اور تب آبرہ کو مجبوراً وہ لفافہ پکڑنا پڑا اور لفافہ کھولتے ہی اس کے پیروں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔

لفافے میں کچھ تصاویر تھیں اور ان تصاویر میں آبرہ اور شانزل ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے کہیں وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے تو کسی تصویر میں بہت لگاوٹ سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، ایک تصویر میں آبرہ کا سر شانزل کے کندھے پر رکھا ہوا تھا، یونیورسٹی کے سالانہ ڈبیٹ کے فنکشن پر بنائی جانے والی آبرہ کی تصاویر کو شانزل نے بڑے ماہرانہ انداز میں اپنی مرضی کے معنی پہنائے تھے اور اسی طرح مزید مختلف واقع پر مختلف تصاویر بنائی گئیں تھیں، دیکھنے والا کسی طرح سے بھی یہ اندازہ نہ کرسکتا تھا کہ یہ تصاویر حقیقتاً اسی اینگل سے بنائی گئی ہیں یا انہیں ری مکس کیا گیا تھا ان تصاویر کو دیکھتے ہوئے آبرہ کا بس نہ چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، اسے شرم کے ساتھ ساتھ شدید غصہ بھی آرہا تھا۔

''یہ...... یہ کیا بکواس ہے۔'' غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اس نے شانزل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بکواس نہیں حقیقت ہے۔'' شانزل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''یونیورسٹی کے مختلف فنکشنز پر اتاری جانے والی ان تصاویر کے ساتھ تم جیسے دھوکے باز انسان نے......'' آبرہ نے غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔

''سویٹ ہارٹ ان تصاویر کی حقیقت کیا ہے یہ میں یا تم جانتے ہیں مگر دیکھنے والی ہر آنکھ ان تصاویر کو دیکھ کر وہی کچھ سمجھنے پر مجبور ہوگی جو ان تصاویر میں نظر آرہا ہے۔'' شانزل نے پرشوق گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بہت محفوظ انداز میں جواب دیا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ۔'' آبرہ کو اس کا سویٹ ہارٹ کہنا بری طرح تپا گیا تھا تب ہی غصے سے چنگاڑی تھی اور اس کے چنگاڑنے پر شانزل کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی تھی۔

''میں باضابطہ طریقے سے تمہیں اپنانا چاہتا تھا مگر تم...... تم میرے جذبات کو سمجھ ہی نہیں سکی تھیں لہٰذا مجبوراً مجھے یہ حکمت عملی اختیار کرنا پڑی۔'' دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اب وہ حقیقت حال سے اسے آگاہ کررہا تھا۔

''یہ...... یہ لو تمہاری اس حکمت عملی کا انجام یہی ہونا چاہیے۔'' اگلے ہی پل آبرہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ان تصاویر کے دو ٹکڑے کردیئے تھے۔

''نو پرابلم ڈیئر یہ اور اس طرح کی نجانے کتنی اور تصاویر ہیں میرے پاس جو یقیناً میں نے پروفیسر صاحب کے لئے سنبھال کر رکھی ہیں۔'' اس کی حالت سے محفوظ ہوتے ہوئے شانزل نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ک...... کیا مطلب۔'' اس بار شانزل کی بات پر آبرہ کے اوسان خطا ہوگئے تھے، غصے کی شدت میں اس معاملے کی اتنی نازکی کے بارے میں تو اس نے سوچا ہی نہ تھا اور اب جب سوچا تو پوری شدت سے کانپ اٹھی تھی۔

''مطلب یہ کہ تمہارے پاس دو دن ہیں فیصلہ کرنے کے لئے ان دو دنوں میں تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ کیا تمہیں عمر بھر کے لئے میرا ساتھ منظور ہے یا نہیں، دو دن بعد میں اپنے پیرنٹس کو دوبارہ تمہارے گھر بھیجوں گا، اگر تمہارا جواب مثبت ہوا تو ان تصاویر کی کہانی صرف میرے اور تمہارے درمیان ہی رہے گی اور اگر جواب سابقہ دو بار کی طرح اس بار بھی منفی ہوا تو نتیجتاً میں ان تصاویر کو نہ صرف پروفیسر صاحب تک پہنچا دوں گا بلکہ جو میرے ذہن میں آئے گا میں کروں گا۔'' شانزل نے حتمی انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے وارننگ آمیز لہجے میں کہا تھا، کچھ دیر آبرہ کے ستے ہوئے پریشان چہرے کو بغور دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔

''تم خود سوچو کہ جب پروفیسر صاحب کے سامنے یہ تصاویر جائیں گی تو تمہارا وہ امیج اور کردار ان کی نظروں میں کتنا خراب ہوجائے گا یہ تم مجھ سے بہتر سوچ سکتی ہو، ایک پل کے لئے سوچو جب انہیں یہ پتہ چلے گا کہ ان کی لاڈلی بیٹی جو شخصیت و کردار کی اس بلندی پر تھی جہاں سے ان کا سر فخر سے بلند ہوتا تھا جو ان کے فخر و غرور کا باعث تھی وہی بیٹی ایک ایسے راستے پر چل نکلی تھی جس کے بارے میں سوچ کر وہ خود اپنی نظروں میں شرمسار ہوجائیں گے، تم ان کی نظروں سے گر جاؤ گی۔'' آنے والے وقت کی سفاک حقیقت سے وہ آبرہ کو آگاہ کررہا تھا اور اس کے کہے گئے حرف بہ حرف آبرہ کو احساس ذلت سے آشنا کررہے تھے، توہین و ذلت کا شدید احساس اس کے رگ و پے میں سرائیت کرگیا تھا۔

وہ ایک ایسی گیم کا حصہ بن گئی تھی جس کے بارے میں اس نے کبھی نہ سوچا تھا۔

''تم...... تم گھٹیا دھوکے باز انسان میں...... میں آج ہی جا کر تمہاری حقیقت سے بابا جان کو باخبر کردوں گی۔'' آبرہ نے غصے سے کہا تھا مگر نجانے کیا بات تھی کہ ایسا کرتے ہوئے اس کا لہجہ ایکدم سے پست ہوگیا تھا۔

''وائے ناٹ شوق سے، اس وقت گیند تمہارے کورٹ میں ہے اس لئے تمہیں جو بہتر لگتا ہے وہ تم کرلو ہاں مگر جب گیند میرے کورٹ میں آئے گی تو جو مجھے بہتر لگے گا وہ میں کرلوں گا، اوکے سی یو اگین۔'' شانزل وارننگ آمیز انداز میں کہتا لاپرواہی سے آگے بڑھ گیا جبکہ شل ہوتے ذہن و دل کے ساتھ وہ وہیں کھڑی تقدیر کے اس وار کے بارے میں سوچتی رہی۔

☆☆☆

بہت دن بعد پھر ایسا ہوا ہے
کہ ہم سے آئینہ روٹھا ہوا ہے
ہمارے ہونے کے امکاں سے آگے
نہ ہونے کا خلا پھیلا ہوا ہے
تمہارے جیت جانے سے زیادہ
ہماری ہار کا چرچا ہوا ہے

وہ بیڈ پر دونوں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوگیا تھا مگر اس مسئلے کے حل کے لئے کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ آرہا تھا، پچھلے چوبیں گھنٹوں سے اس کی یہی کیفیت تھی، اپنے اتنے چاہنے والے بابا کو وہ کوئی دکھ کوئی تکلیف دینے کا سوچ بھی نہ سکتی تھی پھر بدنامی و رسوائی کی اس ذلت کو دیکھنے کے بعد تو شاید وہ زندہ ہی نہ رہ پائیں اگر وہ بابا جان کو شانزل کی حرکت کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا بھی دیتی تو نجانے شانزل ان تصاویر کے ذریعے کیا کچھ کردیتا۔

اس کی ذات ایک عجیب سے مخمصے میں پھنس کر رہ گئی تھی، مردوں کی ذات سے نفرت کرتے کرتے بالآخر آج وہ خود بھی ایسے ہی ایک مرد کے چنگل میں پھنس گئی تھی اسے اس وقت شانزل خان سے شدید نفرت محسوس ہورہی تھی، ساری رات وہ ایک پل کے لئے بھی نہ سو پائی تھی، دل انجانے وسوسوں اور خوف کی آماجگاہ بن چکا تھا، ان تمام تصویروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اس نے مگر دل کو کسی طور سکون نہ آرہا تھا۔

''کیا سوچیں گے بابا جان میرے بارے میں جب وہ تصاویر ان کے سامنے آئیں گی تو۔''

اس کے دل کی ہارٹ بیٹ یہ سب سوچ کر بری طرح مس ڈسٹرب ہوئی تھی اور اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی، ہر گزرتے پل کے ساتھ اس کے اضطراب و بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا جب سوچ سوچ کر تھک جاتی تو بے اختیار رونے لگتی، آج وہ یونیورسٹی بھی نہ گئی تھی اور اپنے کمرے میں بند صبح سے وہ نجانے کتنی بار رو چکی تھی۔

"کیا بات ہے آبرہ، آج تم صبح سے ہی کمرے میں بند ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔" وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھی جب رفعت آراء نے دروازہ کھول کر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ج..... جی پھپھو میں بالکل ٹھیک ہوں بس ذرا سر میں درد تھا اس لئے۔" لہجے اور آنکھوں کی نمی پر قابو پاتے ہوئے اس نے جواب دیا اور پھر جلدی سے دونوں ہاتھوں کی پشت سے چہرہ صاف کرلیا۔

"تو مجھے بتاتیں بیٹا! میں تمہارے لئے چائے بنا لاتی۔" انہوں نے بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں پھپھو، آپ کو پتہ ہے نا کہ میں زیادہ چائے نہیں پیتی۔" آبرہ نے منع کیا پھر بولی۔

"پھپھو میں نے ٹیبلٹ لی ہے مگر پتہ نہیں کیوں آرام نہیں آ رہا۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو دباتے ہوئے جواب دیا۔

"درد کیوں نہیں ہوگا، دن رات جو پڑھائی میں لگی رہتی ہو، حال دیکھو اپنا تم نے کیا کرلیا ہے، سوکھ کر کانٹا ہوتی جا رہی ہو، اوپر سے ٹھیک سے کچھ کھاتی پیتی بھی نہیں، آؤ میں تمہارے سر میں تیل کی مالش کر دیتی ہوں، عجیب لڑکی ہو نہ کھانے کا ہوش ہوتا ہے اور نہ پینے کا، نہ سونے کی فکر ہوتی ہے نہ جاگنے کی۔" رفعت آراء جو شروع ہوئیں تو بہ مشکل تمام رکیں اور پھر آبرہ کے نہ نہ کرنے کے باوجود اسے سامنے بیٹھا کر تیل کی مالش کرنے لگیں۔

"ایک بات تم نے نوٹ کی ہے آبرہ۔" کمرے میں کچھ دیر کی خاموشی کو رفعت آراء نے توڑتے ہوئے کہا۔

"کیا بات پھپھو۔" اپنی سوچوں اور الجھنوں میں غلطاں آبرہ نے چونک کر پوچھا۔

"بھائی جان پہلے سے زیادہ خاموش رہنے لگے ہیں، کچھ الجھے الجھے سے کچھ پریشان پتہ نہیں کیا بات ہے۔" تیل کا مساج کرتی ان کی انگلیاں تھوڑی دیر کو رکی تھیں یوں جیسے کوئی سرا ڈھونڈ رہی ہوں۔

"شاید صابرہ آپا کی یاد پریشان کر رہی ہو گی۔" آبرہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"پتہ نہیں صابرہ کی یاد پریشان کر رہی ہے انہیں یا ہر آنے والے رشتے سے تمہارا کیا جانے والا انکار انہیں پریشانی میں مبتلا کر رہا ہے۔" انہوں نے قیاس کرتے ہوئے کہا پھر گہری سانس خارج کرتے ہوئے دوبارہ بولیں۔

"کچھ تو ہے جو انہیں اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔" رفعت آراء کی باتوں نے آبرہ کو نئے سرے سے اذیت اور اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔

"پھپھو میری وجہ سے وہ کیوں ٹینشن لیتے ہیں، میں نے ایک بار انہیں کہہ دیا ہے کہ مجھے شادی نہیں کرنی پھر بار بار وہ میرے بارے میں کیوں سوچتے ہیں نہیں کرنی ہے مجھے شادی، میں ہمیشہ بابا اور آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں آپ یہ بات انہیں کیوں نہیں سمجھاتیں۔" آبرہ نے

رخ موڑ کر ان کی جانب دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

"تم یہ سب کچھ کہہ سکتی ہو بیٹا کیونکہ تم ان کی جگہ پر نہیں ہو، اگر خود کو ان کی جگہ پر رکھ کر سوچو گی تو پتہ چلے گا کہ ماں باپ کی فکریں اور پریشانیاں کیا ہوتی ہیں پگلی اپنی اولاد کو شادی کے بندھن میں باندھنا ماں باپ کا فرض ہوتا ہے اور بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن ہیں، جتنا بھی ماں باپ انہیں اپنے پاس رکھ لیں بالآخر ایک نہ ایک دن انہیں رخصت کر کے دوسرے گھر بھیجنا پڑتا ہے اس لئے تم بھی اپنی یہ ضد چھوڑ دو اور اپنے بابا کی خوشی کی خاطر کوئی فیصلہ کرلو۔" رفعت آراء سلجھے ہوئے لہجے میں بڑے سبھاؤ سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"ہاں تاکہ آپ کے اور صابرہ آپا کی طرح میں بھی اس معاشرے کے کسی ناخدا کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاؤں، نہیں پھپھو میں ایسا بالکل نہیں کروں گی۔" آبرہ نے ان کی بات کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"لیکن بیٹا سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔" رفعت آراء نے کہنا چاہا۔

"سب مرد ایک جیسے ہی ہوتے ہیں پھپھو، میں نے تو اس معاشرے میں ہر طرف یہی دیکھا اور سنا ہے خود آپ اپنی مثال لے لیں، آپ کے شوہر نے شادی کے بارہ سال بعد اس لئے آپ کو طلاق دے دی کہ آپ ان کی اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھیں، انہوں نے ایک ایسی بات پر آپ کو چھوڑ دیا جو آپ کے اپنے اختیار میں تھی ہی نہیں، آپ کی زندگی کے آپ کی جوانی کے بارہ سال برباد کر کے اس نے طلاق کا داغ آپ کے ماتھے پر سجا کر آپ کو رخصت کر دیا پھر آپ کہتی ہیں کہ سارے مرد ایسے نہیں ہوتے اور صابرہ آپا، صابرہ آپا کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہے کیا آپ بھول گئیں، ان کے شوہر کو شادی کرنے اور اپنے حقوق پورے کرنے کا تو پتہ تھا، مگر بیوی کی عزت اپنی فیملی میں کس طرح کروائی جاتی ہے یہ نہیں پتہ تھا، بیوی کے حقوق و فرائض کیا ہوتے ہیں یہ نہیں پتہ تھا، کیا کچھ نہیں کیا ان ظالموں نے آپا کے ساتھ اور وہ سب کچھ برداشت کرتی رہیں بالآخر...... بالآخر انہوں نے آپا کو مار ڈالا، پھر آپ کہتی ہیں کہ سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں پھپھو اس معاشرے میں سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں، پہلے آپ کے شوہر پھر صابرہ آپا کے اور اب شانزل۔" وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔

"شانزل...... کیا کیا ہے شانزل نے۔" رفعت آراء نے چونک کر پوچھا اور وہ جو اپنے غصے میں بول رہی تھی بے اختیار شانزل کی کل کی حرکت بتاتے جا رہی تھی کہ ایکدم احساس ہونے پر خاموش ہو گئی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

"کچھ نہیں پھپھو، میں تو یہ کہنے جا رہی تھی کہ شانزل بھی باقی مردوں کی طرح ہی کرے گا۔" آبرہ نے بہ مشکل تمام بات کو سنبھالا تھا، غصے میں بے اختیار وہ نجانے کیا کچھ مزید بول جاتی کہ احساس ہونے پر ایکدم سے خاموش ہو گئی تھی۔

"آبرہ تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم ہر بات کو بہت شدت پسندی سے لیتی ہو جبکہ یہ بات بہت غلط ہے، بیٹا جس طرح سب عورتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں اسی طرح سب مرد بھی ایک جیسے نہیں ہوتے، ان میں کچھ برے ہوتے ہیں کچھ اچھے اور کچھ بہت اچھے ہوتے ہیں، یہ تو نصیبوں کا کھیل ہے، نصیب میں اچھا مرد مل جائے تو زندگی اچھی گزرتی ہے اور اگر برا مرد مل جائے تو زندگی

جہنم بن جاتی ہے، تم اپنے بابا کو ہی لے لو، ان کی ساری زندگی تمہارے سامنے ہے وہ ایک اچھا بیٹا، اچھا بھائی اور اچھا باپ بنا ہے اسی لئے کہتی ہوں کہ سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔" رفعت آراء نے زندگی کی اونچ نیچ اور اس کے اصولوں سے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہزاروں لاکھوں مردوں میں سے کوئی ایک مرد بابا جان جیسا ہوتا ہو گا مگر......" آبرہ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی جہاں اٹکی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا تمہارے جو جی میں آتا ہے کرو، مگر پہلے آکر کھانا کھا لو۔" بالآخر رفعت آراء نے بحث ختم کرتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ چلیں میں بال باندھ کر آتی ہوں۔" آبرہ نے کہا اور پھر ڈریسنگ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

"ہیلو ہاں آبرہ پھر کیا سوچا تم نے۔" اس نے سیل فون کان سے لگایا تھا جب دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"تم...... تمہیں میرا نمبر کہاں سے ملا۔" دوسری طرف شانزل خان تھا اور اس کی آواز سنتے ہی آبرہ کو ایک شاک سا لگا تھا۔

"ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے میڈم یہ تو پھر تمہارا نمبر تھا۔" شانزل نے بڑے جذب سے جواب دیا پھر تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

"میں نے تم سے یہ پوچھنے کے لئے فون کیا تھا کہ تم نے میری پیشکش کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"

"کیا مطلب؟" آبرہ نے ناگواری سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ میں نے تمہیں دو دن کا وقت دیا تھا اور آج رات یہ وقت ختم ہو جائے گا، اپنے وعدے کے مطابق اس دوران میں تم سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی، صرف اس لئے کہ اس دوران تم جو بھی فیصلہ کرو بہت سوچ سمجھ کر کرو اور اب چونکہ میرا دیا گیا وقت ختم ہو رہا ہے اسی لئے میں تم سے تمہارا فیصلہ جاننا چاہتا ہوں۔" شانزل بات کرتے کرتے ایک پل کو خاموش ہوا تھا مگر پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔

"اور ہاں اگر تمہارا جواب ہاں میں ہوا تو کل میرے پیرنٹس تمہارے گھر آکر کوئی رسم کر جائیں گے اور اگر تمہارا جواب ناں میں ہوا تو پھر اس ناں کی تم خود ذمہ دار ہو گی۔" وارننگ دیتا اس کا لہجہ آبرہ کے پورے وجود کو سن کر گیا تھا، اذیت کے کھولتے دہکتے آلاؤ میں خود کو دہکتا ہوا محسوس کر رہی تھی وہ اس وقت۔

"ہیلو...... ہیلو آبرہ، تم سن رہی ہو نا میری بات۔" آبرہ کی گہری دبیز خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے دوسری طرف شانزل نے کہا۔

"بہت دھوکے باز اور غلیظ انسان ہو تم، میں...... میں تمہیں ساری زندگی معاف نہیں کروں گی، دھوکے اور فریب کے ساتھ تم جو کچھ میرے ساتھ کر رہے ہو دیکھنا میں تمہاری زندگی اجیرن کر دوں گی۔" شدید بے بسی کے احساس کے تحت وہ بے اختیار رو پڑی تھی اور پھر روتے ہوئے جو اس کے منہ میں آیا وہ بولتی چلی گئی جبکہ دوسری طرف اس کا یوں بے بسی سے رونا خود شانزل خان کو بری طرح تڑپا گیا تھا، مگر یہ سب کچھ کرنا اس کی مجبوری تھی، اگر وہ آج یہ سب کچھ نہ کرتا تو شاید ساری زندگی اپنی محبت کو نہ پا سکتا تھا۔

"اور کچھ سویٹ ہارٹ۔" خود پر ضبط

کرتے ہوئے اس نے بہت لگاوٹ سے پوچھا تھا یوں جیسے دوسری طرف کوئی فرمائشی پروگرام چل رہا ہو۔

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ اس کے انداز تخاطب پر بری طرح دھاڑی تھی۔

"اللہ کرے مر جاؤ تم شانزل خان۔" اب وہ اسے بد دعا دے رہی تھی۔

"بہت عجیب لڑکی ہو تم، سہاگن بننے سے پہلے ہی بیوہ ہونا چاہتی ہو۔" دوسری طرف سے دو بدو جواب دیا گیا۔

"تم جیسے ذلیل کمینے انسان سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ......"

"اچھا بس بس باقی دعائیں شادی کے بعد دے لینا، فی الحال اتنی ہی کافی ہیں کل زبردست سا تیار رہنا کیونکہ میرے پیرنٹس آئیں گے۔" وہ نجانے مزید کیا کہے جا رہی تھی کہ شانزل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جلدی جلدی کہا اور ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ آبرہ نے غصے سے فون بند کر دیا اور خود گھٹنوں میں سر دے کر بے اختیار رو دی۔

کافی دیر رونے سے دل کا بوجھ کسی حد تک ہلکا ہو گیا تو اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے چلی گئی، اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ایک کپ چائے تیار کی اور یوسف صدیقی کے کمرے کی جانب چل پڑی۔

"بابا آپ سو رہے ہیں کیا۔" دروازہ ہلکا سا ناک کر کے وہ اندر چلی آئی۔

"نہیں بیٹا جاگ رہا ہوں آ جاؤ۔" یوسف صدیقی نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ میں آپ کے لئے چائے لے کر آئی تھی۔" آبرہ نے انہیں چائے کا کپ تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بہت اچھا کیا تم نے بیٹا، آؤ یہاں بیٹھو۔" انہوں نے آبرہ کو اپنے قریب بیڈ پر بٹھا لیا۔

آبرہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اپنے بابا کو دیکھا، زندگی میں پے در پے آنے والے مصائب و آلائم نے اس کے بابا کو وقت سے پہلے بوڑھا کر ڈالا تھا، اس کے عزیز از جان بابا دن بدن کمزور ہوتے جا رہے تھے۔

"وہ بابا مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" آبرہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مسلتے ہوئے کچھ جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"ہاں بولو بیٹا، کیا بات ہے، پیسوں کی ضرورت ہے یا کوئی اور بات ہے۔" پروفیسر صاحب نے پدری محبت سے مغلوب ہو کر پوچھا۔

"نہیں بابا وہ ایکچوئلی آپ...... آپ چاہتے تھے ناں کہ میں شانزل خان کے پرپوزل کے لئے ہاں کر دوں تو ٹھیک ہے بابا مجھے...... مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔" اپنی تمام ہمتیں مجتمع کرکے اس نے بہت اٹک اٹک کر ان سے کہا تھا۔

"نہیں بیٹا تم پر کوئی جبر نہیں ہے، اگر تمہیں یہ رشتہ پسند نہیں ہے تو ٹھیک ہے مگر اس طرح ہماری وجہ سے تم۔" انہوں نے اس کے سر پر محبت سے دست شفقت رکھتے ہوئے کہا۔

"اب سے کچھ دن پہلے آپ کی کہی گئی بات میری سمجھ میں آ گئی تھی بابا کہ مجھے کسی نہ کسی سے تو شادی کرنی ہی ہے تو پھر شانزل خان سے کیوں نہیں، اس لئے بابا اگر آپ کے نزدیک وہ لوگ ٹھیک ہیں تو آپ انہیں ہاں کہہ دیں۔" بروقت تمام وہ کہہ پائی تھی، جبکہ اندر ہی اندر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

"جیتی رہو بیٹی، اللہ تمہیں سدا آباد رکھے۔" آبرہ کے جواب پر انہوں نے خوشی کے بے پایاں احساس کے ساتھ کہا تھا، وہ خوف اور خدشے جوان کے ذہن و دل میں دن رات پلتے تھے وہ سب اچانک ہی جیسے غائب ہو گئے تھے، وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے ان کی آنکھوں کی چمک اور چہرے پر پھیلنے والی روشنی آبرہ کی نظروں سے مخفی نہ تھی، تب ہی چپ چاپ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

اگلا دن اپنے جلو میں بے پناہ مصروفیت اور تبدیلیاں لے کر آیا تھا، شاہنواز خان اور زبیدہ بیگم ایک بار پھر ڈھیروں مٹھائی اور طرح طرح کے لوازمات لے کر پروفیسر صاحب کے سامنے جھولی پھیلانے آئے تھے اور اس بار انہیں مایوسی کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا، زبیدہ بیگم گولڈ کی خوبصورت سی انگوٹھی جھٹ پٹ آبرہ کی انگلی میں ڈال کر اسے ہمیشہ کے لئے شانزل کا پابند بنا ڈالا تھا، دراصل پروفیسر یوسف صدیقی اور شاہنواز خان کالج فیلو ہونے کے ناطے ایک دوسرے کو کافی اچھی طرح جانتے تھے اس لئے مزید کسی سوچ بچار کے بجائے پروفیسر صاحب نے اس رشتے کے لئے ہامی بھر دی تھی۔

شاہنواز خان بہت جلد شادی کرنے پر زور دے رہے تھے جبکہ پروفیسر صاحب اتنی جلدی اس سب کے لئے تیار نہ تھے، اگرچہ کہ انہوں نے اپنی ریٹائرمنٹ پر ملنے والے کچھ پیسے سنبھال کر اسی دن کے لئے رکھے تھے مگر اب اتنی جلدی شادی کی تیاری کرنا انہیں بہت مشکل لگ رہا تھا کیونکہ اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کی شادی وہ بہت دھوم دھام سے کرنا چاہتے تھے۔

"دیکھئے پروفیسر صاحب ہمیں آپ کی سب سے قیمتی چیز آپ کی متاع جاں آپ کی بیٹی چاہیے باقی ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے، آپ اپنا اتنا قیمتی ہیرا ہماری جھولی میں ڈال رہے ہیں آپ کا یہی احسان ہم پر کافی ہے، اس لئے پلیز کسی تکلف میں پڑے بغیر ہمیں شادی کی ڈیٹ دے دیں۔" شاہنواز خان نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

اور یہ ان کا بے حد محبت بھرا اصرار ہی تھا کہ پروفیسر صاحب نے اگلے ماہ کی شادی کی تاریخ دے دی، ان کے خیال میں تب تک آبرہ ایگزامز سے بھی فارغ ہو جائے گی۔

دوسری طرف اپنے کمرے میں بیٹھی آبرہ اپنی قسمت کے اس فیصلے پر گم صم ہو گئی تھی اس کی شادی ایک ماہ بعد ہوتی یا چھ ماہ بعد اس کے لئے تو یہ ایک سمجھوتا ہی تھا۔

خالی ذہن و دل کے ساتھ وہ بے حس و حرکت بیٹھی اپنے کمرے کے در و دیوار کو گھورے جا رہی تھی، کیا کیا نہ سوچا تھا اس نے اپنے مستقبل کے لئے مگر تقدیر، تقدیر کے ایک کاری وار نے سب کچھ بدل دیا، اس کے سینے میں غم و غصے کا جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔

☆☆☆

حجلہ عروسی بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا، میرون اور گولڈن کے امتزاج سے مزین پورا کمرہ اپنے مکین کے ذوق کا ترجمان تھا، میرون اور گولڈن کنٹراس کے دبیز پردے اور میرون ہی کارپٹ تھا جس پر جا بجا سرخ اور موتیے کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں، جہازی سائز بیڈ پر میرون بھاری زرتار عروسی جوڑے میں دلہن بنی آبرہ خود اس کمرے کی خوبصورتی کا حصہ لگ رہی تھی، بھاری جیولری اور بیوٹیشن کے ماہرانہ ہاتھوں نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے، ہر دیکھنے

والی نگاہ جو اس کی جانب اٹھتی تھی جھکنا بھول جاتی اور اس کے اس خیرہ کر دینے مبہوت حسن نے شانزل کے دل میں خوشی و شادمانی کے ڈھیروں پھول کھلا ڈالے تھے، اپنی محبت کو پا لینے کا نشہ اس کے روم روم سے جھلک رہا تھا، آنکھوں میں محبت کا عجیب سا خمار ہلکورے لے رہا تھا، ابھی ابھی زبیدہ بیگم منہ دکھائی میں آبرہ کو اپنا خاندانی جڑاؤ سیٹ دے کر گئی تھیں، شانزل کی اکلوتی بہن اسمارہ بھی شادی سے دو دن قبل اپنے بھائی کی شادی میں شرکت کے لئے آئی تھیں اور اب وہ کمرے میں پھل اور دوسری چیزیں رکھ کر آبرہ کو آرام کرنے کا کہہ کر گئی تھی۔

یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ اب کمرے میں کوئی نہیں آئے گا آبرہ نے جھکے سر کو اٹھا کر کمرے میں ایک طائرانہ نظر ڈالی تھی کمرے کی ہر چیز اپنے مکین کے شاہانہ انداز کا منہ بولتا ثبوت تھی، دائیں سائیڈ کی دیوار پر شانزل خان کی بڑی سی مسکراتی ہوئی تصویر لگی ہوئی تھی، تصویر میں شانزل کی آنکھوں کی چمک اور چہرے پر موجود فاتحانہ مسکراہٹ نجانے کیوں آبرہ کو بہت کچھ جتاتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

اس طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب کمرے میں کوئی نہیں آئے گا اپنا بھاری کامدار لہنگا سنبھالتی وہ بیڈ سے نیچے اتری تھی، ارادہ تمام جیولری اور یہ ڈریس اتار کر آزاد ہونے کا تھا ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر ابھی اس نے یہ مشکل تمام اپنی ناک سے نتھ ہی اتاری تھی کہ اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر پلٹی تھی اور پھر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

دوسری طرف اپنی محبت پا لینے کے نشے میں چور شانزل خان جیسے ہی دروازہ بند کر کے پلٹا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنی جیولری سے نبرد آزما ہوتی آبرہ کو کھڑا دیکھ کر بری طرح ٹھٹکا تھا، روایتی دلہنوں کی طرح اپنے شوہر کے انتظار میں پلکیں جھکا کر بیٹھنے کے بجائے وہ اپنی جیولری اتارنے میں مگن تھی اس کا سارا خمار ایک پل میں ہوا ہو گیا تھا۔

"آبرہ یہ...... یہ تم کیا کر رہی ہو۔" شانزل نے تیزی سے اس کے قریب جا کر نرمی سے اسے کندھوں سے تھام کر پوچھا۔

"چھوڑیں مجھے میں وہی کر رہی ہوں جو مجھے کرنا چاہیے۔" آبرہ نے ایک جھٹکے سے اپنا وجود اس کی گرفت سے آزاد کرواتے ہوئے کہا۔

"مگر پہلے مجھے اپنے اس خوبصورت روپ کو جی بھر کر دیکھنے تو دو، اس دن کے انتظار میں میں نے ایک ایک پل گن کر گزارا تھا، آج کے دن اپنے دل کی تمام بیتابیوں کا حال میں تمہیں سنانا چاہتا ہوں، تمہارے اس خوبصورت خیرہ کر دینے والے حسن کی شان میں، میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر تم۔" حکایت دل سناتے ہوئے شانزل نے بے اختیار اس کا مہندی کے نقش و نگار سے سجا ہاتھ تھام کر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

"بس کریں مسٹر شانزل آپ، جس طرح دھوکے اور فریب سے آپ نے مجھ سے شادی کی ہے اس کے بعد اس طرح کے خواب دیکھنے کا آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا، آپ کیا سمجھتے تھے کہ میں روایتی دلہنوں کی طرح بیڈ پر بیٹھ کر آپ کا انتظار کروں گی، نہیں شانزل صاحب نہیں، جس رشتے کی بنیاد ہی جھوٹ فریب اور دھوکے پر رکھی گئی ہو اس رشتے کی عمارت کتنی کھوکھلی اور بے بنیاد ہو گی، یہ اب تک آپ کو اچھی طرح سمجھ جانا چاہیے تھا۔" اگلے ہی پل جھٹکے سے اپنا ہاتھ شانزل کے ہاتھوں میں سے نکالتی ہوئی وہ غصے

سے بھنکاری تھی، اس کے لہجے اور انداز میں تلخی ہی تلخی تھی۔

"کیا مطلب؟" آبرہ کے لب و لہجے اور انداز نے شانزل کو حیران کر دیا تھا۔

"مطلب یہ کہ دھوکے سے جبراً آپ مجھے اس مقام تک تو لے آئے ہیں مگر اس سے آگے مجھ سے کسی قسم کی امید مت رکھنا۔" شانزل خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بہت مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"مگر آبرہ وہ سب کچھ تو میں نے تمہاری محبت میں مجبور ہو کر کیا تھا اور تم......" شانزل نے اپنی صفائی میں کہنا شروع کیا۔

"جھوٹ کہتے ہو تم، محبت تو بہت پاکیزہ جذبہ ہے، یہ کسی انسان کو شیطان بننے پر مجبور نہیں کر سکتا، گھن آتی ہے مجھے تم سے، میری زندگی برباد کرتے ہوئے تم نے ایک پل کے لئے بھی نہ سوچا، جھوٹے ہو تم، دھوکے باز فریبی انسان...... میں...... میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی۔" غصے سے بولتی ہوئی وہ اپنے آپے میں نہ رہی تھی اس نے بے اختیار سائیڈ ٹیبل پر رکھے گلدان پر زور سے ہاتھ مارا تھا جس کے نتیجے میں ایک زوردار آواز کے ساتھ گلدان دیوار سے ٹکرا کر نہ صرف زمین بوس ہوا بلکہ کرچی کرچی بھی ہو گیا۔

اس کے اس غیر متوقع ری ایکشن کے بارے میں شانزل خان نے کبھی نہ سوچا تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا، تیر کمان سے نکل چکا تھا، باہر دروازے پر دی جانے والی دستک اس بات کی غماز تھی کہ یقیناً گلدان کے ٹوٹنے کی آواز باہر تک گئی تھی جس کے نتیجے میں باقی لوگوں کو تشویش ہوئی تھی۔

"خبردار جو تم نے کسی قسم کی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" اگلے ہی پل شانزل نے جلدی سے آبرہ کو بیڈ پر دھکیلتے ہوئے دبے لہجے میں وارننگ دیتے ہوئے کہا تھا اور پھر خود پر کنٹرول کرتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"کیا بات ہے بیٹا خیریت تو ہے نا، تمہارے کمرے سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی میں تو ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔" دروازہ کھلنے پر دوسری جانب بی بی جان تھیں کچھ پریشان اور گھبرائی ہوئی سی۔

"سب خیریت ہے بی بی جان بس وہ میرا ہاتھ لگنے سے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا گلدان گر کر ٹوٹ گیا اور آپ سب لوگ پریشان ہو گئے۔" شانزل نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا تھا، وہ دروازے میں اس طرح کھڑا تھا کہ بی بی جان اندر کمرے میں نہ دیکھ سکتی تھیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا اب تم آرام کرو اور ہاں تمہارے روم فریج میں پھل، مٹھائی ہر چیز موجود ہے بہو کو اصرار کر کے کچھ کھلا پلا دینا، اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا پیا۔" وہ جاتے جاتے کہنا نہ بھولی تھیں۔

"اچھا بی بی جان آپ پریشان مت ہوں، آپ کی بہو اب میری ذمہ داری ہے، آپ جا کر آرام کریں۔" شانزل نے ہلکے پھلکے انداز میں قدرے شوخی سے بیڈ پر بیٹھی آنسو بہاتی آبرہ کو دیکھتا رہا، جب کچھ دیر تک اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو وہ خاموشی سے کمرے میں دائیں سے بائیں ٹہلنے لگا۔

جوش جذبات ختم ہو چکے تھے، چاہت کے نشے میں چور دل بری طرح اپ سیٹ ہو گیا تھا، وہ دل جو نرم گرم جذبات کی آماجگاہ تھا اب وہاں تفکر و پریشانی نے جگہ لے لی تھی۔

دوسری طرف آبرہ جب رو رو کر تھک چکی تو

دوبارہ اپنی ہمتیں مجتمع کرتی اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہو کر ایک ایک کر کے تمام زیور اتارنے لگی۔

شانزل کچھ دیر کھڑا اس کی تمام حرکات و سکنات کو دیکھتا رہا اور پھر نہ جانے اس کے دماغ میں کیا آیا کہ وہ ایکدم سے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"دلہن آبرہ یوسف، ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا جب میں جبراً تمہیں یہاں تک لا سکتا ہوں تو یہ مت بھولو کہ میں تمہیں وہ سب کچھ کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں جو میں چاہتا ہوں، کیونکہ اپنا حق حاصل کرنا میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" آبرہ کے دونوں کندھوں پر سختی سے اپنے ہاتھ جمائے وہ مضبوط لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا تھا، اس کے لہجے اور انداز میں چٹانوں کی سی مضبوطی تھی اور اس کے لہجے اور انداز پر آبرہ کی رہی سہی ہمت بھی جواب دیتی جا رہی تھی، اوپر سے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کی ہتھیلیوں تک سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔

"مگر نہیں میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ میں نے تمہارے وجود سے نہیں بلکہ تمہاری روح سے محبت کی ہے لیکن اس محبت کو تم کیا جانو، کیونکہ تمہیں تو صرف نفرت کرنا آتی ہے، نفرت کے علاوہ تمہارے پاس اور کچھ ہے بھی کہاں۔" اس کے خوبصورت چہرے پر نظریں جمائے اب وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔

اگرچہ کہ اندر ہی اندر اس کا دل چٹکیاں لے رہا تھا کہ یہ پور پور سجا روپ صرف اور صرف اس کا ہے، اسی کے لئے ہے اپنے من کی پیاسی دھرتی کو آج جی بھر کر سیراب کرے، اس حسن کی صورت سے منہ موڑنا کہاں کا انصاف ہے، آگے بڑھا اور سر سے پیر تک سجے اس روپ کو خود میں سمیٹ لے مگر وہ خود سے نظریں چرائے اسے کہہ رہا تھا۔

"اور ہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ میرے اور تمہارے رشتے کے درمیان جو کچھ بھی ہے وہ صرف اور صرف اس کمرے کی چار دیواری تک ہی رہنا چاہیے، اگر غلطی سے بھی اس کی بھنک میرے کسی فیملی ممبر کے کانوں میں پڑ گئی تو میں تمہارے ساتھ وہ کچھ کروں گا جو تم سوچ بھی نہیں سکتیں، اسے میری وارننگ سمجھنا یا نصیحت یہ تم پر ڈیپنڈ کرتا ہے، اینڈ آئی ہوپ اس ڈرامے میں سب کے سامنے مجبوراً ہی سہی اپنا رول تم بہت اچھی طرح سے پلے کرو گی۔" دھمکی آمیز انداز میں وہ اسے وارن کر رہا تھا، پھر کمرے سے جاتے ہوئے پلٹ کر بولا۔

"کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اتنا یاد رکھنا کہ اپنی عزت نفس مجھے اس دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے اور اس کے لئے میں کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ بڑے بڑے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

اگلی صبح اپنے جلو میں آبرہ کے لئے مزید آزمائش لے کر آئی تھی، کیونکہ ولیمے کی شاندار تقریب تھی اس لئے شانزل کے سب کزنز اور رشتے دار اکٹھے ہوئے تھے، آبرہ کے گھر سے یوسف صدیقی اور رفعت آراء بھی آئے تھے چونکہ آبرہ کے گرد نوجوان پارٹی نے گھیرا ڈالا ہوا تھا اس لئے وہ لوگ بزرگوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ٹی پنک کلر کے بھاری کامدار لہنگے جس پر کہیں کہیں فیروزی کلر کا ٹچ دیا گیا تھا پہنے آبرہ بالکل آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور محسوس ہو رہی تھی بیوٹیشن کے ماہر ہاتھوں نے اس کے حسن

کو چار چاند لگا دیئے تھے، اگرچہ کہ ساری رات رونے کے سبب اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی اتر آئی تھیں مگر اس سرخی نے اس کے حسن کو مزید دو آتشہ بنا ڈالا تھا۔

بلیک شاندار ڈنر سوٹ میں شانزل بھی بہت زبردست لگ رہا تھا، اپنے کزنز کی چھیڑ چھاڑ اور شرارتوں کا بھرپور جواب دیتا وہ دلکشی سے مسکرائے جا رہا تھا۔

''یار شانزل میرا خیال ہے تم کچھ دیر آرام کر لو، تمہاری آنکھوں کی سرخی بتا رہی ہے کہ تم ساری رات سوئے نہیں ہو۔'' ایک من چلے کزن نے شانزل کی سرخ ہوتی آنکھوں پر شرارت سے چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

''سونے کے لئے عمر پڑی ہے میرے یار۔'' اس کی شرارت کا جواب شانزل نے بھرپور شرارت سے دیتے ہوئے کہا، قریب ہی دلہن بن بیٹھی آبرہ اس کا کھلا ڈھلا جواب سن کر بے اختیار شرم سے پانی پانی ہوئی تھی۔

رات کی تلخی کا اس کے چہرے پر ڈھونڈے سے بھی کوئی شائبہ نہ مل رہا تھا، گویا خود پر کنٹرول رکھنے کی اسے پوری مہارت ہو۔

''ارے ہاں بھابھی بھائی نے آپ کو رونمائی میں کیا گفٹ دیا ہے۔'' اسمارہ نے بے اختیار یاد آنے پر آبرہ سے پوچھا، جس پر آبرہ نے خاموشی سے اپنا ہاتھ آگے کر دیا، اس کے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈائمنڈ کی بہت پیاری انگوٹھی چمک رہی تھی، صبح جب وہ لوگ ناشتہ کر رہے تھے تو شانزل نے بہت خاموشی سے ایک مخملی ڈبیہ اس کے سامنے رکھ دی تھی جسے مجبوراً آبرہ کو اٹھانا پڑا اور شانزل کی اس وقت کی حکمت عملی آبرہ کی سمجھ میں اب آئی تھی۔

''بہت زبردست گفٹ ہے۔'' اسمارہ نے بے اختیار تعریف کی، باقی سب دیکھنے والے کزنز نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''بالکل غلط کہہ رہے ہیں آپ سب لوگ میری اتنی خوبصورت بیوی کے سامنے یہ رنگ بالکل بھی زبردست نہیں ہے۔'' شانزل جو کہ یاسر سے محو گفتگو تھا مگر اس کی تمام توجہ آبرہ اور اس کے گرد اکٹھی ہونے والی کزنز اور بھابھیوں کی جانب بھی قدرے شوخی سے جواب دیا تھا۔

''اوئے ہوئے۔'' اس کے جواب پر تمام کزنز نے شوخی سے نعرہ بلند کیا تھا اور پھر اسی شور شرابے میں ان لوگوں کا فوٹو سیشن شروع ہو گیا۔

عدیل، شانزل کا نہ صرف اچھا دوست اور کزن تھا بلکہ بہت ماہر فوٹو گرافر بھی تھا، اس لئے فوٹو سیشن کا یہ فریضہ اس نے اپنے ذمے لیا تھا، عدیل نے ہر اینگل سے ان دونوں کے فوٹو گراف لی تھیں۔

''یار شانزل تم لوگ تھوڑا سا کلوز ہو جاؤ، عجیب گھامڑ انسان ہو، ایسا لگ رہا ہے جیسے تم اپنی بیوی کے ساتھ نہیں بلکہ کسی اور کی بیوی کے ساتھ کھڑے ہو۔'' آبرہ کے کترائے سے انداز کو نوٹ کرتے ہوئے عدیل نے ٹوکا تھا، جس پر شانزل بری طرح چونکا تھا۔

''اب ایسی بات بھی نہیں ہے یار۔'' شانزل نے آبرہ کے مزید نزدیک ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں اب کہو ٹھیک ہے۔''

''چلو بھابھی کے کندھے پر ہاتھ رکھو اور محبت بھری نظروں سے انہیں دیکھو۔'' عدیل بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

شانزل نے اس کی دی گئی ہدایت کے مطابق جیسے ہی آبرہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ فوراً جزبز ہوتی ہوئی دور ہونا چاہی تھی مگر شانزل

نے فوراً ہی گرفت سخت کر کے تنبیہی نظروں سے اسے وارننگ دی تھی اور اس کی نظروں میں نجانے ایسا کیا تھا کہ وہ ایکدم سے سہم گئی تھی۔

اور پھر عدیل نے اسی طرح کے بہت سے کلوز فوٹو گراف بنائے تھے، شانزل کی اتنی قربت پر اس کی سانسیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں، گھبراہٹ میں اس کا پورا وجود پسینے پسینے ہو رہا تھا اور اس کی یہ گھبراہٹ اندر ہی اندر شانزل خان کو سرشار کیے جا رہی تھی، اس کا کترانا، جھجکنا، شرمانا، گھبرانا یہ سب اس بات کا ثبوت تھا کہ جلد یا دیر مگر بالآخر ایک دن وہ اپنی منزل پا لے گا، ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب وہ اپنی محبت کی شمع آبرہ کے دل میں روشن کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

بالآخر اللہ اللہ کر کے فوٹو سیشن ختم ہوا تو آبرہ نے سکون کا سانس لیا اور پھر ولیمے کی تقریب کے بعد وہ اور شانزل دستور کے مطابق پروفیسر صاحب کے ساتھ ان کے گھر چلے گئے تھے۔

☆☆☆

زندگی آہستہ آہستہ معمول پر آتی جا رہی تھی، سب مہمان اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، اسمارہ اور اس کا شوہر واپس چلے گئے تھے، ان کی شادی کو ایک ماہ ہو گیا تھا اور کمرے کی چار دیواری کے اندر وہ آج بھی روز اول کی طرح ایک دوسرے کے لئے اجنبی اور بیگانہ تھے ہاں مگر کمرے سے باہر وہ دونوں حتی الامکان کوشش کرتے تھے کہ اپنے تعلق کی نوعیت سے کسی کو آگاہ نہ ہونے دیں، سب کے سامنے خود کو خوش اور مطمئن ظاہر کرنا اگرچہ کہ آبرہ کو ایک تکلیف دہ مرحلہ لگتا تھا مگر روز اول ملنے والی شانزل کی دھمکی کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ یہ سب کچھ کرنے پر خود بھی مجبور تھی، کیونکہ وہ یہ کبھی بھی نہ چاہتی کہ شانزل اور اس کے تعلق کی نوعیت سے اس کے بابا یا پھپھو آگاہ ہوں، حقیقت میں وہ اس رشتے کی حقیقت اپنے بابا یا پھپھو کو بتا کر انہیں مزید کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی، اسی لئے نہ صرف شانزل کے لئے بلکہ خود اپنے لئے بھی وہ یہ بھرم رکھنے پر مجبور تھی، حقیقت تو یہ تھی کہ اسے خوش اور مطمئن دیکھ کر یوسف صدیقی اور رفعت آراء دونوں بے حد خوش اور پرسکون تھے، اس کا جب جی چاہتا وہ ڈرائیور یا پھر شانزل کے ساتھ جا کر مل آتی تھی۔

جس طرح ہر گھر کے اپنے کچھ اصول اور طور طریقے ہوتے ہیں اسی طرح خان ہاؤس کے بھی کچھ اصول اور طور طریقے تھے، زبیدہ بیگم لاکھ پڑھی لکھی اور ماڈرن ہونے کے باوجود گھریلو معاملات میں ایک روایتی خاتون تھیں، گھر کی صفائی ستھرائی اور دوسرے تمام کاموں کے لئے اس گھر میں سینکڑوں ملازم تھے مگر کچن کی ذمہ داری کا فرض انہوں نے کبھی ملازموں پر نہ ڈالا تھا، اپنے بچوں کی صحت کے معاملے میں وہ بہت ہیلتھ کانشس تھیں، شاداب کی شادی سے پہلے تک وہ خود کچن کی تمام ذمہ داری اٹھاتی تھیں، سوسائٹی میں موو کرنا اپنی جگہ مگر گھریلو امور کی انجام دہی اپنی جگہ تھی، ان کے نزدیک اور جب انہوں نے شاداب کی شادی کر دی تو کچن کی یہ ذمہ داری انہوں نے اپنی بہو یاسمین کے کندھوں پر ڈال دی تھی اور تب سے اب تک یہ ذمہ داری یاسمین بھابھی بخوبی اٹھائے ہوئے تھیں، اس گھر میں رہتے ہوئے آبرہ اس گھر کے طور طریقوں سے اچھی طرح واقف ہوتی جا رہی تھی بہت سی جگہوں پر یہ گھرانہ اسے بہت ماڈرن لگتا تھا اور بہت سی جگہوں پر اپنا روایتی پن بھی رکھے ہوئے تھا۔

''بہرحال مجھے اس سب سے کیا، مجھے تو ایک نہ ایک دن اس گھر سے چلے ہی جانا ہے

کیونکہ زبردستی کے باندھے گئے رشتے زیادہ دور تک نہیں چلتے ہیں۔" آبرہ نے کافی دیر تک اس گھر کے طور طریقوں کو سوچنے کے بعد سر جھٹک کر خود سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چھوٹی دلہن تم کہاں جا رہی ہو، بیٹھو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ سب لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ پستہ بادام اور کاجو سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے، آبرہ بھی خاموشی سے بیٹھی ان کا ساتھ دے رہی تھی ساتھ میں زبیدہ بیگم کی کسی نہ کسی بات کا جواب بھی دیتی جا رہی تھی جب بور ہو کر اٹھ کر جانے لگی تو زبیدہ بیگم نے ضروری بات کا کہہ کر دوبارہ بٹھا لیا۔

شانزل جو زبیدہ بیگم کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھا تھا ان کی بات سے ایک پل کے لئے چونکا تھا مگر پھر خود کو لاپرواہ ظاہر کرتا ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"جی کہیے بی بی جان۔" آبرہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھو بیٹا جس طرح ہر گھر کے کچھ اصول اور طریقے ہوتے ہیں اسی طرح ہمارے گھر کے بھی کچھ اصول ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ تم بھی ان اصولوں پر عمل کرو۔" زبیدہ بیگم نے تمہید باندھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"جی بی بی جان آپ کہیں۔"

"دیکھو بیٹا اب تمہاری شادی کو ایک ماہ ہو گیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ میٹھا پکانے کی رسم کر کے تمہیں یاسمین کے ساتھ کچن کی ذمہ داری بانٹ لینی چاہیے، اب دیکھو نا چھوٹے سے بچے کے ساتھ وہ تنہا یہ سب دیکھتی ہے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم اس سب میں اس کا ہاتھ بٹا دیا کرو۔" زبیدہ بیگم دھیرے دھیرے کہہ رہی تھیں۔

"لیکن بی بی جان مجھے کچن میں کام کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے اور نہ ہی شوق ہے پھر میں یہ سب۔" آبرہ نے الجھن زدہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا تجربہ کام کرنے سے ہی آتا ہے تم اگر کھانا پکانا شروع کرو گی تو تمہیں تجربہ بھی ہو جائے گا اور دھیرے دھیرے تمہیں شوق بھی پیدا ہو جائے گا، عورت گھر میں ڈگریوں سے نہیں بلکہ گھرداری سے پہچانی جاتی ہے، لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ اب تم آہستہ آہستہ گھرداری کی طرف دھیان دینا شروع کر دو۔" انہوں نے تنبیہی انداز میں ناگواری سے سمجھایا تھا، آبرہ کے جواب پر اگرچہ کہ انہیں غصہ آیا تھا مگر مصلحت کے تحت غصے کو پی گئیں۔

"بی بی جان عورت کو ڈگریاں ایک دن یا ایک مہینے میں نہیں مل جاتیں بلکہ اس کے لئے اسے سالوں محنت کرنا پڑتی ہے تب جا کر اسے ڈگریاں ملتی ہیں، پھر گھرداری عورت ایک دن میں کیسے سیکھ سکتی ہے، معذرت کے ساتھ بی بی جان کہ نہ تو ڈگریاں ایک دن ایک مہینے میں ملتی ہیں اور نہ ہی گھرداری کا ہنر، اس لئے بی بی جان میں کوشش کروں گی۔" آبرہ نے پرسکون لہجے میں بڑے اعتماد کے ساتھ کہا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، ٹی وی دیکھتے بظاہر انجان بنے شانزل کی توجہ اگرچہ کہ ان ساس بہو کی گفتگو کی جانب تھی مگر بظاہر وہ ٹی وی دیکھنے میں مگن نظر آ رہا تھا۔

"تم دیکھ رہے ہو نا اپنی بیوی کو، کیا جواب دے کر گئی ہے مجھے۔" زبیدہ بیگم نے شانزل کی طرف رخ کرتے ہوئے غصے سے اسے جتایا تھا۔

"اوہ بی بی جان آپ ٹینشن کیوں لے رہی

ہیں دیکھیں جب کوئی انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو اسے وہاں ایڈجسٹ ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے، وہاں کے طور طریقے، رسم و رواج سب کچھ سمجھنے میں وقت درکار ہوتا ہے، آبرہ کو بھی کچھ وقت لگے گا سب کچھ سمجھنے میں اس لئے آپ پریشان مت ہوں۔" شانزل نے بی بی جان کے کندھے پر بازو پھیلا کر انہیں خود سے قریب کرتے ہوئے تسلی دینے کے سے انداز میں جواب دیا۔

"بیٹا یاسمین بھی تو......" انہوں نے کہنا چاہا۔

"بی بی جان یاسمین بھابھی ہمارے اپنے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے وہ ہمارے گھر کے طور طریقوں سے اچھی طرح واقف تھیں جبکہ آبرہ کو ہم لوگ باہر سے بیاہ کر لائے ہیں اس لئے ہمیں کچھ وقت تو آبرہ کو دینا چاہیے ان سب باتوں کو سمجھنے کے لئے۔" ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی شانزل نے ان کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہیں تو صرف اپنی بیوی کی سائیڈ لینا آتی ہے۔" زبیدہ بیگم نے شاکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بس اتنا ہی کہا۔

"بات سائیڈ لینے کی نہیں ہے بی بی جان بات اصول کی ہے، خیر چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ شاداب بھائی کہاں پر گئے ہوئے ہیں۔" شانزل نے کہتے ہوئے ایکدم سے موضوع بدل دیا۔

"تمہارے بابا اور شاداب دونوں زمینوں پر گئے ہوئے ہیں، کچھ حساب کتاب دیکھنا تھا اسی لئے۔" انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اس دن کی تکرار کے بعد زبیدہ بیگم نے آبرہ سے کسی بھی موضوع پر کچھ بھی کہنا سننا چھوڑ دیا تھا ہاں مگر خاموشی سے وہ بہت کچھ نوٹ کرنے لگی تھیں یہ کہ سارا دن آبرہ اس گھر میں کیا کرتی رہتی ہے، شانزل اور اس کے درمیان تعلقات کس قسم کے ہیں اور یہ سب کچھ نوٹ کرنے کے بعد ان پر بہت کچھ آشکار ہوا تھا، جس نے انہیں تشویش و پیچ میں مبتلا کر ڈالا تھا، تب ہی انہوں نے اس سلسلے میں شانزل سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

☆☆☆

"بی بی جان آپ نے مجھے بلایا تھا۔" دستک دے کر اندر آتے ہوئے شانزل نے پوچھا۔

"ہاں مجھے کچھ بات کرنی تھی تم سے، تم بیٹھو۔" زبیدہ بیگم نے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھیں اور شانزل کو اپنے کمرے میں بلا کر بات کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ اس بات کو سب کے سامنے نہ کرنا چاہتی تھیں۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" اس کے مضمحل چہرے پر نظر ڈالنے کے بعد انہوں نے ہلکی سی تشویش سے پوچھا۔

"بس سر میں ہلکا سا درد ہے، بھابھی کو چائے بنانے کا کہہ کر آیا ہوں، پین کلر لے کر چائے پی لوں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔" ماتھے کو ہلکے سے مسلتے ہوئے شانزل نے جواب دیا اور اس کا جواب سن کر زبیدہ بیگم نے بہت دکھ اور تاسف سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اور تمہاری اپنی بیوی کہاں ہے؟"

"آبرہ شاید اپنے کمرے میں ہو گی۔" جواب دیتے ہوئے شانزل ایک پل کو ٹھٹکا تھا، کچھ غلط ہونے کے احساس نے اسے چونکا کر دیا تھا، وہ اب بہت محتاط نظروں سے زبیدہ بیگم کو دیکھ رہا تھا۔

''شانزل ایسا کب تک چلے گا۔'' کچھ دیر تک شانزل پر نظریں جمائے رکھنے کے بعد زبیدہ بیگم نے تاسف سے پوچھا۔

''کیا مطلب، کیا کب تک چلے گا میں سمجھا نہیں۔'' شانزل نے چونک کر پوچھا۔

''شانزل انجان بننے کی کوشش مت کرو، میں اس وقت تمہاری بیوی کی بات کر رہی ہوں، کیا چل رہا ہے تم دونوں کے درمیان، کیوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے رہتے ہو تم لوگ، نئے نویلے دلہا دلہن والی تو کوئی بات مجھے تم لوگوں میں نظر نہیں آتی، تم سارا دن گھر سے غائب رہتے ہو اور جب گھر میں ہوتے بھی ہو تو اپنی بیوی کی ذات سے غافل رہتے ہو اور تمہاری بیوی وہ یا تو سارا دن کمرے میں بند ٹی وی دیکھتی رہتی ہے یا پھر کوئی کتاب لے کر لان میں بیٹھ جاتی ہے نہ وہ تم میں دلچسپی لیتی ہے اور نہ ہی اس گھر اور اس گھر کے معاملات میں دلچسپی لیتی ہے، آخر بات کیا ہے؟'' زبیدہ بیگم بولنا شروع ہوئیں تو بولتی چلی گئیں۔

''بی بی جان جیسا آپ سوچ رہی ہیں ویسا کچھ نہیں ہے۔'' شانزل نے سمجھتے ہوئے کہا۔

''اگر ویسا کچھ نہیں ہے تو اس وقت جب تمہارے سر میں درد ہو رہا ہے اور تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو تمہاری بیوی کو تمہارے پاس ہونا چاہیے تھا اور جو چائے تمہارے لئے تمہاری بھابھی بنا رہی ہیں وہ تمہاری بیوی کو بنانا چاہیے تھی۔'' پچھلے کئی دنوں سے وہ جو کچھ بھی دیکھ اور محسوس کر چکی تھیں وہ سب کچھ کہنے کا تہیہ کیے ہوئے تھیں۔

''اوہ اس کا مطلب ہے کہ میرا بھابھی کو چائے بنانے کے لئے کہنا آپ کو برا لگا ہے۔'' ان کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے شانزل نے قدرے تلخی سے کہا۔

''میری بات کا غلط مطلب مت لو شانزل۔'' اگلے ہی پل انہوں نے اسے گھر کا تھا پھر بولیں۔

''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، آج جو کچھ محسوس کر کے میں تم سے بات کر رہی ہوں میں نہیں چاہتی کہ کل کو وہی سب کچھ اس گھر کے باقی لوگ بھی محسوس کریں اور پھر تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کریں، اس لئے اگر تم دونوں کے درمیان کچھ غلط ہے بھی تو بہتر ہے کہ تم اسے ٹھیک کر لو، اپنی بیوی کو اس گھر اور اس گھر کی ذمہ داریوں کا احساس دلاؤ، کچھ عرصہ قبل میں نے تم سے اس سے سلسلے میں بات کی تو تم نے مجھے یہ کہہ کر خاموش کروا دیا تھا کہ اسے ایڈجسٹ ہونے میں کچھ وقت لگے گا مگر اب دو ماہ سے زیادہ ہونے کو آئے ہیں تمہاری شادی کو مگر وہ اس گھر کی ذمہ داریاں چھوڑو خود تمہاری ذمہ داری نہیں اٹھاتی، تمہارے کھانے ناشتے اور چائے کا خیال نہیں رکھتی، شادی سے پہلے تم روزانہ رات کو سوتے ہوئے دودھ پیتے تھے، تمہاری بھابھی سب کام چھوڑ کر تمہیں دودھ دے کر آتی تھی لیکن شادی کے بعد یہ ذمہ داری اب تمہاری بیوی کی ہے، تمہارے کھانے پینے سے لے کر تمہارے آرام تک کا خیال رکھنا اب اس کے فرائض میں شامل ہے مگر بہت افسوس سے مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ تمہاری بیوی ان سب چیزوں سے نابلد ہے، اپنی ایمانداری سے بتانا کہ شادی کے بعد کس دن تمہاری بیوی کمرے میں تمہارے لئے دودھ لے کر گئی ہے۔'' زبیدہ بیگم چھوٹی سی چھوٹی بات بھی اسے جتائے بغیر نہ رہی تھیں۔

''آپ کا کہنا بجا سہی بی بی جان مگر میں اس معاملے کو اہمیت نہیں دیتا، جو کام گھر کے نوکر چاکر کر سکتے ہوں اس کے لئے بیوی کو زحمت دینا فضول ہے، ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ آبرہ کچن کی ذمہ داریوں سے دور رہتی ہے تو اس مسئلے کو ایشو بنانے کی بجائے آپ کوئی خانساماں رکھ لیں دیٹس آل۔'' شانزل نے قطعی لاپرواہ سے انداز میں اپنے تئیں انہیں مشورہ دیا تھا، ان کی تمام باتوں کے جواب میں شانزل نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ سراسر آبرہ کی فیور میں کہا تھا۔

''تم جانتے بھی ہو شانزل کہ اس گھر میں میری چالیس سالہ زندگی میں آج تک کوئی خانساماں نہیں آیا مگر آج اپنی بیوی کی فیور میں بات کرتے ہوئے تم مجھے مشورہ دے رہے ہو کہ میں خانساماں رکھ لوں، صرف اس لئے ناں کہ تمہاری بیوی کو کچن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' زبیدہ بیگم نے تاسف سے کہا۔

اور وہ جو پچھلی طرف بنے لان میں کرسی ڈالے کتاب پڑھنے میں مگن تھی وہ زبیدہ بیگم کی کھڑکی سے آتی آوازوں سے اندر ہونے والی تمام گفتگو من وعن سن چکی تھی اور یہ سوچ رہی اور اس انسان کے کتنے روپ ہیں۔

''کیا شے ہو تم شانزل خان میری اتنی نفرت اور بے گانگی کے باوجود تم مجھے فیور کر رہے ہو، ہاؤ سٹرینج۔'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

''آبرہ چائے ختم کر کے جلدی سے تیار ہو جانا، تمہیں بابا نے بلوایا ہے۔'' وہ لان میں اپنا چائے کا کپ لئے بیٹھی تھی جب شانزل نے آ کر اس سے کہا۔

''کیا ہوا بابا کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' گھبراہٹ میں آبرہ نے جلدی سے پوچھا تھا یوں اس طرح یوسف صاحب نے پہلے کبھی اسے نہیں بلوایا تھا، تب ہی اس کا دل ایکدم سے گھبرایا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہیں وہ، سب معمولی سا بی پی ہائی ہوا تھا ان کا، ابھی کچھ دیر پہلے مجھے ان کا فون آیا تھا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں تمہیں لے کر ان سے ملوانے کے لئے لے آؤں۔'' شانزل نے اسی طرح کھڑے کھڑے اسے تفصیل سے آگاہ کیا تھا اس کے چہرے پر پھیلی تشویش کو محسوس کرتے ہوئے ہی اس نے اسے دلاسا دیا تھا۔

''چلیں پھر میں تیار ہی ہوں۔'' آبرہ نے ٹیبل پر رکھی چائے اسی طرح چھوڑ کر دوپٹہ درست کرتے ہوئے کہا۔

شانزل نے ایک گہری تفصیلی نظر اس کے ملگجے سے حلیے پر ڈالی اور پھر اس کی چھوڑی گئی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

''اس حلیے میں تم اس گھر کی ماسی زیادہ اور بہو کم لگ رہی ہو، ایک پل کے لئے سوچو تمہیں اس حلیے میں دیکھ کر وہ کتنا دکھی ہوں گے، وہ سوچیں گے کہ شاید اس گھر میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوتا اور یہ کہ تم اس شادی اور اس گھر سے خوش نہیں ہو اور یہ تمام سوچیں ہی ہیں جن کی وجہ سے ان کا بی پی ہائی رہتا ہے۔'' اپنے بھاری مضبوط لہجے میں بہت رسان سے اس نے کہا تھا۔

''جاؤ جلدی سے فریش ہو کر آؤ، میں تب تک تمہاری چھوڑی ہوئی چائے سے لطف اندوز ہوتا ہوں، ورنہ اپنی ایسی قسمت کہاں کہ تمہارے خوبصورت ہاتھوں سے بنی چائے سے لطف اندوز ہو سکوں۔'' شانزل نے ہلکی سی شرارت کے ساتھ اس کے چھوڑے ہوئے کپ کو اٹھاتے ہوئے کہا، اس کے کہے گئے جملے میں لطیف سے طنز کے ساتھ ساتھ ہلکی سی شرارت بھی تھی اور اس

کی بات پر خفت زدہ سی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"چلیں۔" کچھ دیر بعد فریش ہو کر وہ آئی تو اس نے کہا۔

شانزل نے سر سے پاؤں تک بغور اس کا جائزہ لیا تھا، گہرے براؤن گرم سوٹ پر ہم رنگ شال اوڑھے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی، اس کی کندن کی طرح دمکتی رنگت اس سوٹ میں اور بھی کھلی کھلی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ پیاری سی لڑکی میری ہے۔" اس کے ہمقدم چلتے ہوئے شانزل نے سرشاری سے سوچا تھا۔

یوسف صدیقی اور رفعت آراء ان دونوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے تھے، یوسف صدیقی کتنی ہی دیر آبرہ کو اپنے ساتھ لگائے کھڑے رہے تھے، ان کی اکلوتی واحد اولاد ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی اور اسے خوش اور مطمئن دیکھ کر ان کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر آیا تھا، اگر بیٹیوں کو یوں رخصت کرنا سنت نہ ہوتی تو وہ ہمیشہ اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھتے، آبرہ کو خوش دیکھ کر جہاں ان کے دل میں ڈھیروں اطمینان اترتا تھا وہاں کبھی کبھی تنہائی انہیں بری طرح بے چین و مضطرب کر دیتی تھی۔

"آج میں تم لوگوں کو کھانا کھائے بغیر بالکل بھی نہیں جانے دوں گی۔" رفعت آراء نے محبت پاش نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں پھپھو مگر کھانا آپ خود نہیں بنائیں گی بلکہ میں باہر سے لے کر آؤں گا۔" شانزل نے خوشدلی سے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں بیٹا! تم ہمارے لئے پہلے ہی اتنا کچھ کر چکے ہو، مگر اب میں تمہاری ایک نہیں چلنے دوں گی، تم اس گھر کا بیٹا ہونے کے ناطے اپنے بہت سے فرض نبھاتے ہو تو کیا ماں باپ ہونے کے ناطے ہمارا کوئی فرض نہیں ہے اس لئے آج میں تم دونوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے کھانا بناؤں گی۔" رفعت آراء نے ڈپٹنے کے سے انداز میں کہا۔

ان کی بات پر آبرہ نے بری طرح چونکتے ہوئے شانزل کی جانب دیکھا تھا مگر وہ یوسف صدیقی کی جانب متوجہ تھا۔

"چلیں پھپھو میں آپ کی ہیلپ کرواتی ہوں۔" آبرہ نے کہا اور پھر اٹھ کر ان کے ساتھ کچن میں چلی آئی۔

"بہت اچھا بچہ ہے شانزل اگر ہماری اپنی اولاد بھی ہوتی نا تو وہ بھی اتنا سب کچھ نہ کرتی، یقین مانو تمہیں خوش دیکھ کر ڈھیروں اطمینان دل میں اتر جاتا ہے۔" رفعت آراء نے فریج سے گوشت کا پیکٹ نکال کر پانی میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب، کیا کیا ہے شانزل نے پھپھو۔" اس بار آبرہ نے سوال کر ہی لیا تھا۔

"تمہیں اس نے کچھ نہیں بتایا۔" اس بار چونکنے کی باری رفعت آراء کی تھی۔

"نہیں پھپھو، آپ بتائیں نا کیا بات ہے۔" آبرہ نے خود سے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل کچھ دن پہلے بھائی جان کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی تھی ایکدم سے بی پی بھی شوٹ کر گیا تھا اور دل کی بھی کچھ تکلیف ہو گئی تھی اور ان کی طبیعت خراب دیکھ کر میں اتنی پریشان ہوئی کہ شانزل کو فون کر کے بلا لیا اور وہ بچہ فوراً ہی میرا فون سن کر چلا آیا، پھر وہ بھائی جان کو نہ صرف ڈاکٹر کے لے کر گیا بلکہ ضروری ٹیسٹوں کے بعد انہیں دوائیں دلوا کر گھر چھوڑ کر گیا اور پھر اس دن کے بعد سے اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر وہ روزانہ ان کی خیریت پتہ کرنے آتا رہا ہے، ڈھیروں پھل اور ان کی ضرورت کی تمام چیزیں وافر مقدار میں لے کر آتا رہا تھا، ہمارے منع کرنے پر منہ پھلا کر ناراض ہو جاتا تھا کہتا تھا کہ میں اس گھر کا داماد نہیں بلکہ بیٹا ہوں، تو پھر آپ لوگ ایک بیٹے کو اس کے فرائض کی بجا آوری سے کیوں روک رہے ہیں اور تو اور آبرہ وہ ہمارے کچن میں کھڑے ہو کر خود اپنے ہاتھوں سے بھائی جان کو جوس بنا کر پلاتا رہا ہے، سچ آبرہ اس کے آنے سے دل کو اتنی ڈھارس ملتی ہے کہ بتا نہیں سکتے، تنہائی کا وہ احساس جو ہر پل ہمیں اذیت دیتا رہتا تھا وہ شانزل کے آنے سے بہت کم ہو جاتا ہے۔" رفعت آراء بولتے بولتے ایک پل کو خاموش ہوئی تھیں اور پھر ایک گہری سانس بھر کر دوبارہ بولیں۔

"تمہاری شادی سے قبل جو خوف ہمارے دلوں میں تھا کہ نجانے وہ لوگ کیسے نکلیں گے اور یہ کہ تمہاری شادی کے بعد ہم لوگ تنہائی کی آگ میں سلگتے رہیں گے، یقین کرو یہ تمام خوف شانزل نے ہمارے دلوں سے نکال دیئے ہیں اسے دیکھ کر ہمیں یہ بالکل محسوس نہیں ہوتا کہ ہماری کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے، ایک بیٹا ہونے کے تمام فرائض وہ ادا کر رہا ہے ورنہ بھائی جان تو خرابی طبیعت کی بدولت بچوں کو ٹیوشن تک نہیں پڑھا سکتے اگر شانزل نہ ہوتا تو ڈاکٹروں کی فیس ان کی دوائیاں اور باقی سب کچھ نجانے کیسے ہوتا۔" رفعت آراء دھیرے دھیرے تمام حقیقتوں سے پردہ اٹھاتی جا رہی تھیں اور آبرہ دم بخود بیٹھی یہ سب سنتی جا رہی تھی مزید سوال کرنے کا اس میں حوصلہ ہی نہ ہو رہا تھا۔

"ایک بات بتاؤ آبرہ، کیا واقعی تمہیں کسی بات کا نہیں پتہ۔" اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے رفعت آراء نے اس سے سوال کیا۔

"نہیں پھپھو انہوں نے مجھ سے بالکل ذکر نہیں کیا۔" خالی کھوکھلے لہجے میں اس نے جواب دیا۔

"تو پھر تم اس کی اچھائی اور خلوص کا اسی بات سے اندازہ لگا لو کہ وہ جو کچھ بھی کرتا رہا ہے تم پر احسان کرنے یا جتانے کے لئے نہیں کرتا رہا بلکہ خلوص دل اور تمہاری محبت کی وجہ سے کرتا رہا ہے۔" انہوں نے دلیل دیتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب پھپھو؟" آبرہ نے الجھ کر پوچھا۔

"مطلب یہ بیٹا کہ جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس سے وابستہ ہر چیز ہر رشتہ ہمیں عزیز اور جان سے پیارا ہو جاتا ہے اور شانزل چونکہ تم سے بہت محبت کرتا ہے اس لئے وہ تمہاری طرح ہمیں بھی بہت عزیز رکھتا ہے اور ہاں ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا، اس اچھے انسان کو ہمیشہ قدر کرنا، کبھی غلطی سے بھی اسے دکھ یا تکلیف مت دینا، بیٹا اس دنیا میں اچھے لوگ بہت کم ہیں اور شانزل کا شمار ان اچھے لوگوں میں ہوتا ہے اس لئے بیٹا اس اچھے انسان کی ہمیشہ قدر کرنا، اسے کھونا مت۔" رفعت آراء دھیرے دھیرے اسے زندگی کی اونچ نیچ سمجھا رہی تھیں۔

"اور ایک بات اور آبرہ، جس طرح پیار محبت اور خلوص سے وہ ہم لوگوں کے ساتھ پیش آتا ہے اسی طرح تمہیں بھی چاہیے کہ تم اس کے تمام فیملی ممبرز کے ساتھ پیار محبت سے پیش آؤ، خاص طور پر شانزل کے ماں باپ کے ساتھ بہت احترام سے پیش آیا کرو، سمجھ رہی ہو نا تم میری بات۔" انہوں نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھا۔

''جی پھپھو۔'' آبرہ نے ایک گہری پرسکون سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''لائیں پھپھو شامی کباب کا مصالحہ میں بنا دیتی ہوں آپ تب تک ہنڈیا پکا لیں۔'' آبرہ نے خودساختہ سوچوں سے چھٹکارا پاتے ہوئے کہا اور پھر ان کے نہ نہ کرنے کے باوجود کام میں ان کا ہاتھ بٹانے لگی۔

☆☆☆

''عجیب ناقابل فہم شخص ہے یہ، میرے اتنی نفرت کرنے کے باوجود جواب میں مجھ سے اور میرے گھر والوں سے نفرت اور بدتمیزی کرنے کی بجائے ان سے اتنی محبت اور خلوص سے پیش آتا ہے جیسے ان لوگوں سے اس کا بہت قریبی اور گہرا تعلق ہو اس دن بی بی جان کے سامنے یہ شخص جس طرح میرا دفاع کر رہا تھا اس پر مجھے شدید حیرانی ہوئی تھی اور آج......آج جو کچھ پھپھو نے مجھے بتایا ہے اسے سن کر تو مجھے سچ میں شدید شاک لگا ہے، اس شخص کے اور نجانے کتنے روپ ہوں گے پتہ نہیں اس کا اصلی روپ وہ ہے جو شادی سے قبل میں دیکھ چکی تھی یا یہ ہے جو شادی کے بعد میں دیکھ رہی ہوں۔'' صوفے پر اس کے قریب بیٹھی آبرہ سوچ رہی تھی۔

کمرے میں اکلوتا واحد صوفہ کم بیڈ تھا جس پر اب تک آبرہ سوتی آ رہی تھی مگر آج اسے صوفے پر بیٹھی وہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی جب شانزل نے صوفے پر بیٹھنے کی اجازت لے کر ٹی وی چلا لیا تھا ایسا پہلی بار ہوا تھا اس لئے آبرہ اسے منع نہ کر سکی تھی اور اب اس وقت سے وہ کتاب کم اور شانزل خان کو زیادہ پڑھ رہی تھی، عموماً وہ کمرے میں ٹی وی بہت کم دیکھتا تھا کیونکہ جس رخ پر ٹی وی رکھا گیا تھا وہ صرف صوفے پر ہی بیٹھ کر دیکھا جاتا تھا، دوسرا کمرے کی چار دیواری میں شانزل زیادہ تر اپنے کام سے کام ہی رکھتا تھا، بلاوجہ آبرہ کو حراساں یا پریشان نہ کرتا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ آبرہ اسے صوفے پر بیٹھنے سے منع نہ کر سکی تھی۔

''یہ شخص اگر شوبز میں چلا جائے تو ہر طرف تہلکہ مچا دے گا خصوصاً فلم انڈسٹری کے تمام ہیروز کی چھٹی ہو جائے گی، اللہ میاں نے شاید بہت فرصت سے بنایا ہے اسے، اللہ بھی نا جسے عطا کرنے پر آتا ہے بہت فیاضی سے عطا کرتا ہے جیسے کہ اس شخص کو، ڈھونڈنے سے بھی اس شخص میں کوئی کمی نہیں ملتی، اونچا لمبا چوڑا وجود، سرخ و سفید رنگت جو کہ ذرا سے غصے سے مزید سرخ ہو جاتی تھی، بڑی بڑی غلافی آنکھیں، لمبی کھڑی ناک اور گھنی مونچھوں تلے بھرے بھرے عنابی لب، واہ میرے مولا اس شخص کو حسن کی دولت سے مالا مال کیا ہے تو نے، اسی لئے شاید یونیورسٹی کی تمام لڑکیاں اس پر فدا تھیں مگر یہ شخص۔'' کتاب سامنے رکھے وہ ٹکٹکی باندھے بڑی محویت سے اپنے سے کچھ فاصلے پر بیٹھے شانزل کو دیکھ کر سوچے جا رہی تھی۔

''نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا۔'' شانزل جو کہ کافی دیر سے اس کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کر رہا تھا بالآخر ٹوکتے ہوئے بولا تب اپنی چوری پکڑی جانے پر وہ خجل سی ہوئی دوبارہ کتاب پر جھک گئی۔

''اگر اپنی کتاب اور ٹی وی پر چلتی نیوز اپ ڈیٹ سے بور ہو رہی ہو تو میں فلم پر لگا لیتا ہوں۔'' شانزل شریری مسکراہٹ لبوں پر سجائے اب مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھا اور اگلے ہی پل فلم والا چینل لگا لیا۔

''جی نہیں مجھے فلم دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' آبرہ نے کتاب پر سے پل ہی پل نظریں اٹھا کر کہا تھا اور پھر دوبارہ اپنی کتاب پر نظریں جما دیں، اول تو اس فلم دیکھنے کا کوئی خاص شوق نہ تھا دوسرا شانزل کے سامنے فلم دیکھنے کا مطلب تھا شانزل خان کی معنی خیز نظروں کا سامنا کرنا اور ایسا وہ بالکل نہیں چاہتی تھی۔

''اچھا تو پھر ٹی وی کا کون سا چینل بہت شوق سے دیکھتی ہو۔'' شانزل نے بہت نرمی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، یہ پہلی بار تھا کہ کمرے میں اس طرح صلح جو انداز میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے تھے۔

''مجھے مصالحہ ٹی وی پر کوکنگ شوز دیکھنے میں مزہ آتا ہے خاص طور پر جب میں وہ ریسپیز خود ٹرائی کرتی ہوں۔'' آبرہ بہت روانی میں جواب دے گئی تھی مگر جملے کے آخر میں ایکدم سے شپٹا گئی تھی، انجانے میں وہ یہ کیا کہہ بیٹھی تھی۔

''اچھا تو پھر تم نے بی بی جان سے یہ کیوں کہا کہ تمہیں کوکنگ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس کے جواب پر ایک محظوظ کن مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا جس پر آبرہ بری طرح گڑبڑا گئی تھی۔

''مجھے بہت سخت نیند آ رہی ہے اس لئے میں اب سونا چاہتی ہوں۔'' اپنی جھینپ مٹانے کی خاطر کتاب بند کرتے ہوئے اس نے کہا۔

مطلب صاف تھا کہ اب ٹی وی بند کرو اور اپنے بیڈ پر دفع ہو جاؤ اور اس کا مطلب سمجھتے ہوئے ہی شانزل نے اس سے کہا تھا۔

''تمہیں اگر نیند آ رہی ہے تو تم جا کر بیڈ پر سو جاؤ۔'' شانزل نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب آپ۔'' غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اس نے کہا۔

''مطلب یہ کہ آج مجھے نیند نہیں آ رہی ہے، میں کچھ دیر تک ٹی وی دیکھنا چاہتا ہوں جب نیند آ جائے گی تو یہیں سو جاؤں گا، اس لئے آج تم بیڈ پر سو جاؤ۔'' شانزل نے کھل کر اپنا مطلب واضح کیا تھا جس پر وہ ایک کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔

''آبرہ بیگم گزرے دو ڈھائی ماہ میں اتنا تو تم جان ہی گئی ہو گی کہ میں اتنے کمزور نفس کا انسان نہیں ہوں، اگر میں نفس کے گھوڑے پر سواری کرتا تو آج تم میری منکوحہ نہیں بلکہ بیوی ہوتیں، اس لئے جاؤ بے فکری سے بیڈ پر جا کر سو جاؤ۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے شانزل نے کہا اور پھر صوفے پر ٹانگیں پھیلا کر لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا اور اپنی تمام توجہ ٹی وی پر چلتی فلم پر مرکوز کر دیں، آبرہ کچھ دیر کشمکش میں کھڑی خود سے الجھتی رہی اور پھر کچھ سوچ کر بیڈ کی جانب بڑھ گئی۔

''صرف میں ہی کیوں اچھا ہے اسے بھی صوفے پر سونے کا مزہ لینا چاہیے دو ماہ پہلے یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ تم بیڈ پر سو جاؤ، میں یہاں صوفے پر سو جاؤں گا، عجیب منطق ہے اس شخص کی، میری سمجھ سے تو بالاتر ہے یہ شخص اور پھپھو کہتی ہیں کہ تم اس کا دل نہ دکھانا، کوئی تکلیف نہ دینا اسے وہ تمہارا مجازی ہے اور نجانے کیا کچھ۔'' بیڈ کے کونے پر سمٹ کر لیٹی وہ دل ہی دل میں سوچے جا رہی تھی، نجانے کیا بات تھی کہ شانزل کی اس حرکت پر اسے طیش نہ آیا تھا، شاید یہ وجہ تھی کہ نفرت و اشتعال کی وہ برف جو اس کے دل پر جمی ہوئی تھی وہ رفعت آراء کی باتوں سے پگھلنا شروع ہو گئی تھی۔

اور پھر انہی سوچوں میں گم نجانے کب وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی اسے پتہ ہی نہیں رہا۔

شانزل جب ٹی وی بند کرنے کھڑا ہوا تو

اس کا ایک بازو لٹکا دیکھ کر بے اختیار اس کے قریب آیا تھا، ایک بازو سینے پر رکھے وہ بہت پرسکون مگر بے خبر نیند سو رہی تھی، بڑی بڑی جھیل جیسی آنکھوں پر سایہ فگن کی ہو لمبی مشگان اس کے چہرے کی معصومیت میں بے پناہ اضافہ کیے ہوئے تھیں بالوں کی کئی آوارہ لٹیں اس کی چٹیا سے نکل کر چہرے کا طواف کر رہی تھیں، حسن بے خبر پرسکون سو رہا تھا اور اس بے خبر حسن نے اس کے دل میں قیامت برپا کر دی تھی، سینے کی چار دیواری میں مقید اس کا دل بری طرح سے انگڑائی لے کر بیدار ہوا تھا اور پھر اس دل میں مچلتی خواہش نے اسے بری طرح بے چین کر کے رکھ ڈالا تھا اس نازک کومل سے وجود کو خود میں سمیٹنے کی خواہش انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی، کنویں کے پاس کھڑے ہو کر اپنی پیاس پر بند باندھنا کس قدر مشکل مرحلہ ہوتا ہے یہ کوئی اس وقت شانزل سے پوچھتا خود پر ضبط کرتا اور جھکا تھا اور آبرہ کا نیچے لٹکتا بازو اٹھا کر اس کے سینے پر رکھنے کے بعد جھک کر ہلکے سے اپنے پیار کی پہلی مہر ثبت کی تھی اور پھر اسی خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

صوفے جیسی تنگ جگہ پر سونے کی بجائے بیڈ پر ٹھیک سے لیٹنے کی وجہ سے وہ آج بہت بے خبر اور پرسکون نیند سو رہی تھی اور اس کی یہ بے خبری شانزل جیسے بھرپور مرد کی مردانگی کے لئے چیلنج بن گئی تھی، وہ خود پر کڑے ضبط کرتا باہر ٹیرس پر ٹہل رہا تھا تمام شرعی و قانونی حق رکھنے کے باوجود وہ ایک ان دیکھی آگ میں سلگ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ کچن میں کھڑی بریانی کا مصالحہ تیار کر رہی تھی جب زبیدہ بیگم کسی کام سے کچن میں آئی تھیں اور آگے آبرہ کو مصالحوں سے نبرد آزما دیکھ کر انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''کچھ چاہیے تھا بی جان آپ کو۔'' انہیں متوجہ دیکھ کر آبرہ نے نہایت شائستگی سے پوچھا تھا۔

''ہاں ایک کپ چائے چاہیے تھی، لیکن تم آج کچن میں کیا کر رہی ہو؟'' انہوں نے جواب دینے کے ساتھ ہی سوال پوچھا۔

''دوپہر کے کھانے کے لئے بریانی بنا رہی ہوں، پھر بھی اگر آپ کچھ اور بنوانا چاہیں تو بتا دیں، میں وہی بنا لوں گی۔'' دھیمے لہجے میں جواب دیتے ہوئے آبرہ نے ان سے ان کی رائے بھی پوچھی تھی۔

اس طرح سلجھے ہوئے انداز میں کچن کی ذمہ داری سنبھالتے دیکھ کر زبیدہ بیگم کو بہت خوشی ہوئی تھی۔

''ویسے تو بریانی بھی ٹھیک ہے مگر بیٹا نئی نویلی دلہن کو سب سے پہلے میٹھے میں کچھ بنانا چاہیے، اس لئے اگر تم ساتھ میں کھیر وغیرہ بنا لو تو زیادہ اچھا ہو گا باقی تم جو بنانا چاہو وہ تمہاری اپنی مرضی ہے آج تمہارا پہلا دن ہے اس لئے میں تمہاری مدد کے لئے یاسمین کو بھیج دیتی ہوں۔'' انہوں نے محبت آمیز نرمی سے اسے سمجھایا۔

''اصل میں بی بی جان یاسمین بھابھی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لئے میں نے ہی انہیں آرام کرنے کا کہا ہے، آپ فکر نہ کریں میں سب کچھ کر لوں گی میں ایسا کرتی ہوں پہلے کھیر پکنے رکھ دیتی ہوں پھر بعد میں بریانی پکا لوں گی۔'' آبرہ نے کام کو ترتیب دیتے ہوئے کہا اور پھر زبیدہ بیگم کے لئے چائے بنانے لگی۔

چائے بنا کر ان کے کمرے میں دے کر آنے کے بعد اس نے سب سے پہلے چولہے پر کھیر پکنے رکھ دی تھی، ساتھ ہی بریانی کا مصالحہ بھی تیار کر لیا تھا، پھر چاول ابال کر گوشت کی تہہ

لگا کر ایک چولہے پر دم پر رکھ دیئے، اس کے بعد تکہ لگا کر گوشت پکایا ساتھ میں کھیر دیکھنے کے ساتھ ساتھ رائتہ اور سلاد بھی بنا لی تھی، یہ سب کچھ وہ بہت ماہرانہ انداز میں کر رہی تھی، دیکھنے والا کوئی بھی اسے اس طرح کام کرتا دیکھ کر یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ وہ پہلی بار کچن کا کام کر رہی ہے۔

تمام کھانا تیار کرنے کے بعد یاسمین بیگم اور آبرہ دونوں نے مل کر ٹیبل پر کھانا لگایا تھا، اتفاق سے شاہنواز خان اور شاداب خان بھی آج دوپہر کے کھانے پر موجود تھے۔

''کیا بات ہے بی بی جان آج کھانے کی خوشبو اور ذائقہ بالکل الگ ہے، لگتا ہے آپ نے خانساماں رکھنے والا میرا مشورہ مان لیا ہے۔'' شانزل نے کھانا کھاتے ہوئے اندازا لگا کر کہا تھا۔

''میری بہوؤں کے آگے کک کیا اہمیت رکھتے ہیں جو میں کک رکھوں گی۔'' زبیدہ بیگم نے باری باری اپنی دونوں بہوؤں کو محبت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا اور ان کے بہوؤں کہنے پر شانزل نے چونک کر بے اختیار اپنے برابر بیٹھی آبرہ کو دیکھا تھا۔

''دیور جی آج کھانا میری دیورانی نے اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے بنایا ہے اس لئے اس کی خوشبو اور ذائقہ تو مختلف ہو گا ہی۔'' یاسمین بیگم نے بھی ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا تھا اور پھر باری باری سب نے آبرہ کے بنائے گئے کھانے کی تعریف کی تھی پھر سب کے کھانا کھانے کے بعد زبیدہ بیگم نے آبرہ کو اپنے پاس بلایا تھا اور اس کی پیشانی چوم لینے کے بعد اپنی کلائی سے سونے کا جڑاؤ کنگن اتار کر اس کی جانب بڑھایا تھا۔

''یہ لو بیٹا یہ تمہارا انعام ہے۔'' انہوں نے محبت سے کہا۔

''نہیں بی بی جان اس کی کیا ضرورت ہے۔'' آبرہ نے کنگن کی جانب ہاتھ بڑھائے بغیر کہا۔

''ضرورت کیوں نہیں ہے بیٹا یہ میرے پاس تمہاری امانت تھی، جب میں نے پہلی بار اس گھر میں کھانا بنایا تھا تو میری ساس نے یہ کنگن تحفے کے طور پر مجھے دیئے تھے اور کہا تھا کہ یہ کنگن ہمارے خاندانی کنگن ہیں اور اب وہی کنگن اپنی دونوں بہوؤں کو دینا میرا فرض تھا، اس لئے یاسمین نے جب گھر داری سنبھالنا شروع کی تب ایک کنگن میں نے اسے دے دیا تھا اور دوسرا کنگن تمہارے لئے آج دن کے لئے میں نے سنبھال کر رکھ لیا تھا، لہٰذا میری طرف سے یہ تم تحفہ سمجھ کر رکھ لو۔'' زبیدہ بیگم نے وہ کنگن آبرہ کی کلائی میں ڈالتے ہوئے تفصیلاً جواب دیا تھا۔

☆☆☆

''تھینک یو۔'' وہ جیسے ہی کمرے میں آئی شانزل نے ممنونیت سے کہا۔

''وہ کیوں؟'' آبرہ نے الجھ کر پوچھا۔

''بی بی جان کی خواہش کا احترام کرنے کا۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں اتنی خود غرض ہوں گی، جب آپ میرے والدین کا خیال رکھ سکتے ہیں تو پھر آپ کے پیرنٹس کی خواہش کا احترام کرنے میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' آبرہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر کولڈ کریم کا مساج کرتے ہوئے کہا۔

''میں خود پر آپ کا کوئی قرض نہیں رکھنا چاہتی اور جو کچھ بھی آپ میرے پیرنٹس کے لئے کر رہے ہیں وہ سب مجھ پر قرض ہے اور اس قرض کو اتارنے کے لئے ہی میں نے یہ سب کچھ

کر رہی ہوں، کیونکہ جانے سے پہلے میں آپ کے تمام قرض اتار دینا چاہتی ہوں۔" وہ ایک بار پھر گویا ہوئی۔

"کہاں جانے سے پہلے، میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" شانزل نے اٹھ کر اس کے قریب جاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو طے ہے کہ مجھے اس گھر سے بالآخر ایک نہ ایک دن چلے ہی جانا ہے کب اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔" شانزل کی جانب رخ موڑتے ہوئے اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"لیکن کیوں، تمہیں یہاں کوئی......" اس کے جواب پر شانزل کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو، تب ہی اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے احتجاجاً بولا۔

"میں یہاں اپنی مرضی اور خوشی سے نہیں آئی تھی بلکہ آپ نے اپنے جھوٹ اور فریب سے مجھے ٹریپ کیا تھا، ان حالات میں آپ سے شادی کرنا میری مجبوری بن گئی تھی، کیونکہ میں اپنے بابا کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ میں آپ کے جال میں پھنس گئی ہوں تو آپ کی ملکیت بن گئی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے آبرہ نے کہا۔

"میرا یقین کرو آبرہ وہ جو کچھ بھی میں نے کیا تھا صرف اور صرف تمہاری محبت میں مجبور ہو کر کیا تھا اور اس سب کا مجھے آج تک بہت افسوس ہے۔"

"آپ کا افسوس، اب آپ کے افسوس سے کیا ہو سکتا ہے، میری پوری زندگی تو داؤ پر لگ گئی ہے نا۔" آبرہ نے تلخی سے جواب دیا۔

"صرف ایک بار، بیٹھ کر تسلی سے میری بات سن لو، پھر اس کے بعد تم جو بھی فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہو گا۔" شانزل نے اسی طرح اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہا، تب جز بز ہوتی وہ مجبوراً بیٹھ گئی پھر خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"یونیورسٹی میں جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو اسی دن تمہاری محبت کا بیج میرے دل کی سرزمین پر گر گیا تھا، پھر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ میرے دل کی شدتوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا، دل ہر پل تمہاری محفل کا تمنائی ہوتا تو ذہن تمہاری سوچوں سے آباد رہنے لگا مگر تم مجھ سے بہت دور رہتی تھیں مجھ سے ہی کیا بلکہ تم تو یونیورسٹی کے تمام لڑکوں سے ایک فاصلہ رکھ کر ملتی تھیں تمہارا مجھے نظر انداز کیا جانا دل ہی دل میں مجھے چبھتا تھا، میں جتنا تمہارے قریب جانے کی کوشش کرتا تم اتنا ہی فاصلے بڑھا دیتیں تھیں، میں اپنی محبت کا اظہار تم سے کرنے کے لئے بہت بے چین تھا مگر تم مجھے بات کرنے کا کوئی موقع ہی نہ دیتی تھیں، پھر تم خود بتاؤ ان حالات میں میں کیا کرتا، یونیورسٹی کے سالانہ ڈیبیٹ کے موقع پر میں نے تمہاری ڈھیروں تصویریں بنائی تھیں، اس کے علاوہ بھی اکثر میں غیر محسوس طریقے سے تمہیں اپنے موبائل کے کیمرے میں قید کر لیتا تھا اور پھر میموری کارڈ کے ذریعے اپنے لیپ ٹاپ میں انسٹال کر لیتا تھا، سوچتا تھا کہ جب ہماری شادی ہو جائے گی تب یہ تمام تصاویر تمہیں دکھا دکھا کر اپنی پل پل کی فیلنگز تم سے شیئر کروں گا اور تمہیں اپنی محبت کا یقین دلاؤں گا۔" شانزل بولتے بولتے ایک پل کو رکا تھا، پھر گہری بھرپور نظر اس پر ڈال کر دوبارہ شروع ہو گیا۔

"تم سے اظہار کرنے کے سلسلے میں ناکامی حاصل کرنے کے بعد میں نے اس سلسلے میں اسے راستے کا انتخاب کر لیا جو مجھے باعزت

طریقے سے تم تک پہنچا سکتا تھا، بی بی جان اور بابا کو رضامند کر کے تمہارے گھر بھیجنے کے بعد میں مطمئن ہو گیا تھا کہ میری محبت کی شدتیں بالآخر ایک نہ ایک دن تمہیں حاصل کر لیں گی مگر دوسری طرف انکار ہونے کی وجہ سے میں اپ سیٹ ہو گیا اور اپنی خواہش اور خوشی کے لئے میں نے ضد کر کے بی بی جان اور بابا جان کو دوبارہ تمہارے گھر بھیجا مگر اس بار بھی وہی نتیجہ نکلا، دو بار کے انکار نے مجھے نئے سرے سے بے چین و مضطرب کر ڈالا تھا، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں، یونیورسٹی میں تم سے بات کرنے کی کوشش کرتا تھا تو تم بات سننے سے ہی انکار کر دیتیں تھیں، میں ہر بار کے اس انکار کی وجہ جاننا چاہتا تھا مگر تم خود تک آنے والی میری ہر راہ مسترد کر دیتیں تھیں پھر ان سب حالات سے تنگ آ کر ایک دن میں نے تمہاری دوست شہلا سے بات کرنے کی ٹھان لی، کیونکہ میں تمہاری انگیج منٹ یا پھر انٹرسٹ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا اور تب شہلا نے تمہارے دل اور ذہن کی تمام سوچیں مجھ پر آشکار کر دیں۔" وہ بولتے بولتے رکا تھا۔

"ک...... کیسی سوچیں۔" آبرہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ تم مردوں سے شدید نفرت کرتی ہو اور نفرت کی اس وجہ کے پیچھے تمہاری پھپھو اور آپا کے شوہر تھے اور ان شوہروں کی خود غرضیاں اور مظالم تھے اور تب مجھے احساس ہوا کہ صرف ان مردوں کی وجہ سے تم دنیا کے باقی تمام مردوں کو بے حسی، خود غرض اور ظالم ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں دے سکتی، تمہاری آنکھوں پر نفرت کی یہ پٹی اتنی مضبوطی سے بندھی ہوئی تھی کہ تمہیں مجھ جیسے مرد کی اچھائی نظر ہی نہیں آ سکتی تھی، اسی لئے میں نے اور شہلا نے مل کر تمہیں حاصل کرنے کے لئے ایک پلان بنایا تھا اور پھر ہماری سوچ کے مطابق تم ہمارے اس پلان کا شکار ہو گئیں، ہم دونوں نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد میں اور شہلا تمہیں تمام حقیقت بتا دیں گے مگر اتفاق سے ہماری شادی کے اگلے ہی دن شہلا کو اپنے بابا کے ساتھ دوہا جانا پڑ گیا اور رہ گیا میں تو میری کوئی بات تم سننے کے لئے تیار ہی نہ تھیں، ان سب حالات میں تمہاری ناراضگی تمہاری خفگی بجا سہی، مگر آبرہ میرا خدا جانتا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے انتہائی مجبوری میں کیا تھا، آخر میں بس اتنا ضروری کہوں گا کہ تمہیں حاصل کرنے کے لئے میرا طریقہ کار غلط ضرور تھا مگر اس سب میں میرے غلط ارادے اور خراب نیت کا کوئی عمل دخل نہ تھا، محبت کرنا اور محبوب کو حاصل کرنا یہ جرم میں نے کیا ہے، اب تم اس کی جو بھی مجھے سزا دینا چاہو مجھے منظور ہے۔" شانزل نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اسی کا چہرہ لیتے ہوئے آخری جملے کہے تھے اور پھر اٹھ کر صوفے کی جانب بڑھ گیا اور وہ جو بہت خاموشی سے یہ سب کچھ سن رہی تھی یوں جیسے کسی نے ہپناٹائز کر دیا ہو شانزل کے اٹھ کے جانے پر ایکدم ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی اور پھر چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

"کیا شانزل کا ایکسیڈنٹ۔" وہ بی بی جان کے کمرے میں بیٹھی ان سے آج کے مینو کی بابت پوچھنے آئی تھی جب اچانک آنے والے فون نے زبیدہ بیگم کے ساتھ ساتھ آبرہ کی بھی جان نکال لی تھی، زبیدہ بیگم بے اختیار زور زور سے رونے لگیں تھیں جبکہ آبرہ کی حالت بھی ان سے کچھ مختلف نہ تھی۔

"کس کا فون تھا بی بی جان کچھ تو بتائیں۔"

آبرہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے بہ مشکل تمام پوچھا، سینے کی چار دیواری میں مقید دل بری طرح پھڑ پھڑایا تھا۔

''شانزل کے دوست کا فون تھا، ہائے میرا بچہ نجانے کس حال میں ہوگا کوئی پتہ کرے اس کا۔'' انہوں نے دہائی دیتے ہوئے کہا اسی اثناء میں یاسمین بیگم بھی وہاں چلی آئیں یہ خبر سن کر ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی زمین سرک گئی تھی۔

''یاسمین تم اپنے بابا جان یا شاداب کو فون کرو، وہ پتہ کریں گے کہ میرا بیٹا کس حال میں ہے، وہ خیریت سے تو ہے نا۔'' زبیدہ بیگم نے روتے ہوئے اسے کہا تھا۔

''تم پریشان مت ہو بیٹا، دیکھنا وہ بالکل خیریت سے ہوگا، یاسمین گئی ہے نا تمہارے بابا جان کو فون کرنے۔'' روانی سے اس کے آنسو بہتے دیکھ کر زبیدہ بیگم نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے دلاسا دیا تھا۔

آبرہ کو پتہ ہی نہ چلا تھا کب خاموشی سے آنسو اس کی پلکوں کی باڑھ توڑ کر اس کی قمیض کے دامن میں جذب ہو گئے تھے، اسے خود پر اختیار نہ رہا تھا۔

آبرہ کی گھبراہٹ اور بے چینی میں گزرتے ہر پل کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا دل انجانے خدشوں اور وسوسوں کی آماجگاہ بن چکا تھا، دل میں موجود نفرت کی جگہ فکرمندی اور گھبراہٹ نے لے لی تھی، اس کے جسم کا رواں رواں اپنے رب سے اس کی خیریت کی دعا کر رہا تھا، دل میں چھائی بدگمانی کی گرد تو جانے کب کی چھٹ چکی تھی اور اس کی جگہ دل میں سوفٹ کارنر پیدا ہو گیا تھا۔

تین گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا مگر ابھی تک اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہ آئی تھی بے جان ہوتا وجود لئے وہ صوفے پر بیٹھی مسلسل شانزل کے لئے دعا کیے جا رہی تھی۔

''اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' اس نے زور سے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا، آنسو تواتر سے گالوں پہ بہہ رہے تھے، نجانے اور کتنا وقت اسی طرح بیت جاتا کہ اچانک دروازہ کھلا تھا اور آنے والے کو دیکھ کر آبرہ خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی، بے اختیار بھاگ کر اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔

''شانزل آپ...... آپ ٹھیک تو ہیں نا۔'' وہ شانزل کے فراخ سینے میں منہ چھپائے بری طرح روتے ہوئے پوچھ رہی تھی، دوسری طرف اچانک آنے والی اس افتاد پر جہاں شانزل پریشان کھڑا تھا وہاں دل خود بخود ایک انجانی لے پر جھوم اٹھا تھا، جس کے قرب کو چھونے اور محسوس کرنے کے لئے وہ پل پل ترسا تھا بے چین ہوا تھا اب وہ قریب خود اس کے سینے سے لگا اسے راحت فراہم کر رہا تھا۔

''بولیں شانزل آپ کو زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔'' اس کے سینے سے سر اٹھائے اب وہ اس کے چہرے اور بازوؤں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فکرمندی سے پوچھ رہی تھی، خالص بیویوں والا انداز تھا یہ، جس نے شانزل کی روح تک کو سرشار کر دیا تھا۔

''ہاں میری جان میں بالکل ٹھیک ہوں جس شخص کو تم جیسی محبت اور دعائیں کرنے والی بیوی ہو اسے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔'' شانزل نے دونوں بازوؤں کے گھیرے میں اس کومل سے وجود کو جکڑتے ہوئے محبت بھری شوخی سے کہا تھا اور یہی وقت تھا جب آبرہ کو اچانک سے اپنی پوزیشن اور بے وقوفی کا احساس ہوا تھا، تب ہی کسمسا کر اس کی گرفت سے نکلا چاہا تھا۔

''اونہہ ہوں اب اور نہیں بہت دور رہ لی ہو تم مجھ سے، اس سے زیادہ تمہاری دوری برداشت کرنے کا مجھ میں مزید حوصلہ نہیں ہے۔'' شانزل نے گرفت کا دائرہ مزید سخت کرتے ہوئے بھرپور شوخی سے کہا اور پھر اسے اسی طرح اپنے ساتھ لگائے بیڈ کے قریب چلا آیا۔

''مجھے ابھی تم سے بہت سے حساب کتاب کرنے ہیں مگر پہلے مجھے تمہاری کنفیوژن دور کرنی ہے اس لئے یہاں بیٹھو۔'' اس نے آبرہ کو کندھوں سے تھام کر بٹھاتے ہوئے کہا اور پھر خود بھی اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

''دراصل آج جب میں گھر سے نکلا تو یاسر بھی میرے ساتھ تھا، اسے میری گاڑی کی ضرورت تھی لہٰذا وہ مجھے مارکیٹ میں اتار کر خود میری گاڑی لے کر چلا گیا اور پھر نجانے کیسے اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، پولیس جائے وقوع پر پہنچ گئی اسی دوران ہمارے مشترکہ دوست شہزاد نے میرے نمبر پر کال کی جو کہ فون گاڑی میں بھول جانے کی وجہ سے پولیس نے اس کی کال پک کر لی اور یوں میرے ایکسیڈنٹ کی خبر شہزاد کے ذریعے تم لوگوں تک پہنچ گئی دوسری طرف پولیس نے یاسر کو ہاسپٹل پہنچانے اور باقی کی کارروائی کے دوران میرا فون بند کر دیا اور جب بابا جان نے میرے نمبر پر کال کرنے کی کوشش کی تو میرا نمبر بند دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئے اور پھر کسی طرح ہم لوگوں کا رابطہ ہوا یہ ایک لمبی داستان ہے اس لئے اس داستان کو اس وقت یہیں پر ختم کر دو۔'' شانزل نے تمام کہانی سناتے ہوئے کہا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے سویٹ ہارٹ کہ میری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف سہنی پڑی مگر ساتھ ساتھ یہ خوشی بھی ہے کہ اگر یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو تمہاری بھرپور محبت کا یہ مظاہرہ نہ دیکھ پاتا۔'' شانزل نے ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ اٹھاتے ہوئے شرارت بھری شوخی سے کہا تھا۔

''وہ...... میں...... بی بی جان مجھے بلا رہی ہیں۔'' شانزل کی پرتپش شوخ نظروں سے بچنے کی خاطر آبرہ نے جانے کے لئے بہانہ بنایا تھا۔

''اوہ ہوں آج نہیں، آج تو بہت سے پچھلے حساب کتاب بے باک کرنے ہیں۔'' شانزل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا پھر بولا۔

''میں جانتا تھا آبرہ کہ میری محبتوں کی شدتیں بالآخر ایک نہ ایک دن تم سے اپنا آپ منوا لیں گی اور آج میرا یہ یقین جیت گیا ہے، محبت میں تمہاری بے اختیاری میرے روم روم میں سرشاری بھر گئی ہے۔''

''جی نہیں وہ تو بس پریشانی میں......''

''میری جان محبت اپنے ہونے کا احساس خود کرواتی ہے، تمہارے چہرے کی سرخی ان گھنی پلکوں کی لرزاہٹ اور ان خوبصورت لبوں کی کپکپاہٹ تمہارے دل کے سارے راز مجھ پر عیاں کر رہی ہے پھر سویٹ ہارٹ مجھ سے کیسی پردہ داری۔'' ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر کیے اور دوسرے سے آبرہ کے ہونٹوں اور آنکھوں کو چھوتا ہوا وہ اپنے بھاری گمبھیر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''پلیز مجھے جانے دیں۔'' آبرہ نے اس کی شدتوں پر پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''اونہہ ہوں میری جان تمہارے تمام راستے مجھ سے شروع ہو کر مجھ تک ہی جاتے ہیں اس لئے یہ دوری چہ معنی۔'' شانزل نے ایک جھٹکے سے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا اور پھر پیار کے انوکھے کھیل کی شروعات ہو گئی۔

☆☆☆

کاسئہ دل

سندس جبیں

دسویں قسط

ناولٹ

پارک کی فضا میں صبح کی خوشگوار ہلچل نظر آ رہی تھی، وہ دونوں نفوس واکنگ ٹریک پہ تھے۔

''آپ کو جاگنگ کی عادت نہیں ہے؟''

''نہیں۔''

''واک؟''

''نہیں۔''

''جم جاتے ہیں؟''

''اب نہیں جاتا۔''

''پہلے جاتے تھے؟''

''ہاں۔''

''اب کیوں نہیں جاتے؟''

''دل نہیں چاہتا۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔''

''پارٹیز، گیٹ ٹو گیدرز اور پکنک وغیرہ پہ جاتے ہیں؟''

''نہیں۔''

''آپ اینٹی سوشل ہیں؟''

''شاید۔''

''دل نہیں چاہتا آپ کا؟''

''نہیں۔'' اس بار ان کے درمیان لمبی خاموشی رہی۔

''آپ اپنے مجرموں پر کس قسم کا تشدد کرتے ہیں؟'' اس بار سوال بہت چونکانے والا تھا، وہ ایک جھٹکا کھا کے سیدھا ہوا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے اضطراب سے پوچھا۔

''تشدد کی بھی قسمیں ہوتی ہیں نا؟ جسمانی ٹارچر، نفسیاتی ٹارچر، آپ کون سا پسند کرتے ہیں۔'' اس کے اطمینان سے پوچھے گئے سوال پہ ایس پی کا رنگ اڑ گیا۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ کپکپاتے

لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
ڈاکٹر شاہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا، اسے اپنے مطلب کا پوائنٹ مل چکا تھا۔
''آپ میرا مطلب اچھی طرح سمجھ رہے ہیں ایس پی صاحب! پولیس اور تشدد کا آپس میں بڑا مضبوط تعلق ہے بس یوں سمجھ لیجئے اٹوٹ انگ ہیں اور میری نظر سے وہ رپورٹ گزری Domestic violence۔'' ان کی بات ادھوری رہ گئی۔
وہ جھٹکے سے مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے دور جا رہا تھا، ڈاکٹر شاہ خاموشی سے اسے دور جاتا دیکھتا اسے حیرانی نہیں تھی، اسے اس ردعمل کی توقع تھی۔

☆☆☆

عباس نے ایک نظر سوئی ہوئی سبین کو دیکھا پھر احتیاط سے اٹھا اور کمرے سے باہر آ گیا، اس نے شاہ بخت کے کمرے میں جھانکا وہ خالی تھا، اس کی پریشانی میں کچھ مزید اضافہ ہوا تھا، اس نے موبائل اٹھایا اور اس کے نمبر پہ کال کی وہ ہنوز بند رہا تھا، اس نے دوسرا فون وقار کو کیا تھا۔
''رات کے ایک بجے تم جاگ رہے ہو؟ کیا بات ہے عباس؟'' وقار نے پہلی بیل پہ فون اٹھا لیا تھا، تحیر سے کہا۔
''بخت ابھی تک گھر نہیں آیا اور اس کا موبائل نمبر بھی آف ہے۔'' عباس تیزی سے بولا۔
''میں اسٹڈی میں ہوں ادھر آؤ۔'' وقار نے کہا۔
عباس نے فوراً فون بند کیا اور تیزی سے سیڑھیاں اتر آیا، اسٹڈی کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو وقار آرام کرسی پہ نیم دراز تھے اور گود میں کوئی کتاب بند پڑی تھی جسے غالباً وہ کچھ دیر پہلے پڑھ رہے تھے، عباس کو دیکھ کر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
''میں حیران ہوں کہ آپ اب تک لاعلم ہیں، اس کا فون دوپہر سے بند ہے، روم بھی لاکڈ ہے اور گاڑی بھی پورچ میں نہیں ہے۔'' عباس رکے بغیر بولا تھا، وقار سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتے رہے۔
''میں جانتا ہوں وہ کہاں ہے؟ بچپن سے ہی عادت ہے اس کی، غلطی کر کے چھپ جاتا ہے، تسلیم نہیں کرے گا۔'' ان کا لہجہ طنزیہ تھا، عباس خاموش رہا۔
''آؤ چلو میرے ساتھ۔'' وقار نے کتاب سائیڈ ٹیبل پہ رکھی اور باہر نکل گئے، وہ بھی عقب میں تھا، وقار نے اپنی گاڑی نکالی تھی۔
دونوں نے گاڑی روڈ پہ ڈالی تو روشنیاں گل ہوتی نظر آ رہی تھیں، وقار نے تیز رفتاری سے گاڑی آگے بڑھائی، چونکہ رات کا وقت تھا اور ٹریفک بھی کم تھا جبھی وہ قلیل وقت میں اپنے مقررہ حدف تک پہنچ گئے۔
یہ نسبتاً غیر معروف پارک تھا جہاں اس وقت لوگوں کو آمد و رفت مزید کم ہو چکی تھی، وقار بڑے مانوس انداز میں ایک مخصوص گوشے کی طرف بڑھتے گئے، یہ درختوں کے گھنے جھنڈ میں رکھا بینچ تھا جس پہ کوئی ذی نفس بیٹھا نظر آ رہا تھا۔
''بخت! یہ تم ہو...... حد ہو گئی بے وقوفی کی، اٹھو چلو گھر۔'' عباس کی اسے دیکھ کر جیسے جان میں جان آئی تھی، اس نے لپک کر بخت کا بازو پکڑ لیا تھا۔
''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' بھرپور اجنبیت سے کہتے ہوئے وہ اپنا بازو چھڑوایا۔
''فضول باتیں مت کرو، بچگانہ پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔'' عباس بھڑک اٹھا۔

''تمہیں میری بات سمجھ نہیں آئی۔'' شاہ بخت اس بار بلند آواز میں بولا تھا۔
''اور تمہیں میری بات...... اٹھو یار بس کرو، بند کرو پاگل پن۔'' عباس اس بار نسبتاً ٹھنڈے انداز سے بولا۔
''مجھے میرا پاگل پن کرنے دو اور تم میرے گارجین بننے کی کوشش مت کرو۔'' وہ سرد مہری سے بولا۔
عباس کو دھچکا لگا، وہ خاموشی سے کھڑا رہا، پھر وقار آگے آ گئے، اس کے ساتھ بیٹھے، بازو اس کے شانے کے گرد پھیلایا اور پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ چلایا تھا۔
''ارے میرے شیر...... میرے سکندر...... میرے بلند بخت...... اتنی ناراضگی؟ اتنا غصہ؟ اس بے چارے کا کیا قصور ہے؟ وہ تو تمہاری محبت میں مرا جا رہا ہے، سو نہیں پایا پریشانی کی شدت سے اور تم اسے ڈانٹ رہے ہو، غلط بات بیٹے! غصہ ہے ضرور نکالو مگر بے قصور پہ نہیں، مجھ سے ناراض ہو تو مجھ پہ نکالو نا اپنی ناراضگی۔'' وہ اتنے میٹھے لہجے میں طنز کر رہے تھے کہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ وہ پیار کی مار مار رہے تھے، شاہ بخت سے کچھ بولا نہیں گیا۔
''چلو اٹھو جوان باقی جھگڑا گھر چل کر کرتے ہیں۔'' انہوں نے اسے کھینچ کر کھڑا کیا اور اسی طرح اس کو ساتھ لگائے گاڑی کی طرف بڑھ گئے، عباس بھی ساتھ تھا۔
''عباس تم بخت کی گاڑی میں آؤ۔'' وقار نے کہا، عباس سر ہلاتا ہوا شاہ بخت کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا، وقار نے اسے آگے بٹھایا اور خود گھوم کے ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گئے، گاڑی سٹارٹ کر کے روڈ پہ ڈالی تو شاہ بخت اب بھی کسی اسٹیچو کی طرح ساکت تھا۔

''مجھے ہٹ دھرمی پسند نہیں ہے شاہ بخت! غلطی کر کے تسلیم کرنا سیکھو، تسلیم کرو گے تو اصلاح کر سکو گے۔'' انہوں نے بے لچک لہجے میں کہا۔

''آئم سوری بھائی۔'' وہ سر جھکائے بولا تھا۔

''تمہارا لہجہ سپاٹ ہے، یعنی تم ابھی بھی خود کو حق پہ سمجھ رہے ہو، جب دل سے تمہیں غلطی کا احساس ہو تب سوری کرنا۔'' وہ بڑے اطمینان سے اس کا تجزیہ کر کے اسے جتا گئے، شاہ بخت لب بھینچ کر رہ گیا، یہ کتنا بڑا نقصان تھا کہ وہ اسے اتنا جانتے تھے، ورنہ شاید بات ختم ہو جاتی۔

''آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' اس بار وہ پست لہجے میں بولا۔

''تم وعدہ نہیں کر رہے اس کا مطلب ہے تمہیں خود پہ بھروسہ نہیں کہ تم ان چیزوں سے دور رہ پاؤ گے یا نہیں؟'' اس بار وہ کڑے انداز میں باور کروا رہے تھے، شاہ بخت نے مزید کچھ نہیں کہا۔

''بہتر ہوگا کہ تم مجھے یہ بتا دو کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟ تمہاری عقل کو جنوں نے کھا لیا ہے یا ویسے ہی بے غیرت ہو گئے ہو؟ دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم نے یہ سب کسی کے ایکسپلائٹ کرنے پہ کیا ہو مگر کوئی کیسے تمہیں بلیک میل کر سکتا ہے جب تک اس کے ہاتھ میں تمہاری کوئی کمزوری نہ ہو، سچ بتاؤ کہیں اس رستے پہ آگے تو نہیں بڑھ گئے، کتنا آگے جا چکے ہو بولو، کہیں بات ڈرنک تک تو نہیں آن پہنچی؟'' وہ خدشات واوہام میں مبتلا تھے۔

''بھائی پلیز۔'' وہ تڑپ اٹھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''تو پھر مجھے یہ بتاؤ وہ شاندار شوٹ کس کے کہنے پہ کیا تم نے، ایسی کیا مجبوری تھی تمہیں احساس ہے شاہ بخت کہ ہمارا معاشرہ بھلے ہی روز بروز ماڈرنزم کی طرف بڑھتا جا رہا ہے مگر ہمارا گھر بہت حد تک اس چیز سے دور ہے، اس بے ہودگی کی اجازت آرٹ کے نام پہ تمہیں کوئی نہیں دے سکتا، سمجھے تم۔'' وہ تحکمانہ اور رعب دار آواز میں بولے تھے۔

''جی میں جانتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں ہوگی پلیز، پلیز مجھے معاف کر دیں، مجھ سے آپ کی ناراضگی برداشت نہیں ہو رہی، خدا کے لئے اپنا لہجہ بدلیں، میں عادی نہیں اس کا، مجھے لگ رہا ہے میرا دماغ پھٹ جائے گا، کتنا طنز کرتے ہیں آپ۔'' وہ ٹوٹے ہوئے اعصاب لئے بہت بکھر سا گیا تھا۔

''مجھے بھی ایسے ہی تکلیف ہوئی تھی۔'' انہوں نے پھر جتایا۔

''اچھا نا پلیز۔'' وہ روہانسا ہو کر ان کے کندھے سے لگ گیا، وقار کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی انہوں نے ایک ہاتھ سے گاڑی سنبھالتے ہوئے دوسرا ہاتھ اس کے شانے پہ پھیلا لیا اور پھر اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے چوما، وہ ان کے التفات پہ کھل اٹھا۔

''آئی لو یو بھائی، آپ دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہیں۔'' اس کی مسکراہٹ میں زندگی کی جھلک تھی، وہ بچوں کی طرح ان سے لپٹ گیا۔

''تو...... تو میرا شہزادہ ہے، میرا شاہ بخت۔'' وہ مسکرائے تھے، مگر دل میں بہت فکر مندی سے سوچ رہے تھے۔

''میرا بچہ مس گائیڈ ہو گیا ہے۔''

''کون ہے اس کے پیچھے؟''

☆☆☆

''آپ رات کہاں تھے عباس؟'' سبین نے عباس سے پوچھا، آج صبح جبکہ وہ آفس جانے

کے لئے تیار ہو رہا تھا، ٹائی باندھتے عباس کے ہاتھ تھم گئے۔

''ایک ضروری کام تھا۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔

''رات کے ایک بجے؟'' وہ بولی وہ قدرے چونکا۔

''مردوں کے سو مسائل ہوتے ہیں۔'' وہ بیڈ پہ بیٹھ کر شوز پہننے لگا، سبین اسے دیکھتی رہی، اس میں ایاز کی گہری مشابہت تھی، اسے بے حد تکلیف ہوئی، وہ بات کو ٹال رہا تھا۔

''آپ بتانا نہیں چاہتے؟'' وہ آزردگی سے بولی۔

عباس نے ایک دم سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پہ حیرت تھی، اس نے سبین کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب بٹھا لیا۔

''جان! آپ اتنا افسردہ کیوں ہو رہی ہیں، کوئی خاص بات نہیں ہے بخت کی گاڑی خراب ہو گئی تھی تو اسے پک کرنے گیا تھا بھائی بھی ساتھ تھے آپ کو تو پتا ہے شاہ بخت کے کام بس اسی طرح کے ہوتے ہیں الٹی قسم کے...... آدھے گھنٹے میں ہم واپس بھی آ گئے تھے۔'' وہ بڑی روانی سے بات بدل کر بولا تھا، اسے تسلی دینے کی خاطر داریاں بازو اس کے گرد حمائل کیا تھا، سبین کی آنکھیں ڈبڈبا سی گئیں۔

''اور میں نے پتا نہیں کیا کچھ سوچ لیا تھا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''کیا؟'' عباس نے پوری توجہ سے اس کی دائیں آنکھ سے بہتا موتی اپنی انگلی پہ چن لیا۔

''پتا نہیں کہاں سے اتنے سارے خدشات، وہم اور خوف جمع ہو گئے تھے میرے اندر، مجھے لگا آپ...... آپ کسی اور کے پاس......'' وہ آنسوؤں کے بوجھ کے سبب بات مکمل نہیں کر پائی، عباس نے بے یقینی سے اسے دیکھا اس کے ہاتھ کٹی ہوئی ٹہنیوں کی مانند نیچے گر گئے۔

''آپ کو مجھ پہ شک تھا؟'' وہ بڑبڑایا تھا۔

''میں...... وہ......؟'' سبین بے ربط سی ہو گئی۔

''آپ نے مجھ میں ایسی کوئی اخلاقی برائی دیکھی جو آپ کو ایسا لگا؟'' وہ بے حد ڈس ہارٹ لگ رہا تھا۔

''بظاہر تو کوئی خرابی ایاز میں بھی نہیں تھی۔'' وہ نظر چرا گئی۔

''میں ایاز نہیں ہوں، مجھے اس کے ساتھ کمپیئر مت کیا کریں۔'' وہ تلخی سے کہتا کھڑا ہو گیا۔

''آپ دونوں کی آپس میں گہری مشابہت ہے۔'' وہ بے ساختہ بولی پھر پچھتائی۔

''افسوس میں اپنی شکل بدلوانے پہ قادر نہیں ہوں، ویسے آپ کو تو میری شکل دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی ہوگی، ایاز یاد آ جاتا ہوگا۔'' وہ سخت اذیت پسندی سے بولا تھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا عباس، میں تو صرف......'' وہ سبین کا رنگ زرد پڑ گیا تھا، اس نے کوئی صفائی دینا چاہی مگر عباس نے فوراً اس کی بات قطع کر دی۔

''مجھے وضاحتوں سے نفرت ہے۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گیا، سبین خاموشی سے بیٹھی بند دروازے کو دیکھتی رہی۔

''آپ کو بھلے ہی وضاحتوں سے نفرت سہی عباس مگر مجھے یہ جاننے کی جستجو ہے کہ آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟'' وہ خود کلامی کے سے انداز سے بولی تھی، آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

☆☆☆

"مجھے یہاں لانے کا مقصد کیا ہے اسید۔"

دو دن بعد وہ اس کے سامنے کھڑی سراپا سوال تھی، ان دونوں کے حالات کچھ اس طرح تھے کہ وہ صبح کا گیا شام کو آتا تھا، کھانا ریڈی میڈ لے آتا اور تھکا سا آتے ہی بیڈ پہ دراز ہو کر سو جاتا، حبا نے یہ دو دن ایڈونچر سمجھ کر خوب انجوائے کیا تھا، کمرے کی اچھی طرح ڈسٹنگ کی، کچن کارنر صاف کیا، باتھ روم کی واشنگ کی، صرف شوق شوق میں، رات کو وہ مزے سے ٹھنڈے فرش پہ دراز ہو جاتی، اسید سے اس کی کوئی بات نہیں ہوتی تھی، مگر آج تیسرے دن وہ اکتا کر پوچھنے لگی۔

اسید نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھنا چاہا، مگر حبا نے اس کا بازو تھام کر روک دیا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں اسید۔" وہ جتا کے بولی۔

اور بس غضب ہو گیا، اسید نے لمحہ بھر میں ہی حواس کھوئے تھے، شاید وہ ضبط کی انتہا پہ تھا اور یہ ضبط ذرا سی ٹھیس لگنے سے بکھر گیا تھا، اس نے نفرت سے حبا کا ہاتھ جھٹکا اور پھر بائیں ہاتھ کا تھپڑ اس کے گال پہ مارا، وہ کربناک انداز میں چیخی اور لڑکھڑا کر دیوار کے ٹکرائی۔

"سمجھائی تھی نا تمہیں ایک بات، بولو۔" وہ اس کی گردن دائیں ہاتھ کے شکنجے میں کس کر بولا اور دباؤ مزید بڑھا دیا، حبا کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔

"کہا تھا نا تمہیں کہ دوبارہ مجھ سے سوال مت کرنا، بولو سمجھایا تھا نا کہ اس لہجے میں مجھ سے بات مت کرنا، تمہارے دماغ میں بات نہیں ٹکتی کیا؟" وہ دھاڑا تھا، حبا کا رنگ فق ہو گیا، حیرت جیسے ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔

"تم کیا جاننا چاہتی ہو؟ کیا یہ کہ میں تمہیں یہاں کیوں لے کر آیا ہوں یا یہ کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہوں، فکر مت کرو بہت جلد سب کچھ سامنے آ جائے گا، تب تمہارے لبوں پہ سوال نہیں ہوں گے۔" وہ زہریلے لہجے میں کہتا پیچھے ہٹ گیا۔

وہ پھر لباس تبدیل کر کے باہر نکل گیا، رات کے ساتھ بج رہے تھے جب وہ لوٹا تھا، حبا بیڈ پہ دراز تھی۔

وہ آج صبح سے بھوکی تھی مگر اس نے اس وقت اسید کے لائے ہوئے شاپرز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے اسید، میں ہار مان لوں گی، تم سے معافی مانگ لوں گی، ایسا کچھ نہیں ہوگا میں نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا اور مجھے اس پہ کوئی شرمندگی نہیں، نہ کبھی ہو گی، میں کبھی یہ تسلیم نہیں کروں گی کہ میں غلط تھی۔" وہ مطمئن تھی۔

وہ شرٹ اتار رہا تھا جب اس نے حبا کی ٹھنڈی آواز میں اس کے یہ الفاظ سنے، وہ اس کی طرف پلٹ آیا۔

"I wish کہ ایک ماہ بعد تم اپنے ان الفاظ پہ قائم رہ پاؤ۔" وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا، حبا نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

"کھانا بناؤ، میں راشن لے آیا ہوں۔" وہ حکمیہ انداز میں بولا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تم سارا دن گھوم پھر کر آؤ گے اور میں تمہاری چاکری کروں گی؟ ناممکن...... میں تمہارے باپ کی ملازمہ نہیں ہوں اور نہ ہی تمہاری باندی، سمجھے تم، مجھ پہ حکم چلانے سے پہلے سوچ لینا، ہونہہ، کھانا بناؤ، مائی فٹ۔" وہ ہتیلے اور تیز لہجے میں بولی تھی، ساتھ ہی پیر پٹخا تھا، گویا غصہ نکالا تھا، اسید پہ جیسے بجلی گری تھی، وہ ایک جھٹکے سے اس کی طرف پلٹ آیا، ہاتھ میں پکڑی شرٹ ایک طرف پھینک دی۔

"میرا خیال تھا تم چند دن ریسٹ کر لو، مگر ہمیشہ کی طرح تمہیں حساب کتاب کی بہت جلدی ہے، اپنے بزنس مین باپ کی طرح جو صرف یہی سوچتا ہے کہ اسے کتنا نفع ہو گا مگر اس بات کا یقین رکھو حبا تیمور، کہ اس بار سارے خسارے صرف اور صرف تمہارے حصے میں آئیں گے۔" وہ بیڈ کے کنارے پہ کھڑا تھا، انداز اتنے خونی تھے کہ حبا کو جھرجھری آ گئی، بدقت خود کو سنبھال پائی۔

"مثلاً کیا کرو گے تم؟" وہ استہزائیہ بولی۔

"بہت جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔"

"تم کسی کو تکلیف نہیں دے سکتے اسید، تم ایک بے حد نرم دل اور اچھے انسان ہو، مجھے یقین ہے۔" وہ مطمئن تھی، اسید کے اندر سناٹے اترنے لگے، کیسی مار ماری تھی اس نے؟

"مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہو جتنی کہ میں۔" وہ اس بار ہنسی تھی اور یہ ہنسی اسید کے اندر جلتی آگ میں پٹرول کی طرح لگی، وہ اور شدت سے جلنے لگا۔

"بکواس بند کرو، نہیں کی میں نے تم سے محبت، نفرت کرتا ہوں میں تم سے شدید نفرت۔" وہ بلند آواز میں دھاڑا تھا، حبا ذرا بھی نہیں ڈری۔

"اچھا تو پھر کوئی عملی انتقام لو ناں مجھ سے، یہ کیا صرف خالی دھمکیاں دیے جا رہے ہو۔" بات ابھی حبا کے منہ میں ہی تھی کہ وہ کسی وحشی اور جنگلی شیر کی طرح اس پہ آ پڑا، حبا کی چیخ بڑی بے اختیار تھی۔

"تمہیں کیا لگا، تم نے مجھے فتح کر لیا، میں تمہیں بتاؤں گا مرد فتح کا جشن کیسے مناتا ہے، یاد ہے تمہیں ٹام جیری بہت پسند تھے اور تم ہمیشہ ٹام کی سائیڈ لیتی تھیں کیونکہ تمہیں بلیاں بہت پسند تھیں اور مجھے بلیوں سے نفرت ہے، آج تک تم نے بس چوہے اور بلی کی لڑائی دیکھی تھی آج کتنے اور بلی کی بھی دیکھ لینا اور ایک آخری بات مرد اپنی فتح کا جشن مفتوح عورت کو روند کر مناتا ہے، یاد رکھنا حبا تیمور، میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم اپنی پہچان بھول جاؤ گی۔" وہ کسی اژدھے کی طرح پھنکار رہا تھا۔

حبا کی دھڑکن مدھم ہونے لگی، وہاں دو انسان نہیں تھے دو درندے رہ گئے تھے، ایک جنون کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا اور دوسرا بے بسی کی انتہا پہ تھا، کمرے میں اب صرف ایک بے بسی کی چیخیں تھیں، دل روز کربناک اور درد میں ڈوبی چیخیں جو کہ بتدریج کراہوں میں بدلتی گئیں اور کسی کی درندگی کی تیز دھار تھی جو ہر چیز کاٹ ڈالنے پر اتری ہوئی تھی، کسی کی بے رحمی تھی جو ہر چیز ملیا میٹ کر رہی تھی، انسانیت، ہمدردی، دردمندی، خلوص اور سب سے بڑھ کر محبت وہاں سے روتے ہوئے نکل گئے تھے، اب وہاں صرف کرب تھا، آنسو تھے، اذیت تھی اور مار ڈالنے کی خواہش کتے نے اپنی وحشت و بربریت سے بلی کی نرم و نازک کھال کو ادھیڑ ڈالا تھا، کہا جاتا ہے ہر رات کی سحر ہے مگر اس رات کی سحر جانے کہاں رہ گئی تھی شاید ایک معصوم کی تقدیر کی مانند سو گئی تھی یا کھو گئی تھی۔

میری روح میں میری سانس میں
وہ جو زہر بن کے اتر گیا......!
یہ وہ کرب ہے، یہ وہ گھاؤ ہے
میرے یار نے جو مجھے دیا......!
یہ تو آگ ہے یہ شرار ہے
یہ کیسا وصل یار ہے؟؟؟؟

اور پھر صبح ہو گئی، ایک دہشت ناک اور درندگی بھری شب کی سحر جس نے آگہی کی اذیت سے اسے اس طرح روشناس کروایا تھا کہ وہ گونگی

ہو گئی تھی، ساری زندگی بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

لڑکھڑاتے ہوئے وہ آئینے کے آگے آن کھڑی ہوئی، آئینہ اسے کیا دکھا رہا تھا، ایک سانولی رنگت، عام سے نقوش والی لڑکی، جس کے ہونٹ نیلے پڑے ہوئے تھے، جس کے چہرے، گردن اور سارے وجود پہ گہرے زخموں کے نشان تھے، ایک لمبی کھرونچ اس کے دائیں گال سے شروع ہو کر اس کی گردن سے ہوتی ہوئی نیچے تک چلی گئی تھی، کچھ نشان کاٹنے کے تھے، اس نے لرزتے ہاتھ سے اپنا چہرہ چھوا تھا۔

''میں...... کون ہوں؟'' وہ حیرت سے آئینے کو دیکھ رہی تھی۔

''میں...... میں؟'' اسے جھٹکا لگا، درد کی ایک شدید لہر پنڈلی سے اٹھی اور سارے وجود میں پھیل گئی، وہ اپنا بوجھ سہار نہیں پائی اور لڑکھڑا کر نیچے گر گی، اس کے دونوں ہاتھ اپنے سر پہ تھے، اسے اپنا نام یاد نہیں آ سکا تھا، اسے اس کی پہچان بھلا دی گئی تھی۔

☆☆☆

ستارہ پاکستان آ گئی تھی، اس کا والہانہ استقبال کیا گیا تھا، وہ اماں سے لپٹ کر جو روئی تو ہر ایک کو رلا دیا۔

''مجھے اب کسی اور کے پاس مت بھیجئے گا اماں! مجھ میں اب مزید ذلیل ہونے کا حوصلہ نہیں بچا، مجھے اب خود سے دور مت کیجئے گا، اب سکت نہیں رہی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

''نہیں میری بچی، بس اب تجھے دل میں چھپا کر رکھوں گی۔'' وہ اس کو ساتھ لگائے خود بھی رو رہی تھیں۔

سب سے ملنے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو کتنی ہی دیر گم صم بیٹھی رہی، عینی کی شادی کی تیاری عروج پہ تھی گھر بھر میں سامان بکھرا ہوا تھا، وہ حسرت سے ہر چیز کو دیکھتی رہی، عینی کتنی خوش قسمت تھی کہ اس کی زندگی میں سب کچھ نارمل تھا اور وہ کتنی بد قسمت تھی، کتنا عجیب واقعہ ہوا تھا اس کی زندگی میں، وہ بس بیٹھی سوچتی رہی، پہلی بار دل میں ماں باپ سے شکوہ جاگا تھا، کاش انہوں نے اسے اتنی دور نہ بھیجا ہوتا، تو اس کی زندگی کو یہ نوفل نامی روگ نہ لگتا، اگر انہوں نے اس کو اپنے ملک میں بیاہا ہوتا تو شاید اس کے حصے میں یہ بدنامی نہ آتی، لوگوں کی چبھتی ہوئی نظریں اور معنی خیز اشارے نہ آتے، مگر یہ ضروری تو نہیں تھا، سچ یہ ہے کہ جو اس کی قسمت میں رقم تھا وہ ہوا تھا، اس بحث سے کیا فائدہ کہ کس کا زیادہ ہاتھ تھا اور کون قصوروار نہیں تھا؟

☆☆☆

یہ اسلام آباد میں تیمور احمد کے گھر کا منظر تھا، وہ اس وقت بیڈ پہ نیم دراز کسی میگزین کا مطالعہ کر رہے تھے جبکہ مسز مرینہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی آخر اٹھ بیٹھیں۔

''تیمور میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' وہ بے حد پریشان تھیں۔

''کیوں خیریت تو ہے؟'' وہ میگزین سے نظریں ہٹا کر بولے۔

''آپ اتنی خاموشی سے اتنے سکون سے کیسے بیٹھ سکتے ہیں، میری بچی کا کچھ پتا کروائیں، مجھے بہت فکر ہو رہی ہے، خدا معلوم وہ اسے کہاں لے گیا ہے۔'' وہ رو دینے کو تھیں۔

''میری اسد سے بات ہوئی تھی، وہ اسے ڈھونڈ رہا ہے، آپ فکر مت کریں وہ مل جائیں گے، ویسے بھی وہ زیادہ سے زیادہ کسی دوست کے ہاں ہی ٹھہرا ہو گا، اس کا کون سا وہاں ٹھکانہ ہے؟'' وہ تسلی دینے لگے۔

''پھر بھی تیمور، مجھے آج نیند نہیں آ رہی، تین دن ہو گئے میں نے حبا کو نہیں دیکھا، وہ تو مجھ سے ایک دن بھی کبھی دور نہیں رہی، پتا نہیں کہاں ہے کس کس حال میں ہے۔'' وہ رونے لگیں۔

''دل چھوٹا مت کریں مرینہ، ایک بات تو ہم دونوں جانتے ہیں کہ اسید حقیقتاً حبا کو بہت چاہتا ہے، اس کی کتنی کیئر کرتا ہے تو ہم کیوں اتنے پریشان ہو رہے ہیں، جوان خون ہے غصہ کر گیا ہے جب غصہ اترے گا تو آ جائے گا واپس۔'' وہ مطمئن سے کہہ رہے تھے مگر مرینہ کو کسی کی بات کا یقین نہیں تھا اور نجانے کیوں ان کا دل تڑپ تڑپ کر پکار رہا تھا کہ وہ یقیناً تکلیف میں تھی بے حد تکلیف میں۔

☆☆☆

روم روم سے چھلکتا ہوا درد
رگوں میں لہو کی جگہ بہتا ہوا دکھ
آنکھ میں وحشت سے منجمند آنسو
بے فیض سماعتیں، بے نور بصارتیں
ہر سانس اذیت ہر آن ملامت
لب پہ ٹھہری ہوئی سسکیاں!!!!
اور جامد چپ کا قفل
سینے میں معدوم ہوتی دھڑکنیں
دم توڑتی ہوئی خواہشیں......!
درد سے بوجھل جسم و جاں......!
اور یہ ڈوبتی ابھرتی نبضیں!
اسی کو جینا کہتے ہیں تو میرے مولا!
مجھے اور نہیں جینا اب کے......!

وہ دیوار سے ٹیک لگائے بہت دیر سے اسی حالت میں پڑی تھی، اس کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں اور اس کمرے میں زہریلی سرگوشیاں کے سائے دوڑ رہے تھے۔

''تم اس دنیا کی سب سے بدصورت گھٹیا اور غلیظ عورت ہو حبا تیمور۔'' کیسی بے بسی اور نامرادی تھی کہ وہ اپنا آپ داؤ پہ لگا کے بھی حبا تیمور ہی تھی حبا اسید نہیں بن پائی تھی۔

''اور اس میں قصور تمہارا نہیں، تمہارے باپ کا ہے یہ اسی کے گندے خون کا اثر ہے اور میں اتنے سال اس گند کو، پاک کرنے کی کوشش کرتا رہا، کتنا بڑا احمق ہوں نا میں؟ تمہیں تو پاک کر نہ سکا البتہ غلاظت میں ڈوب کر اپنا وجود ضرور داغدار کر بیٹھا ہوں، تم نے ایک چال چلی اور سمجھ لیا کہ جیت تمہارے حق میں آ گئی، میں اسے تمہاری ہار میں بدل دوں گا، اس چھت کے نیچے میرے ہاتھوں تمہیں ایک پل سکون کا نہیں ملے گا، تمہیں کوئی آسانی ملے؟ میں تم پر اس حد تک زندگی تنگ کر دوں گا کہ تم موت کی دعائیں مانگو گی، میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ لوگ تمہیں بھیک بھی نہیں دیں گے، تھوک دیں گے تمہارے اوپر، غلاظت کے ڈھیر پر۔'' انتقام کی جھلستی ہوئی آگ تھی جس میں وہ اسے جلاتا رہا۔

وہ کمرہ واقعی اس کی قبر بن گیا تھا، مگر...... زندہ انسان کی قبر، وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھی، وہ کمرے میں نہیں تھا، وقت پتا نہیں کیا ہوا تھا، اس جگہ پہ کوئی وال کلاک نہیں تھا، وہ ان شاپرز کی طرف بڑھی اور ساری چیزیں نکال کر شیلف پہ رکھ دیں، وہی چند مخصوص مصالحہ جات، گھی، دالیں اور لہسن پیاز وغیرہ، وہ سوچ سوچ کر چیزوں کو اپنی جگہوں پہ رکھنے لگی، پھر کمرے کی طرف واپس آ گئی، بستر ٹھیک کیا تو کچھ اور بھی یاد آیا تھا۔

''میں تمہیں اپنے بستر پہ جگہ نہیں دوں گا، تم اس قابل نہیں ہو، تمہاری جگہ وہ ہے، ٹھنڈا کھردرا فرش۔''

اس نے تیزی سے سر جھٹکا اور زور سے

آنکھیں بند کرلیں، اسے مزید جو یاد آرہا تھا وہ اتنا تکلیف دہ تھا کہ وہ اسے ذہن میں بھی دہرانا نہیں چاہتی تھی، اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سمیت بستر کی سلوٹیں درست کیں اور اندر بڑھتی بے چینی کو چھپاتی اٹھ کر باتھ روم کی سمت بڑھ گئی، وہاں اسید کے اتارے ہوئے کپڑے لٹکے تھے، وہ واپس باہر آئی، سرف کا پیکٹ نکالا اور واپس آ گئی، غسل خانے میں نہانے کا پانی بھرنے کے لئے ایک درمیانے سائز کا ٹب پڑا تھا، اس نے اس ٹب میں پانی بھرا اور مٹھی بھر کر سرف انڈیل دیا، کچھ دیر ہاتھ مارتی رہی، جھاگ کے بلبلے بننے لگے تو اس نے اسید کے کپڑے بھگو دیئے، کچھ دیر انہیں دونوں ہاتھوں سے ملتی رہی، دفعتاً اس کی کلائی کے زخم سے خون رسنے لگا، سرخ بوندیں، پانی میں گرنے لگیں، اب کے بار کچھ اور یاد آیا تھا۔

''روز کے کپڑے روز دھویا کرو، خشک ہونے میں وقت لگتا ہے، یہاں تمہارے باپ کا بھیجا ہوا لانڈری سسٹم تو ہے نہیں۔''

پانی اب داغدار ہو رہا تھا، وہ چونک کر کلائی پیچھے ہٹا گئی، اس نے بے تاثر نظروں سے کلائی کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اپنا کام کرنے لگی، کپڑے دھونے کے بعد اس نے کمرہ صاف کرنا شروع کر دیا، بڑے دھیان اور احتیاط سے صفائی کرتے ہوئے اسے اب کی بار بھی کچھ یاد تھا۔

''مجھے اس کمرے میں ہمیشہ صفائی ستھرائی نظر آنی چاہیے، گرد کا ایک ذرہ بھی نہیں ہونا چاہیے، تمہارے جیسے گندگی کے ڈھیر کو برداشت کر رہا ہوں، اسے ہی کافی سمجھو، ورنہ حشر کر دوں گا تمہارا۔'' وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر خود کو سنبھال کر اٹھی اور ڈیٹول ملا پونچھا مارنے لگی، اس کے بعد اس نے اچھی طرح ہاتھ پیر دھوئے اور کچن کارنر کی طرف آ گئی، اس نے دال ماش نکالی اور کنکر چننے لگی، بڑی توجہ کے ساتھ اس نے دال پکائی، اس بار کچھ یاد آیا تھا۔

''کھانا ہمیشہ اتنا بنایا کرو جتنا ایک وقت میں ختم ہو سکے، یہاں فریج کی سہولت تو ہے نہیں جو تم فریز کر سکوں اور میں یہ قطعاً گوارہ نہیں کروں گا کہ تم سالن باسی کر کے پھینکتی پھرو، آفٹر آل یہ میری حلال کی کمائی ہے تمہارے بزنس مین باپ کا پیسہ نہیں۔''

اس نے سالن بنا کر آٹے کا ڈبا دیکھا تو وہ خالی تھا، شاید وہ آٹا لانا بھول گیا تھا، وہ ہاتھ جھاڑ کر کچن کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی، سردی کی شدت میں ہلکا سا اضافہ ہو گیا تھا، اس کے ہاتھوں کے زخم مسلسل پانی میں کام کرنے کی وجہ سے خراب ہو گئے تھے، وہ چند لمحے اپنے ہاتھوں کا جائزہ لیتی رہی، پھر انہیں گود میں رکھ لیا، اسے وہاں بیٹھے دو گھنٹے گزر چکے تھے مگر اس کی حالت ہنوز وہی تھی، پھر اس نے سیڑھیوں پہ کسی کی چاپ سنی، اسید اوپر آرہا تھا۔

وہ اضطراب میں کھڑی ہو گئی، وہ سفید شرٹ اور بلیو جینز میں بے حد تھکا ہوا تھا، حبا نے اسے دیکھ کر فوراً نظر چرا لی۔

''السلام علیکم!'' اس کی آواز سہمی ہوئی پست تھی۔

اسید نے سر ہلانا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا جواباً سلامتی بھیجنا تو دور کی بات، وہ منہ ہاتھ دھونے چلا گیا، حبا وہیں کھڑی رہی۔

''کھانے میں کیا ہے؟'' وہ ٹاول سے منہ پونچھتا اس کی طرف آ گیا۔

''دال ماش۔''

''تو لے آؤ۔'' اس نے ٹاول حبا کی طرف پھینکا، جو اس کے منہ پہ لگا۔

''وہ روٹی نہیں بنی آٹا نہیں تھا۔'' وہ بمشکل بول پائی تھی۔

''تو یہ بکواس تم صبح بھی کر سکتی تھیں۔'' اس نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور واپس مڑا۔

''وہ...... میں...... آٹا نہیں گوندھ سکتی۔'' وہ ہکلاسی گئی تھی۔

''کیوں؟ کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' وہ چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

حبا نے لرزتے ہوئے ہاتھ آگے کر دیئے، وہ زخمی تھے اور کھرنڈ اچھل گئے تھے، اسید کے لبوں پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ آگئی۔

''جو ہاتھ کسی پہ بہتان لگانے کے لئے اٹھتے ہیں انہیں تو کاٹ ڈالنا چاہیے۔'' اس کا لہجہ بے لچک بے رحم اور سرد تھا۔

حبا کانپ اٹھی، اس کا سر کچھ مزید جھک گیا، اسید نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھیاں اتر گیا۔

مجھے درس دے تو فنا کا
میرا عشق میں برا حال کر
مجھے دے سزا کوئی سخت سی
مجھے اس جہاں میں مثال کر
میری اصل صورت بگاڑ دے
کسی عشق بھٹی میں گال کر

وہ گھٹنوں میں بازو دیئے سسک رہی تھی۔

☆☆☆

عباس، وقار کے آفس میں گیا تو وہ اسے دیکھ کر چونک گئے، وہ بہت ست اور پژمردہ لگ رہا تھا، ناک کی نوک سرخ ہو رہی تھی۔

''کیا بات ہے عباس طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ تشویش سے پوچھنے لگے۔

''پتا نہیں، تھکن سی ہو رہی ہے، شاید فلو بھی ہو رہا ہے۔''

''تم گھر چلے جاؤ میڈیسن لے لو اور ریسٹ کرو اٹھو، جاؤ اگر ڈرائیو کرنے کا موڈ نہیں تو ڈرائیور کو لے جاؤ۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولے تھے۔

''نہیں میں خود چلا جاؤں گا۔'' وہ اٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے میڈیسن لیتے ہوئے جانا۔'' انہوں نے تاکید کی، وہ سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا، بہت سلو ڈرائیو کرتے ہوئے جس وقت وہ گھر پہنچا دوپہر ہو رہی تھی، گھر میں اس وقت لنچ کی تیاری ہو رہی تھی۔

''عباس بیٹا! کیا بات ہے، اس وقت طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' نیلم چچی اسے اس وقت دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔

''جی چچی! بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، آرام کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ کمرے میں، میں سبین کو بھیجتی ہوں۔'' وہ کچن میں چلی گئیں، عباس سیڑھیاں چڑھتا گیا، بستر پہ گر کے اس نے دایاں بازو موڑ کے آنکھوں پہ رکھ لیا۔

اگلے چند منٹ بعد کمرے میں افراد کا غول سا امڈ آیا، امی جان، علینہ، کومل، آمنہ بھابھی اور رمشہ بھی تھیں آخر میں سبین بھی تھی۔

''عباس بیٹا کیا بات ہے؟'' نبیلہ بیگم نے قدرے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا، وہ سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

''ارے امی جان پریشانی کی کوئی بات نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں، بس ایسے ہی تھوڑی تھکان محسوس کر رہا تھا جبھی گھر آگیا۔'' اس نے نرمی سے وضاحت دی۔

''تھکن تو ہو گی، ویسے کس نے کہا تھا کہ شادی کے پانچویں دن ہی آفس جا گھسو۔'' آمنہ

بھابھی نے خفگی سے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی شادی کے بعد آفس نہیں جاتے کیا؟'' وہ ہنس پڑا۔

''جاتے ہیں ضرور جاتے ہیں مگر میرا خیال تو یہ ہے کہ تم دس پندرہ دن کہیں گھوم پھر آؤ، تھوڑی تفریح ہو جائے گی۔'' نبیلہ بیگم نے پرخیال انداز میں کہا۔

''بہت اچھی تجویز ہے چچی جان! آج وقار آئیں گے تو میں بات کرتی ہوں۔'' آمنہ بھابھی فوراً رضامند ہو گئیں۔

''ارے بھابھی جان! ایسا غضب نہ کیجئے گا بھائی سمجھیں گے آپ کے کندھے پہ بندوق رکھ کے چلا رہا ہوں۔'' عباس نیا پلان سیٹ ہوتا دیکھ کر بوکھلا گیا۔

''کیوں اس میں کیا غلط ہے بھائی! بھابھی کا آئیڈیا شاندار ہے۔'' کومل نے جھٹ حمائیت کی۔

''اور وقار کی بات تم رہنے دو بیٹے، ایسا کام کا جنونی، توبہ اپنی ولیمہ کی تقریب میں سے اٹھ کر کوئی ڈیلیگیشن اٹینڈ کرنے چلا گیا تھا۔'' نبیلہ بیگم نے خاصا جل کر انکشاف کیا، بے ساختہ ایک قہقہہ پڑا۔

''اور تھکن کس بات کی ہو گئی، ویسے بھائی مجھے تو لگ رہا ہے آپ کو فلو کے ساتھ بخار ہو رہا ہے۔'' کومل نے اس کا ماتھا چھوا اور حرارت محسوس کرنے پہ تشویش سے بولی، وہ اس کے پاس ہی بیڈ پہ بیٹھی ہوئی تھی جبکہ دوسری طرف علینہ تھی۔

''ہاں لگ تو مجھے بھی ایسا ہی رہا ہے۔'' عباس بولا۔

''اوہو ایسے ہی ہم تمہیں ڈسٹرب کر رہے ہیں، چلو بھئی اٹھ جاؤ سب عباس تم آرام کرو۔''

آمنہ فوراً اٹھ گئیں، سب نے ان کی تقلید کی۔

''سبین میں تمہارا اور عباس کا لنچ بھجوا دیتی ہوں۔'' جاتے جاتے کہہ گئیں، علینہ اور کومل بھی چلی گئیں، جبکہ رمشہ وہیں بیٹھی رہی۔

''آئم سوری عباس۔'' سب کے جانے کے بعد وہ آہستگی سے بولی تھی، عباس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، وہ جانتا تھا وہ اس دن والی بدتمیزی پہ معافی مانگ رہی تھی۔

''اٹس او کے رمشہ۔'' وہ اس کے علاوہ اور کیا کہتا، سبین بھی بیڈ کے آخری سرے پہ بیٹھی چونک سی گئی تھی۔

''آئم سوری بھابھی، میں نے بہت بدتمیزی کی تھی، مجھے اس بات نے مزید تکلیف دی تھی کہ آپ نے مجھے کچھ کہا نہیں تھا، میں اور عباس بہت اچھے دوست رہے ہیں، پھر پتا نہیں کیوں ایکدم سے سب کچھ غلط ہو گیا، مجھے تو چاہیے تھا کہ میں اس کی اچھی زندگی کو وشز دیتی اسے مگر...... میں بالکل اچھی دوست نہیں ہوں، ہے نا عباس؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے، سبین بے ساختہ اٹھ کر اس کے پاس آئی اور اسے ساتھ لگا لیا۔

''تم بہت اچھی ہو رمشہ، اور تم دونوں کی دوستی کا بھی مجھے اندازہ ہے، پاگل میں کون سا یہاں نئی آئی ہوں۔'' وہ اسے چمکارنے لگی۔

''رمشہ! ڈونٹ بی سلی، ہم آج بھی اچھے دوست ہیں اور رہی وشز کی بات تو ڈیئر آواری سے ڈنر کروا دو ہمیں، وشز ہی وشز۔'' وہ شرارت سے بولا، رمشہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''کیوں نہیں ضرور۔''

''چلو اب سیدھی ہو کر بیٹھ جاؤ، کیوں سبین کا کاندھا بھگو رہی ہو۔'' اس نے چھیڑا، رمشہ جھینپ کر سیدھی ہو گئی۔

''تم بھول رہے ہو عباس کہ لڑکی کی اہمیت فیملی کے لئے زیادہ ہوتی ہے بانسبت شوہر کے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''بالکل نہیں، میری بیگم پبلک پراپرٹی نہیں ہیں، آمنہ بھابھی کی طرح۔'' اس کے کہنے پہ رمشہ کا قہقہہ بلند تھا۔

''اتنے پوزسیو ہو تم؟ مجھے یقین نہیں ہو رہا اور یہ آمنہ بھابھی کو کیا کہا تم نے، بتاؤں گی انہیں بلکہ بھائی کو کہ عباس صاحب کے یہ ویوز ہیں آپ کی بیگم کے بارے میں۔'' وہ تنگ کرنے پر اتر آئی، عباس ہنستا گیا۔

''بھائی کو بتاؤ گی ضرور مگر میری پیاری دوست یہ یاد رکھنا کہ وہ پہلے میرے بھائی ہیں پھر کچھ اور۔'' عباس ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔

''ہاں میں بھول گئی تھی وہ تو آمنہ بھابھی سے بھی زیادہ پبلک پراپرٹی ہیں۔'' وہ جل کر بولی، عباس کے ساتھ ساتھ اس بار سبین کا قہقہہ بے ساختہ تھا، رمشہ بھی ہنستی ہوئی اٹھ گئی۔

''او کے تم ریسٹ کرو اور بھابھی جان ذرا اس کے حال کی فکر کریں، شادی کے تیسرے دن ہی بیمار کر لیا خود کو۔'' وہ جتاتی ہوئی باہر نکل گئی، کمرے میں اب بالکل خاموشی تھی، سبین نے اٹھ کر عباس پہ کمبل ڈالا اور پھر اس کے پاس بیٹھ کر دھیرے سے اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا اور پریشان ہو گئی۔

''آپ کا ٹمپریچر تو بڑھ رہا ہے عباس۔''

''ہاں کسی کی بے اعتباری نے گھائل کر ڈالا ہے۔'' وہ ازحد رنجیدہ تھا، سبین گم صم سی ہو گئی۔

''جس انسان کو جی بھر کر ٹھکرایا گیا ہو، دوسروں کے سامنے رد کیا گیا ہو، وہ کسی پہ اعتبار نہیں کر سکتا۔'' وہ ٹوٹ گئی تھی۔

''میں نے تو سب کچھ آپ کے سامنے رکھ دیا تھا، اپنا آپ عیاں کر دیا، دل کھول کر دکھا دیا اگر اس کے باوجود بھی آپ مجھے ایاز کا طعنہ دیں گے تو پھر میں کیا کر سکتی ہوں۔'' اس نے روانی سے بہتے آنسو پونچھے، اسی وقت دروازے پہ کھٹکا ہوا، وہ اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی، ملازمہ کھانا لے کر آئی تھی، عباس نے اسے ٹیبل پہ ٹرے رکھ کر جانے کا کہہ دیا۔

☆☆☆

یہ وسط لاہور کے ایک ماڈرن اور ویل آرگنائزڈ کمرشل ایریا کا منظر تھا جہاں ایک نئے ہوٹل کی تیاری عروج پہ تھی، تعمیر و توسیع کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا، لکڑی کی پلیننگ اور چھتوں کی سیلنگ اور دروازوں کا کام تاحال باقی تھا جس کے لئے ''مغل انڈسٹریز'' سے گفت و شنید جاری تھی۔

یہ میٹنگ دو نفوس کے درمیان ہو رہی تھی، سید مصعب شاہ (جو کہ اس ہوٹل کے اونر تھے) اور شاہ بخت مغل (جو مغل انڈسٹریز کا نمائندہ تھا)۔

مصعب شاہ اسے اپنی ڈیمانڈز بتا رہے تھے، جنہیں شاہ بخت برق رفتاری سے لیپ ٹاپ میں محفوظ کر رہا تھا، اس کے بعد وہ انہیں اپنی انڈسٹری کے کیے گئے گزشتہ Projects کی Graphics اور Styles بتانے اور دکھانے لگا، دونوں حضرات کے درمیان یہ گفتگو شستہ انگریزی میں ہو رہی تھی، جس وقت وہ اپنے ڈیل فائنل کر کے اٹھے، لنچ آور شروع ہو چکا تھا۔

''Mr, Mughal! would you like to share my lunch?'' مصعب شاہ نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔

''Yeah! why not, its my

honour sir!“ شاہ بخت بھی مسکرایا۔

دونوں لنچ ٹیبل پہ آگئے، لنچ کے دوران وہ رسمی گفتگو سے نکل کر کچھ گپ شپ کرنے لگے، شاہ بخت بہت نفاست سے چائنیز کی ڈش فورک کی مدد سے کھا رہا تھا جب اس نے معصب شاہ کو خود پہ نگاہ جمائے پایا، وہ حیران نہیں ہوا، لوگ اس سے مل کر ہمیشہ ٹھٹک جاتے تھے، پلٹ کر دیکھنے پہ مجبور ہو جاتے تھے، ایسا اس لئے بھی تھا کہ وجاہت و خوبروئی کے ساتھ ساتھ اس میں ایک فطری تمکنت و وقار بڑی شان سے موجود تھا، اس کے اطوار بڑے شاہانہ تھے۔

”O, man you have a perfect photo genic face, why you don,t try flim?“ معصب شاہ کی بات پہ شاہ بخت کو اچھو لگ گیا، وہ کھانستا چلا گیا، حالانکہ اس وقت وہ صرف ہنسنا چاہ رہا تھا، اس نے سر اٹھایا تو اس کی دلکش شہد رنگ آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

”Mr, shaw! im a perfessional model۔“ اس نے مسکرا کر انکشاف کیا تھا، جواباً معصب شاہ کی بے یقین نگاہیں دیکھ کر اسے گدگدی سی ہونے لگی، وہ ان کی نگاہوں میں اپنے لئے پسندیدگی کی تحریر پڑھ چکا تھا۔

رات جب وہ وقار کو آج کی میٹنگ کی تفصیل بتانے بیٹھا تو بڑے تفاخر سے معصب شاہ کی بات بھی دہرائی تھی، وقار اسے ہنستے دیکھ کر خود بھی ہنس پڑے تھے۔

☆☆☆

کمرے میں دھندلا اجالا تھا اور قدرے گرمی بھی، کاؤچ پہ ایک ذی نفس دراز تھا، ڈاکٹر شاہ نزدیک ہی جھولنے والی کرسی پہ بیٹھے تھے۔

”آپ کو تشدد پسند ہے؟“ وہ بہت گہری آواز میں بول رہے تھے۔

”ہاں ہر پولیس والے کو پسند ہوتا ہے۔“ وہ کسی معمول کی طرح بولا، یوں لگتا تھا اسے کسی تنویمی عمل یا ہپناٹزم سے گزارا گیا تھا، جس کے نتیجے میں اس کا شعور سو گیا تھا اور لاشعور بیدار ہو کر وہ سب خفیہ و پوشیدہ راز اگلنے والا تھا جو کہ حواس میں رہتے ہوئے وہ مر کر بھی نہ بتا پاتا۔

”کس قسم کا؟“

”ہر قسم کا، نفسیاتی، جسمانی، جذباتی اور جنسی۔“ وہ اٹکے بغیر بولا، صرف ایک چیز اسے یہ بتانے سے منع کرتی تھی اس کا نام عہدہ، شہرت، لیکن لاشعور ان باتوں سے بے نیاز تھا جبھی سب اگل رہا تھا۔

”کیوں؟“

”مجھے تسکین ملتی ہے۔“ وہ سپاٹ انداز میں بولا تھا اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

”کس پہ تشدد کر کے آپ پچھتائے؟“ اس بار سوال مضبوط و بھاری تھا۔

معمول کے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی نظر آئی، یوں جیسے وہ زبردست کشمکش میں ہو، ڈاکٹر شاہ نے اس کی مذاحمت دیکھی تو فوراً تیز آواز میں اپنا سوال دہرایا، اسے پتا تھا وہ اس شخص کو زیادہ دیر اپنی دسترس میں نہیں رکھ پائے گا، وہ ایک کامیاب پولیس آفیسر تھا، بے حد مضبوط اعصاب کا مالک...... زیادہ دیر اس کے شعور کو سلانا ناممکن ہی تھا۔

”اس پہ...... اسے میں نے جب بھی مارا، مجھے بہت تکلیف ہوئی، میں نے اسے ہر طرح سے ٹارچر کیا، بہت زیادہ...... بہت۔“ وہ شدید ہیجان کی زد میں آگیا تھا، چہرے کے تاثرات بھی بتدریج بدل رہے تھے۔

”کون تھا وہ کون؟“ ڈاکٹر شاہ کا لہجہ جارحانہ ہوتا گیا۔

”وہ...... نہیں...... مجھے...... نہیں پتا۔“ وہ اس کا شعور سخت مذاحمت کر رہا تھا، اس کا دماغ جاگ رہا تھا۔

ڈاکٹر شاہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا، آخر کار گرہ کا ایک سرا ہاتھ آ ہی گیا تھا۔

☆☆☆

ایک پرائیوٹ کالج میں گزارے لائق تنخواہ اور ناتجربہ کاری کی بناء پہ عارضی بنیادوں پہ تقرری سے اسے بھلے ہی اخراجات قابو کرنے میں مشکل ہو رہی تھی مگر بہر حال خالی ہاتھ سے بہتر تو وہ چند ہزار تھے جو اسے تنخواہ کی صورت میں ملنا تھے، اس کے علاوہ اسے سیکنڈ ٹائم ایک انگلش اکیڈمی میں دو گھنٹے میں تین کلاسز مل گئیں تھیں جس کے کچھ مزید مالی مدد ملنے کا امکان پیدا ہو گیا تھا، یوں وہ صبح سات بجے کا نکلا رات چھ بجے لوٹتا تھا، بے حد تھکا ہوا، اکتایا اور غصیلا اور ایسے میں اگر غلطی سے حبا اس سے الجھ پڑتی تو وہ اس کا حشر کر ڈالتا۔

ابھی تو رات باقی ہے\
یہ ڈھل جائے تو سو جانا\
گھڑی بھر کو دل ناداں\
سنبھل جائے تو سو جانا\
یہ جلتے ہونٹ اور یہ\
نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھیں\
ذرا ٹھہرو مجھے بھی نیند آ جائے\
تو سو جانا......!\
حسین ہو تم، تمہیں کیا غم\
تمہیں تو نیند پیاری ہے\
ہمارا حال مت پوچھو کہ\
ہم پر رات بھاری ہے\
ہمارے سر قیامت ہے\
یہ ٹل جائے تو سو جانا\
ابھی تو رات باقی ہے\
یہ ڈھل جائے تو سو جانا

یہ رات کے ساڑھے نو کا وقت تھا، سردی کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا، پتا نہیں یہ کیسی کالونی تھی جہاں کوئی ذی نفس تھا نہ کوئی زندگی کی ہلچل، کمرے میں مکمل اندھیرے کا راج تھا، اسید کو روشنی میں سونے کی عادت نہیں تھی اور نائٹ بلب اس کمرے میں تھا نہیں، مگر اس کمرے میں تو اور پتا نہیں کیا کیا نہیں تھا؟

گھر میں موجود راشن تین چار دالوں پہ مشتمل تھا جو کہ وہ اکیڈمی سے ملنے والے روپوں سے لایا تھا، کالج سے سیلری تو مہینے کے آخر میں ہی ملنا تھی، اس تنگ دستی کے عالم میں وہ پبلک ٹرانسپورٹ کے دھکے کھانے پہ مجبور تھا اور اس کالونی تک پہنچنے تک اسے بیس منٹ کا پیدل سفر کرنا پڑتا تھا اور تھکن کے عالم میں آنے کے بعد وہ کھانا کھاتا اور بمشکل کل کے لیکچرز تیار کر پاتا تھا، آج بھی ایک تھکان بھرا دن گزرا تھا، وہ سونے کے لئے لیٹا تھا مگر پتا نہیں کیوں اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا، وہ سو نہیں پا رہا تھا، مگر ایک اور چیز بھی مزاحم تھی اس کی راہ میں حبا کی سسکیاں، وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی، وہ کچھ دیر تک برداشت کرتا رہا، پھر اٹھا بیٹھا، ہاتھ بڑھا کر لائٹ جلا دی، وہ کچن کارنر کی دیوار کے ساتھ لگ کر زمین پہ بیٹھی تھی، اسید نے اکثر اسے وہاں بیٹھے دیکھا تھا۔

”کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ سونے کیوں نہیں دے رہیں تم؟“ وہ چلایا تھا، حبا کی سسکیاں تھم گئیں، اسید نے کوفت سے اسے

دیکھا۔
"کیا بات ہے؟" اب کی بار قدرے نارمل انداز میں بولا تھا، حبا پھر سے رونے لگی، اسید نے گہری سانس لے کر خود پہ قابو پایا پھر کمبل ہٹا کر اٹھا اور اس کے پاس چلا آیا۔
"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" اس نے سختی سے حبا کا بازو ہلایا۔
"میں یہاں نہیں رہ سکتی، مجھ سے تنہا نہیں رہا جاتا، مجھے ڈر لگتا ہے، مجھے یہاں سے لے جاؤ اسید پلیز، مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے پلیز، میری بات مان لو، پاپا ہم سے ناراض نہیں ہیں، تو پھر کیوں اس کوٹھری میں وقت ضایع کر رہے ہو، تم چلو یہاں سے، میں پاپا سے کہہ کر تمہیں جاب دلوا دوں گی، سب ٹھیک ہو جائے گا، میری بات مانو، چلو یہاں سے۔" وہ منت بھرے انداز میں بول رہی تھی۔
"اتنی جلد ہار مان لی تم نے؟" اسید کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ تھی، حبا نے چونک کر اسے دیکھا۔
"میں نے ہار نہیں مانی اور نہ مانوں گی، سنا تم نے، میں تم سے محبت کرتی ہوں اسید مصطفیٰ اور تمہیں حاصل کرنے کے لئے میں جو کر سکتی تھی میں نے کیا اور دیکھو اب تم میرے ہو۔" وہ بھی اسی ٹون میں بولی، اسید کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔
"تم نے ایسا کیوں کیا حبا؟ کیا ملا تمہیں یہ سب کر کے؟ مجھے یوں سب کے سامنے ذلیل کیوں کیا تم نے؟ میں نے کبھی تمہیں نہیں ورغلایا، کبھی تمہیں غلط سبق نہیں سکھایا، پھر تم نے یہ کہاں سے سیکھا؟ میں نے ساری زندگی تمہاری تربیت کی، تمہیں سچ بولنا سکھایا پھر تم نے مجھ پہ اتنا بڑا الزام کیوں لگا دیا کیسے اتنا بڑا بہتان باندھا تم نے؟ کیوں؟ تم اچھی طرح جانتی ہو میں تمہارے بارے میں کسی قسم کے جذبات رکھتا تھا؟ پھر بھی تم نے...... کیوں حبا کیوں؟" آج اتنے دنوں میں پہلی بار وہ اس سے سوال کر رہا تھا اور اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا، بے یقینی، افسردگی، افسوس اور دکھ بول رہے تھے اس کی آواز میں۔
حبا چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"تم نے پوچھا، میں نے ایسا کیوں کیا؟ بڑا سادہ سا جواب ہے اس کا، تمہیں پانے کے لئے، تم نے پوچھا کیا ملا یہ سب کر کے؟ میرا نام کے آگے تمہارا نام لگ گیا ہے اسید، ذرا سوچو تو سہی کس قدر حسین ہو گیا میرا نام، حبا اسید۔" اس نے خواب ناک لہجے میں سرگوشی کی تھی۔
"ہاں...... تم نے ٹھیک کہا، تم نے مجھے کبھی نہیں ورغلایا، کبھی غلط سبق نہیں دیا، ہاں یہ سچ ہے تم نے میری بہترین تربیت کی اس میں بھی کوئی شک نہیں، ہاں میں جانتی تھی کہ تم مجھے بہن سمجھتے تھے مگر یہ رشتہ تم نے خود ہی ختم بھی تو کر دیا تھا اور بارہا مجھے جتایا بھی تھا، اگر تمہیں یاد ہو تو، دوسرے جب تم کسی طرح بھی میرے نہیں ہو سکتے تھے تو مجھے کچھ تو کرنا تھا، یہ ایک فلم اسٹوری نہیں تھی ہماری زندگی تھی، میں یہ ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتی تھی کہ تم خوش رہو میرے لئے بس، یہی کافی ہے، ناممکن...... یہ کوئی بارہویں صدی تو ہے نہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو آج کا انسان خود غرض ہے، ہاں مجھے اقرار ہے میں خود غرض ہوں، مجھ میں تمہیں کھونے کی ہمت نہیں تھی، میں اپنی نظروں سے تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی اس سے پہلے میں اسے شوٹ ضرور کر دیتی، میں یہ گھسی پٹی بات بھی نہیں کر سکتی تھی کہ مجھے تمہارے وجود کی نہیں روح کی چاہ ہے، کیا مذاق ہے؟

وجود میرا ہوگا تو روح تک جاؤں گی نا۔"

"آخری بات تم نے پوچھا میں نے تمہیں سب کے سامنے ذلیل کیوں کیا؟ اس عظیم جرأت کے لئے میرے پاس کوئی وضاحت ہیں سوائے اس کے کہ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا اور یہ کہ میں نے تم پہ الزام کیوں لگایا؟ معاف کرنا، تم مجھ سے محبت کرتے ہو مجھے پتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے الفاظ غلط تھے، اسے اگر تم بہتان کہتے ہو تو میں کیا کر سکتی ہوں، ان آخری دو باتوں کے لئے میں قصوروار ہوں مجھے تسلیم ہے، تم جو سزا دینا چاہو مجھے قبول ہوگی۔"
اس کا لہجہ مضبوط تھا، مدلل تھا، دوٹوک تھا اور بے لچک بھی۔

اس ساری گفتگو کے دوران اسید کے چہرے نے کئی رنگ بدلے تھے، مگر اب اس بات چیت کے آخر میں اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا، اس کے لب بھینچ گئے اور آنکھوں میں ایسی سرخی اُمڈ آئی تھی جو اپنے مطلوبہ شکار کو دیکھ کر کسی خون آشام درندے کی آنکھوں میں ابھرتی ہو، اس کے بھاری ہاتھوں کا بوجھ حبا کے شانوں پہ آپڑا۔

"سزا تو تمہیں ملے گی، جانتی ہو بہتان کی سزا کیا ہے؟ پتا ہے تمہیں؟ 80 کوڑے اور ایک باشعور ذی نفس کی تکریم اور عزت نفس کو روندنے کی سزا کیا ہونی چاہیے اور کسی کا اعتبار توڑنے کی سزا؟ اور کسی کو خود سے نفرت کرنے پہ مجبور کر دینے کی سزا؟ اور کسی کی تذلیل کی سزا؟ تمہارا ریکارڈ تو بہت گندا ہے حبا، کس کس جرم کی سزا بھگتو گی؟ آؤ ذرا اپنے حوصلوں کی دیوار دیکھ لو، کیا کچھ سہہ سکتی ہو، کیا برداشت کر سکتی ہو؟ خود غرض شخص بزدل ہوتا ہے، جانتی ہو فرد جرم عائد کی جا چکی ہے، اقرار جرم بھی ہو چکا، اب کوئی دلیل کوئی اپیل کام نہ آئے گی، اب صرف سزا سنائی جائے گی۔" اس کی آواز سرسرا رہی تھی، حبا کا رنگ سفید پڑتا جا رہا تھا۔

"میں ہار نہیں مانوں گی اسید مصطفیٰ!" اس کا لہجہ ناقابل فہم سا تھا، وہ بلند آواز میں ہنسا۔

"بات ہار جیت سے بہت آگے نکل گئی ہے حبا تیمور!" اس نے اسے گھورا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے زبردستی کے رشتے سے کچھ حاصل ہو جاتا ہے اور اس طرح...... یہ سب کر کے تمہیں کیا لگتا ہے مجھے حاصل کر لوگی،...... ناممکن...... مجھ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا تمہیں؟" وہ حتمی لہجے میں بولا تھا۔

"اور اگر میں تم سے معافی مانگ لوں تو۔"
وہ کچھ سوچ کر بولی تھی، اسید اس کی ذہانت اور شاطر ذہنیت پہ گنگ سا رہ گیا، وہ کتنی ہوشیاری سے بازی پلٹتا دیکھ کر رنگ بدل گئی تھی۔

حبا کا دل دھڑکنا بھول گیا، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

عینی کی شادی میں تقریباً دو ماہ رہتے تھے اور ستارا فارغ نہیں رہنا چاہتی تھی، جبھی وہ اس دن ابا کے پاس آگئی۔

"ابا! میں کہیں جاب کرنا چاہتی ہوں۔"
اس نے آہستگی سے کہا ابا بے تحاشا چونک گئے۔

"جاب؟ کوئی اسکول وغیرہ میں پڑھانا چاہتی ہو؟"

"میرا دماغ نہیں خراب ہوا جو اس سائیکالوجی میں ایم ایس سی کرنے کے بعد اسکول جاب کروں، میں کسی کلینک میں پریکٹس کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کیا، ابا چند لمحے خاموش رہ گئے۔

"ٹھیک ہے بیٹی، میں کوشش کرتا ہوں، اپنے جاننے والوں کو کہتا ہوں۔" وہ ایک طویل سانس لے کر بولے تھے۔

ستارا کچھ کہے بغیر اٹھ گئی، چند دنوں کی کوشش کے بعد وہ ستارا کے لئے خوشخبری کی نوید لائے تھے۔

"یہ کوئی شاہ کلینک ہے، میں نے بات کر لی ہے انہیں اسسٹنٹ کی ضرورت ہے، ٹائمنگ تھوڑی ٹف ہے وہ تم خود ڈسکس کر کے فائنل کر لینا۔" وہ تفصیل سے بتا رہے تھے، ستارا کے لبوں پہ ایک اطمینان سے بھرپور مسکراہٹ آگئی۔

"ٹھیک ہے میں کر لوں گی کل بلایا ہے انہوں نے؟"

"ہاں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ گئی، جب اماں کو پتا چلا کہ وہ جاب کرنا چاہتی ہے تو وہ کتنی ہی دیر گم صم رہی تھیں۔

"میں اپنی زندگی اب بیکار اور تلخ سوچوں کی نظر نہیں کر سکتی اماں! پلیز مجھے یہ کر لینے دیں۔" اس نے التجائیہ انداز میں کہا، جواباً وہ کچھ نہ کہہ سکیں۔

چند دن بعد اس نے باقاعدہ جوائن کر لیا، اس کی ٹائمنگ صبح دس بجے سے لے کر شام چار بجے تک کی تھی، اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر شاہ کوئی بوڑھا، ادھیڑ عمر سا شخص ہوگا، مگر اتنے ینگ اور فریش ڈاکٹر کو دیکھ کر وہ ورطہ حیرت میں پڑ گئی، وہ خوش مزاج اور نرم دل انسان تھا، مستزاد سیلری پیکج بھی بہت اچھا دے رہا تھا، ستارا کو یقین تھا کہ اسے وہاں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

☆☆☆

یہ ویک اینڈ تھا، مغل ہاؤس میں خوشگوار ہلچل تھی، یہ ہلچل خصوصاً رمشہ کے لئے تھی۔
کوئی "حسیب نعمان" تھا جس کا پرپوزل رمشہ کے لئے آیا تھا، سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ رمشہ بالکل نارمل ری ایکٹ کر رہی تھی، ورنہ شاہ بخت کے ریجیکشن کے بعد وہ جس بری طرح ٹوٹ گئی تھی اس کے بعد کومل کو یہ توقع کم ہی تھی۔

"حسیب نعمان!" کا بیک گراؤنڈ تو خاصا مضبوط تھا، اپنا سرامکس کا بزنس تھا، پرسنالٹی بھی پرکشش تھی اور سب سے مزے کی بات جس کا بعد میں بے حد ریکارڈ لگایا گیا وہ یہ تھا کہ موصوف ریڈیو لسنر تھے اور رمشہ کی سریلی آواز پہ دل ہار بیٹھے تھے، بہرحال گھر بھر میں ہی پرجوش و خوش تھے، غالب امکان تھا کہ یہ پرپوزل قبول کر لیا جائے گا۔

اگلی صبح سنڈے تھا اور مغل ہاؤس ہمیشہ سنڈے بڑا بے فکر سا منانے کا عادی تھا، جس کا جب دل چاہتا اٹھتا، اپنی پسند کا ناشتہ بنایا اور گھومنے پھرنے نکل گئے ورنہ ریڈی میڈ ناشتہ چلتا اور دوستوں کی جانب دوڑ لگتی۔

اس وقت صبح کے گیارہ بجے کا وقت تھا، مغل ہاؤس ہنوز نیند میں ڈوبا ہوا تھا، رات سے عباس کی طبیعت مزید بگڑی ہوئی تھی، اس کا بخار تیز ہو گیا تھا، سبین رات دیر تک جاگتی رہی تھی اور اس کی تیمارداری میں لگی رہی تھی، جبھی وہ بھی آج لیٹ اٹھی تھی ورنہ وہ خاصی سحر خیز تھی، وہ منہ ہاتھ دھو کر بال بنا کے ٹیرس پہ چلی آئی، دھوپ اب فرحت بخش لگ رہی تھی، اس نے ریلنگ پہ ہاتھ جما کے نیچے دیکھا، گیٹ کھل رہا تھا اس کے ساتھ ہی ایک ایمبولینس اندر داخل ہوئی تھی جس کا سرخ ہوٹر بڑی دل دہلا دینے والی آواز میں بج رہا تھا، سبین کا دل دھک سے رہ گیا۔

(باقی آئندہ)

کبھی شکستوں کے دکھ اٹھائے

نسرین خالد

مکمل ناول

"آج آفس سے جلدی آ جانا۔" آفس کے لئے تیار ہوتے روید نے جیسے ہی ثانیہ کی فرمائش سنی اس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"آج مہر آنٹی کے گھر دعوت ہے۔" ثانیہ نے اسے یاد دلایا۔

"تم چلی جانا، میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔" روید نے کف کے بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔

"ٹائم۔" ثانی کو غصہ آیا۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں ایسی کون سی مصروفیت ہے جس کی وجہ سے ہم تیسری دعوت بھی اٹینڈ نہیں کر سکیں گے۔" ثانی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں۔" دوسری طرف سے بہت روڈ سے انداز میں کہا گیا۔

"تم مجھے جوابدہ ہو، کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"

ڈریسنگ ٹیبل سے رسٹ واچ اٹھاتے روید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اوہ ریئلی؟ یاد دلانے کا شکریہ۔" روید کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی، ثانی اس کے دل جلانے والے انداز پر تپ گئی۔

"تمہیں اپنی پرانی محبت کا ماتم کرنے سے فرصت ملے تو تمہیں کچھ یاد رہے نا۔" ثانیہ کا طنزیہ لہجہ، روید کو آگ لگ گئی۔

"ماتم...... میں کر رہا ہوں ماتم۔" روید نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا اور اس کا بازو پکڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

"آئینے میں دیکھو خود کو، صاف معلوم ہو رہا ہے کہ کون کر رہا ہے ماتم، اپنی پچھلی محبتوں کا۔"

روید نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا، تین دن سے پہنا سی گرین جوڑا جس پر کافی شکنیں پڑ چکی تھیں اور کافی میلا میلا سا لگ رہا تھا، ثانی نے خود

کو آئینے میں دیکھا، اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ چکے تھے، الجھے بال جن میں سے لٹیں نکل نکل کر منہ پر آ رہی تھیں۔

''ایسا لگ رہا ہے نا جیسے کوئی اپنی محبت کے اجڑنے پر سوگوار ہے۔'' روید نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم شک کی آگ میں جل رہے ہو روید، میری کسی بات کا تم یقین نہیں کرو گے، تم نے سب کچھ خود اخذ کر لیا ہے، تمہاری غلط فہمی دور کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔'' ثانی نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''مجھے تمہاری کسی صفائی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔'' روید نے بریف کیس اٹھایا اور کمرے سے چلا گیا۔

''کاش تم سب کچھ جانتے۔'' ثانی نے دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچا اور سامنے پڑے صوفے پر ڈھے گئی، آنسو خود بخود رواں ہو گئے۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ زندگی میں کبھی اس پر ایسا ٹائم بھی آئے گا جب وہ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی مجرم ہو جائے گی۔

اچھی طرح رو کر دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے بعد وہ اٹھی اور نیچے چل دی۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو۔'' دادو نے شفقت بھرے انداز میں کہا اس کے سلام کا جواب دیا۔

''تم پندرہ منٹ پہلے اٹھ جاتی تو روید کے ساتھ ہی ناشتہ کر لیتی ساتھ کھانے پینے سے محبت بڑھتی ہے۔'' دادو نے اسے سمجھایا ثانی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی، دل تو چاہا انہیں کہے۔

''جب کوئی چیز وجود ہی نہ رکھتی ہو تو اس کے بڑھنے کا کیا سوال۔''

''اللہ بخشے تمہارے دادا اور میں ہمیشہ ساتھ کھانا کھاتے تھے۔'' دادو کی بات سن کر ثانی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''دادو آپ تو کہتی تھی کہ آپ کے دور میں بیویاں اپنے شوہروں سے اتنے لمبے گھونگھٹ نکالتی تھی۔'' ثانی نے ہاتھ سے لمبائی بتائی۔

''ہاں گھونگھٹ تو نکالتی تھی، مگر محلے کی عورتوں کے سامنے۔'' دادو نے وضاحت دی۔

''یعنی آپ محلے کی عورتوں کو بیوقوف بناتی تھیں، ان کے سامنے دادا سے اتنا بڑا گھونگھٹ اور ان کے جاتے ہی گھونگھٹ ہٹا دیا۔'' ثانی نے شرارت سے کہا تو دادو کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ آ گئی۔

''دادو کیا خیال ہے ہم دوبارہ سے پرانی روایات کو زندہ نہ کریں؟'' ثانی نے شرارت سے دادو کو دیکھا مگر وہ کچھ نہ سمجھیں۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں بھی روید سے گھونگھٹ نکالنا شروع کر دیتی ہوں۔'' ثانی کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

''ارے بس رہنے دو، آج کل کی لڑکیاں ہمارے جیسی نہیں ہو سکتی ہمارے دور میں تو دلہنیں ریشمی جوڑا پہنے صبح سویرے تیار ہو کر بیٹھ جاتی تھی اور کبھی جو ان کی کلائیاں چوڑیوں سے خالی ہوئی ہوں۔'' دادو کی نظریں اپنے بازوؤں پر دیکھ کر ثانی کو اندازہ ہو گیا کہ اس پر طنز کیا جا رہا ہے، وہ بس مسکراتے ہوئے انہیں دیکھے گئی۔

''ہمارے دور میں دلہنیں اتنی بڑی بالیاں پہنتی تھی مگر آج کل کی لڑکیاں چھوٹی چھوٹی جھمکیاں پہن لیں تو ان کے کان دکھنے لگتے ہیں اور یہ نکوڑ مارا فاقے کرنے کا فیشن، حالت بگاڑ لی ہے آج کل کی لڑکیوں نے اپنی، پچکے گال، ذرا سا چلتی ہیں تو چکرا کر گر پڑتی ہیں ایک ہمارا دور تھا

دس دس بچوں کے بعد بھی عورتیں چاق و چوبند رہتی تھیں۔'' دادو اپنے دور کی اور آج کل کی عورتوں کا موازنہ کر رہی تھی۔

دس بچوں کے نام پر ثانی کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو ہو گئیں وہ جو دادو کے تمام شکوے دور کرنے کا سوچ رہی تھی اور ان کے دور کی تمام عادات و اطوار اپنانے کا سوچ رہی تھی اس نے خوفزدہ نظروں سے دادو کو دیکھا، اسے ڈر تھا کہیں دادو اس سے بھی دس بچوں کی فرمائش نہ کر ڈالیں، مگر اگلے ہی پل اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی دادو کی یہ فرمائش تو مما اور چچی بھی پوری نہ کر سکیں، دونوں دیورانی جٹھانی دو کے ہندسے سے آگے نہ بڑھیں، لگتا تھا دونوں اس مقولے پر عمل کرتی ہیں۔

''دو بچے ہی اچھے۔''

☆☆☆

وہ دادو اور چچی کے اصرار پر تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی وہ اتنا دل لگا کر زندگی میں پہلی بار تیار ہوئی تھی اور اب خود کو حیرت سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

''میں سارہ سے زیادہ خوبصورت ہوں مگر خدا جانے روید کو کیوں نہیں نظر آتی میں، وہ ابھی تک سارہ کو کھو دینے کا غم منا رہا ہے۔'' ثانی کی براؤن آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اوں ہوں رونا نہیں ہے میک اپ خراب ہو جائے گا۔'' ثانی نے خود کو سرزنش کی اور اپنی تیاری دادو اور چچی کو دکھانے نیچے چل دی۔

دادو اور چچی اسے دیکھتے ہی نہال ہو گئیں۔

''ماشاءاللہ اب لگ رہی ہو نئی نویلی دلہن۔'' دادو اس کی بلائیں لیتی نہیں تھک رہی تھیں۔

''دادو میں ذرا ماما سے مل آؤں۔'' کچھ دیر دادو سے باتیں کرنے کے بعد وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''ہاں مل آؤ، مگر مغرب سے پہلے آ جانا۔''

دادو کی ہدایت سنتی ثانی بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گئی، بیرونی گیٹ پار کرتے ہی دس قدم کے فاصلے پر حیدر ولا تھا۔

''ماما!'' ثانی نے کچن میں کام کرتی فاطمہ بیگم کو دیکھتے ہی پرجوش انداز میں کہا۔

''آ گئی ماں کی یاد۔'' فاطمہ بیگم نے مصنوعی ناراضگی سے اسے دیکھا۔

''یاد انہیں کیا جاتا ہے جنہیں بندہ بھول جائے۔'' ثانی آگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گئی۔

''رہنے دو، ماں کو مسکہ مت لگاؤ۔'' فاطمہ بیگم مسکرائیں۔

''سیریسلی ماما!'' وہ معصوم سی شکل بنا کر بولیں تو وہ مسکرا دی اور پوچھا۔

''کیا کھاؤ گی؟''

''کچھ بھی نہیں، بس آپ سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔'' ثانی نے انہیں پیار سے دیکھتے ہوئے کہا، فاطمہ بیگم نے برنر بند کیا اور اس کو ساتھ لئے ڈرائینگ روم میں آ گئی۔

''ثانی تم خوش تو ہو نا؟'' فاطمہ بیگم نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو ایک پل کو اسے لگا کہ وہ رو پڑے گی، اس کا دل چاہا انہیں سب کچھ بتا دے، مگر دماغ نے فوراً سرزنش کی۔

''جی ماما میں بہت خوش ہوں، سب بہت خیال رکھتے ہیں دادو، چچا، چچی۔''

''اور روید؟'' فاطمہ بیگم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ماما آپ بھی حد کرتی ہیں روید تو میرا بچپن کا دوست ہے وہ میرا خیال نہیں رکھے گا تو اور کون رکھے گا۔'' ثانی نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"پہلے کی بات اور تھی ثانی، پہلے وہ صرف تمہارا کزن تھا اب تمہارا شوہر ہے جانے کیوں مجھے وہ پہلے سے کچھ بدلا بدلا لگتا ہے، جیسے وہ خوش نہیں ہے۔" فاطمہ بیگم نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"ایسی بات نہیں ہے ماما، اصل میں آج کل وہ بہت مصروف رہتا ہے۔ چچا جان اسے زبردستی آفس لے کر جاتے ہیں اور آپ کو تو پتہ ہے آفس جانے سے اس کی جان جاتی ہے، اس لیے اکثر موڈ آف ہوتا ہے۔" ثانی نے انہیں تسلی دینی چاہی۔

"مگر پھر بھی ثانی مجھے لگتا ہے کچھ نہ کچھ ہے؟" فاطمہ بیگم کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ ثانی بیچ میں بول پڑی

"ماما...... جیسا آپ سوچ رہی ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے ہم دونوں بہت خوش ہیں۔" ثانی نے انہیں پھر سے یقین دلانا چاہا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں، روید کے آنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔" ثانی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور گھر کی طرف چل دی۔

ثانی کو لگ رہا تھا وہ اس سے زیادہ ماما کے سامنے جھوٹ نہیں بول پائے گی اور وہ سب سچ بتا کر انہیں تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔ گھر آتے ہی وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گئی۔

"یہ مائیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں بیٹیوں کے دل کا حال بغیر بتائے ہی جان جاتی ہیں۔" بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے ہوئے اس نے سوچا۔ آنکھیں پھر سے برسنے کو تیار ہو گئیں مگر اس نے بہت مشکل سے اپنے آنسو پیئے۔ اس نے سائیڈ ٹیبل سے میگزین اٹھایا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھلا اور روید کمرے میں داخل ہوا۔

"واقعی روید کتنا بدل گیا ہے ہر وقت غصے میں رہتا ہے۔" روید کے ماتھے پر بل دیکھ کر ثانی نے سوچا۔

"پانی لاؤں؟" روید اس کی تیاری کو دیکھ کر ایک پل کو ٹھٹکا اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ کر جھک کر جوتے اتارنے لگا۔ ثانی بوتل کے جن کی طرح پانی کا گلاس لیے حاضر ہوئی۔

"سنو۔" وہ گلاس پکڑا کر پلٹی ہی تھی کہ روید کی آواز آئی۔

ثانی کے کان تعریفی جملہ سننے کے منتظر تھے۔ اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے مڑ کر سوالیہ نظروں سے روید کو دیکھا جو گلاس ہاتھ میں تھامے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آج زوار ملا تھا۔" روید کا جملہ سن کر اس کی خوش فہمی ہوا ہو گئی۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی تلخی نہ روک پائی۔

"تو میں کیا کروں؟" ثانی نے سختی سے کہا۔

"ثانی میں نے سنا ہے عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی ...... اگر تم چاہو تو اب بھی زوار سے شادی......؟"

"ش...... شادی...... تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" ثانیہ کو اسکی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔

"میری شادی ہو چکی ہے روید صاحب اور یہ میری بدقسمتی ہے کہ میری شادی تم جیسے بے حس اور خودغرض انسان سے ہوئی ہے۔ تم سارہ کو بھول نہیں پا رہے ہو اور میرے کاندھوں پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتے ہو، تمہیں اگر سارہ سے شادی کرنی ہے تو کر لو، زوار کچھ نہیں لگتا میرا۔" ثانی کا چہرہ غم و غصے سے دہک رہا تھا۔ اس نے ایک نفرت بھری نگاہ سامنے بیٹھے اس خودغرض انسان پر ڈالی جو اپنے مطلب کے لیے اس کی کردار کشی

کر رہا تھا اور روتے ہوئے باہر چلی گئی۔

روید نے غصے سے گلاس دیوار میں دے مارا۔

"مجھ سے شادی ہوئی ہے تو یہ اس کی بدقسمتی ہے زوار سے ہوئی ہوتی تو یہ اس کی خوش قسمتی ہوتی۔" روید نے غصے سے سوچا۔

مرد ہمارے معاشرے کا ڈامینیٹ حصہ ہے کمپرومائز، سیکریفائز جیسے لفظ اس کی ڈامینیٹ جیسے کی ڈکشنری میں موجود نہیں ہوتے۔ خود تو یہ لوگ بھلے جو مرضی کرتے پھریں مگر عورت پر انہیں ذرا سا بھی شبہ ہو جائے کہ اس کے خیالوں میں بھی کسی شخص کا گزر رہا ہے تو ایسی عورت کے ساتھ گزارا کرنا انہیں اپنی مردانگی کی توہین لگتا ہے۔

کسی پاکباز، باکردار عورت پر کوئی تہمت بھی لگا دے تو اس عورت کا کردار مشکوک ہو جاتا ہے جبکہ مرد سر عام ہجوم میں بھی کچھ غلط کر دے تو اس پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ وہ حاکم ہے بادشاہ ہے۔ کبھی کوئی عورت یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں اس مرد کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتی، کیونکہ غلام آقا کو کب بدل سکتا ہے؟ ہاں اگر آقا کو غلام پسند نہ آئے تو آقا کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ غلام بدل لے یا اس غلام کے ہوتے ہوئے بھی ایک اور غلام رکھ لے۔

ثناء لان میں بیٹھی بے آواز روئے جا رہی تھی۔ چار سو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ایسا ہی اندھیرا ثانی کی زندگی میں تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ زندگی اسے ایسے موڑ پر لے آئے گی۔ اس کا بہترین دوست، غمگسار روید اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا۔

"روید! تم اتنا بدل جاؤ گے، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، تم سارہ سے محبت کرتے ہو مگر تم سارہ سے شادی نہ ہونے کا بدلہ مجھ سے لو گے، یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" ثانی نے چہرے پر آتی لٹوں کو کیچر میں جکڑا اور گھٹنوں پر سر رکھ کر رونے لگی۔ وہ زندگی کی کتاب میں ماضی سے اوراق پلٹنے لگی۔

☆☆☆

"چچی! روید کہاں ہے؟" ثانی نے کچن کے دروازے سے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہے۔" چچی نے پراٹھے کے لیے پیڑا بناتے ہوئے بتایا۔ ثانی جلدی سے کچن سے نکلی روید کا کمرہ دوسری منزل پر تھا وہ وہیں سے روید کو آواز دینے لگی۔

"روید...... روید......"

"کیا ہو گیا؟ کیوں باؤلی ہو رہی ہے؟" وظیفہ کرتی دادی کے وظیفے میں خلل پڑا۔

"دادو مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے وین مس ہو گئی ہے۔" وہ دادو کو بتاتی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"لگتا سارے گھوڑے، گدھے بیچ کر سوئے ہو۔" ثانی نے روید کے کمرے کے دروازے پر تیسری پر دستک دی۔ مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

"روید کے بچے جلدی نکلو کمرے سے نہیں تو میں دروازہ توڑ دوں گی۔" ثانی نے دروازہ زور سے بجاتے ہوئے دھمکی دی۔ ثانی کی دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ فوراً دروازہ کھلا۔ روید لاک کھول کر دوبارہ بیڈ پر دراز ہو چکا تھا۔

"روید...... اٹھو۔" ثنی نے اس کے اوپر سے کمبل کھینچا۔

"کیا ہے؟ تنگ نہیں کرو مجھے نیند آ رہی ہے۔" روید نے تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

"اچھا تو تم ایسے نہیں مانو گے۔" ثانی

وارننگ دینے والے انداز میں پوچھا۔
''میں آج کیسے بھی نہیں مانوں گا ثانی۔'' روید نے تکیہ ہٹائے بغیر کہا۔
''کیونکہ آج میری آنکھیں بالکل نہیں کھل رہیں۔''
''آنکھیں تو تمہاری میں ابھی کھولتی ہوں۔'' ثانی نے اس کے منہ سے تکیہ کھینچا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ کا پانی اس پر انڈیل دیا۔
''یہ...... یہ کیا ہے؟'' روید اس افتاد پر چیخ پڑا۔
''یہ پانی ہے، ہائیڈروجن اور آکسیجن کا کمبنیشن سے بنتا ہے۔'' ثانی نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی۔
''تکلیف کیا ہے تمہیں؟'' روید نے گیلی شرٹ اور گیلے بیڈ کو دیکھنے کے بعد اسے گھورا مگر اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔
''مجھے یہ تکلیف ہے روید صاحب کہ مجھے وقت پر کالج پہنچنا ہے میری وین مس ہوگئی ہے۔''
''میں تمہارا شوفر ہوں کیا؟ جو ہر روز وین مس کر دیتی ہو۔'' روید نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔
''شوفر نہیں ہو، مگر دوست تو ہو نا؟ اور تم ہی کہتے ہو دوست وہ جو مشکل میں کام آئے، ٹھیک ہے تم میرے کام نہیں آؤ گے تو میں بھی تمہارے کام نہیں آؤں گی۔'' ثانیہ نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف چل دی۔
اسے جاتا دیکھ کر روید چھلانگ مار کر بیڈ سے اترا۔
''کہاں مر رہی ہو؟ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔'' ثانی اسے دیکھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں مسکرائی اور ٹھیک پانچ منٹ میں تیار ہو کر آنے کا کہہ کر نیچے چل دی اور پانچ منٹ بعد روید چابی گھماتا سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔

☆☆☆

''ثانی...... ثانی۔'' روید نے حیدر انکل کے گھر داخل ہوتے ہی اسے پکارا۔
''میں کچن میں ہوں۔'' ثانی کو کچن میں کام کرتے دیکھ کر روید کو حیرت ہوئی۔
''خیریت ہے مادام، آپ کچن میں کیسے؟''
''مجھے چائے پینی تھی تو سوچا کچن کو رونق بخش دوں۔'' ثانیہ نے ابلتے قہوے میں دودھ ڈالتے ہوئے کہا۔
''گڈ تمہیں اگلے گھر بھی جانا ہے اس لیے کچن کو رونق بخشتی رہا کرو۔''
''مجھے کہیں نہیں جانا میں ہمیشہ یہیں رہوں گی ماما پاپا کے پاس۔''
''اس کا مطلب تم ساری زندگی یہیں رہ کر ہمارے سینوں پر مونگ دلو گی۔'' روید نے شرارت سے کہا۔
''تمہارے گھر نہیں رہوں گی، اپنے گھر رہوں گی تمہاری کیوں جان نکل رہی ہے۔'' ثانیہ نے اسے گھورا۔
''مذاق کر رہا تھا ناراض مت ہو۔''
''میں ناراض نہیں ہو رہی تم یہ بتاؤ اس وقت خیریت سے آئے ہو؟'' ثانی نے دو کپوں میں چائے ڈالی ایک کپ روید کی طرف بڑھا دیا اور دوسرا کپ اٹھا کر ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔
''ہک ہاہ...... اب خیریت کہاں۔'' روید نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔
''کیا مطلب؟'' ثانی نے اپنی براؤن آنکھوں میں حیرت سموتے ہوئے پوچھا۔
''منگل کو صبح آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر۔'' روید نے تفصیل سے دن اور وقت بتایا۔

''کہاں......؟'' ثانیہ نے دوسرا سوال کیا۔
''کالونی کے اکلوتے پارک میں، جاگنگ ٹریک پر۔''
''کون ہے وہ؟'' ثانیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔
''ظاہر سی بات ہے ایک لڑکی ہے۔'' روید اس کے اس سوال پر چڑا۔
''ریئلی...... لڑکی ہی نا؟'' ثانی نے شرارت سے پوچھا، تو روید نے کھا جانے والے انداز میں اسے گھورا۔
''اچھا یہ بتاؤ تم سیریس ہو؟'' ثانیہ نے ہنسی روکتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں ہنڈرڈ پرسنٹ سیریس ہوں۔'' روید نے اسے یقین دلایا۔
''لڑکی کا نام کیا ہے؟''
''سارہ۔''
''وہ بھی تم میں انوالو ہے یا یکطرفہ محبت؟'' ثانی نے کپ دوبارہ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔
''ابھی تک تو یک طرفہ ہی ہے مگر تم ہیلپ کرو گی تو دو طرفہ بھی ہو جائے گی۔''
''م...... م...... میں، میں کیا ہیلپ کروں گی؟'' ثانی نے حیرت سے اسے دیکھا۔
''تم اس تک میرے دل کے حالات و واقعات پہنچاؤں گی۔''
''میں کوئی اخبار تھوڑی ہوں جو ایک جگہ کے حالات و واقعات دوسری جگہ پہنچاؤں اور مجھے تو خود کنفرم نہیں ہے کہ تم سیریس بھی ہو کہ نہیں؟'' ثانیہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''کیا......؟ ثانی...... تم مجھ پر شک کر رہی ہو؟ میرے جذبات، میری فیلنگز تمہیں جھوٹ لگ رہی ہیں؟'' روید کو اس کی بات پر شدید صدمہ ہوا۔
''مجھے تو بہت مان تھا کہ اس دنیا میں روید وقار کو سب سے زیادہ ثانیہ حیدر جانتی ہے اور تم......؟'' روید نے افسوس سے اسے دیکھا۔
''یہی تو سارا مسئلہ ہے کزن کہ میں تمہیں جانتی ہوں اسی لیے تمہاری بات یقین نہیں آ رہا۔'' ثانیہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔
روید نے اس کی شرارت پر ناراضگی سے اسے دیکھا اور پھر اس کے ساتھ مل کر اگلے دن کا لائحہ عمل تیار کرنے لگا۔

☆☆☆

''ثانی اٹھو۔'' اگلے دن صبح روید اس کے سر پر کھڑا چلا رہا تھا۔
''روید میں بہری نہیں ہوں۔'' ثانی نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔
''تم بھول گئی، پارک نہیں چلنا کیا؟'' روید نے اسے یاد دلایا تو اس نے کمبل دور پھینکا اور واش روم میں گھس گئی۔
دو منٹ میں واپس آئی اور جلدی جلدی بالوں میں برش کر کے پونی بنائی اور روید کو دیکھتے ہوئے بولی۔
''چلو میں تیار ہوں۔'' میگزین پڑھتا روید مسکرایا۔
''تمہاری یہ عادت بہت اچھی ہے عام لڑکیوں کی طرح تیار ہونے میں زیادہ ٹائم نہیں لگاتی۔'' اس کے ساتھ کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے تعریف کی۔
''وہ اتنی صبح صبح آجاتی ہے کیا؟'' ثانیہ نے جمائی لیتے ہوئے پوچھا۔
''اس کے آنے میں تقریباً ایک گھنٹہ ہے۔'' روید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
''تو ہم اتنی صبح صبح وہاں جا کر کیا کریں

گے؟" ثانی نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"سارہ کا انتظار۔" گیٹ سے نکلتے ہوئے روید نے کہا۔
"تمہارا دماغ خراب ہوگا میرا نہیں ہے۔" ثانیہ گیٹ سے نکلتے ہی رک گئی۔ ثونیہ نے اردگرد دیکھا اس کی نظر جیسے ہی چوہدری صاحب کے گر پر پڑی اس کے چہرے پر شرارتی سی مسکراہٹ آگئی۔ دو تین قدم چلنے کے بعد روید کو اندازہ ہوا کہ ثانیہ اس کے ساتھ نہیں چل رہی تو اس نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے ثانیہ کو دیکھا۔ اس نے چوہدری صاحب کے گھر کی طرف اشارہ کر دیا۔ روید کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ وہ ثانیہ کا ارادہ بھانپ گیا تھا۔
چوہدری صاحب کچھ عرصہ پہلے گاؤں سے شہر میں شفٹ ہوئے تھے۔ اپنے مربعے بیچ کر انہوں نے شہر میں بنگلہ لیا تھا اور کاروبار شروع کیا تھا۔ آتے جاتے ان کے گھر کی بیل بجانا روید اور ثانیہ کا محبوب مشغلہ تھا۔
بیل بجا کر ثانی اور روید محلے کے واحد داخت کے پیچھے چھپ گئے۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور دھوتی بنیان پہنے چوہدری ارشاد باہر آئے۔ انہیں دیکھ کر درخت کے پیچھے سے جھانکتی ثانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔
چوہدری صاحب نے اردگرد دیکھا اور پھر پنجابی میں گالیاں دیتے واپس مڑ گئے۔
ان کے جاتے ہی ثانی درخت کی اوٹ سے نکلی اور روید کے روکنے کے باوجود دوبارہ بیل بجا آئی۔ چوہدری صاحب دوبارہ گیٹ کھول کر باہر آئے ایک قہر برساتی نظر پوری گلی پر ڈالی اور لاک کھلا چھوڑ کر دوبارہ اندر گئے اور ایک کرسی اٹھا لائے۔
"اوہ...... تو۔" انہیں کرسی پر بیٹھتا دیکھ کر ثانیہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔
"منع بھی کیا تھا کہ دوبارہ مت بجاؤ۔" روید نے اسے گھورا۔
"اب پکڑے گئے تو وہ پاپا کو شکایت لگا دیں گے، تم تو بچ جاؤ گی میری بہت انسلٹ ہوگی۔" روید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
کچھ دیر بعد ثانیہ نے درخت کی اوٹ سے دوبارہ جھانکا تو چوہدری صاحب کو کرسی پر اونگھتے دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
"بالکل آہستہ آہستہ چلنا تاکہ انہیں پتہ نہ چلے۔" درخت کی اوٹ سے نکلتے ہوئے روید نے ہدایت دی۔
وہ دونوں جیسے ہی ان کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اونگھتے ہوئے چوہدری صاحب کے گردن ان کے کندھے سے سلپ ہوئی اور وہ ایک جھٹکا کھا کر بیدار ہوئے۔
"اوئے تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟"
"ہم تو واک کر رہے ہیں چوہدری انکل۔" روید نے باقاعدہ واک کرتے ہوئے کہا۔ ثانیہ نے بھی اس کی تقلید کی۔
"خیریت......؟ آپ اتنی صبح صبح یہاں کرسی رکھ کر کیوں بیٹھے ہیں؟" روید نے حیرت سے پوچھا۔
"کہیں آنٹی نے گھر سے تو نہیں نکال دیا؟" روید نے شرارت سے انہیں دیکھا۔
"او...... نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" چوہدری صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"پتہ نہیں کون کمبخت روز بیل بجا کر بھاگ جاتا ہے۔" چوہدری صاحب نے دکھی ہوتے ہوئے بتایا۔

"ہم روز تو نہیں بجاتے ہفتے میں بس چار پانچ دن ہی بجاتے ہوں گے۔" ثانیہ نے آہستگی سے کہا۔
"اوہ...... ویری بیڈ، بہت بری بات ہے ایسے کسی کو تنگ کرنا۔" روید نے اپنے چہرے پر زمانے بھر کی شرافت سجاتے ہوئے کہا تو ثانیہ نے بہت مشکلوں سے اپنی ہنسی روکی۔
"انکل مجھے تو کسی محلے والے کی شرارت لگتی ہے۔" روید نے رازداری سے کہا۔
"کون ہو سکتا ہے؟" چوہدری انکل نے آنکھیں مکمل کھولتے ہوئے کہا۔
"سوچیں کوئی ہے جو آپ آس پڑوس میں رہتا ہے جو آپ سے آپ کے کتے بہت جلتا ہے، آپ اور آپ کا کتا اس کی نظروں میں کھٹکتے ہیں۔" روید نے جو آگ لگا دی تھی اسے یقین کچھ ہی دیر میں چوہدری صاحب کا دھیان مرزا انکل کی طرف چلا جائے گا۔
"تم نے مرزا انکل کو کیوں پھنسا دیا؟" پارک کی طرف چلتے ہوئے ثانیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"پرانی دشمنی ہے۔" روید نے بڑے اسٹائل سے کہا۔
"کچھ دن پہلے انہوں نے پاپا سے میری شکایت لگائی تھی۔ آج مزہ آئے گا جب چوہدری انکل اپنے کتے سمیت ان کے گھر جائیں گے۔" روید نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"وہ...... وہ ہے سارہ۔" پارک میں داخل ہوتے ہی روید نے دور کھڑی لڑکی کی طرف شارہ کیا۔
ثانیہ پودوں کے پاس رک گئی اور اسے غور سے دیکھنے لگی۔ اسے سارہ کو دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ اس کے خیال میں سارہ بہت خوبصورت ہوگی۔
مگر وہ خوبصورت سے زیادہ اسٹائلش تھی۔
"کزن مجھے تو......" ثانیہ نے کچھ کہنے کے لیے دائیں طرف کھڑے روید کو دیکھا مگر وہ تو جیسے موجود ہی نہیں تھا۔ پلکیں جھپکے بغیر اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔
"تو کیا یہ واقعی سنجیدہ ہے؟" ثانیہ کے دل کو کچھ ہوا۔
محبت ہمارے اندر سالوں سے پنپتی رہتی ہے ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔ مگر اچانک ایسا لمحہ آ جاتا ہے جب ہمیں اس خاموش محبت کا ادراک ہوتا ہے اور وہ لمحہ اکثر تب ہی آتا ہے جب کوئی تیسرا شخص بیچ میں آچکا ہوتا ہے۔
ثانیہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ روید اردگرد سے بیگانہ سارہ کو دیکھ رہا تھا۔
"اسے میں کیوں نہیں نظر آئی؟" ثانیہ کی آنکھیں نم ہوگئی، وہ فوراً واپسی کے لیے مڑی۔ وہ ابھی کچھ دور ہی چلی تھی کہ اسے روید کی آواز آئی۔
"ثانی! کہاں جا رہی ہو؟"
"گھر۔" اس نے مڑے بغیر جواب دیا۔
"کیا مطلب گھر......؟ اور جو پلان بنایا تھا اس کا کیا ہوگا؟" روید نے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔
"کیا ہوا ثانی؟" اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر روید نے تفکر سے پوچھا۔
"کچھ نہیں...... بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ثانیہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
روید نے حیرت سے اسے دیکھا کچھ دیر پہلے تو وہ بالکل ٹھیک تھی پھر اچانک......
"چلو پھر گھر چلتے ہیں۔" روید نے اداسی سے کہا۔ اسے سارہ سے ملے بغیر جانے پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔
"نہیں...... پہلے تم سارہ سے مل لو، میں

جارہی ہوں تم آجانا۔'' اسے روید کی اداسی بالکل اچھی نہ لگی اس لیے فوراً سارہ کی طرف چل دی۔

''السلام علیکم میرا نام ثانیہ ہے۔'' ثانیہ نے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام آئی ایم سارہ۔'' سارہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

ابھی ثانیہ نے ایک دو باتیں ہی کیں تھیں کہ روید پہنچ گیا۔

''ثانیہ تم یہاں ہو اور میں تمہیں پورے پارک میں ڈھونڈ چکا ہوں۔'' روید نے آتے ہی کہا۔

''سارہ! یہ میرا کزن ہے روید۔'' ثانیہ نے تعارف کروایا۔

''ہائے۔'' سارہ کو روید کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر ثانیہ کو حیرت ہوئی۔

''ہائے۔'' روید نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''آپ کو تو میں اکثر پارک میں دیکھتی ہوں۔'' سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی میں اکثر واک کرنے آتا ہوں۔ آپ اس شہر میں نئی لگتی ہیں؟''

''جی ہم ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی شفٹ ہوئے ہیں یہاں، دراصل میری سٹڈی کا مسئلہ تھا میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے۔''

''میں بھی وہیں پڑھتا ہوں۔'' روید نے اپنی یونیورسٹی کا نام بتایا تو سارہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

ثانیہ کو اپنا آپ وہاں مس فٹ لگا۔ وہ دونوں میں باتوں میں مصروف اسے بالکل لفٹ نہیں کروا رہے تھے، اس نے واپسی کی راہ لی۔

''کوئی بھی مسئلہ ہو آپ مجھے بتایئے گا، آپ کی ہیلپ کر کے مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

پیچھے سے روید کی آواز آرہی تھی، ثانیہ سارا راستہ خاموشی سے اپنی آنکھیں صاف کرتی رہی۔

☆☆☆

رات کا ایک بج رہا تھا۔ ثانیہ یک ٹک چھت کو دیکھے جارہی تھی کہ اچانک اس کا موبائل بجا۔

''اس وقت کون......؟'' ثانیہ نے موبائل اٹھاتے ہوئے سوچا۔ اسکرین پر روید کا نام دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔

''خیریت......؟ اس وقت کیوں فون کیا ہے؟'' ثانیہ نے کال ریسیو کرتے ہوئے پوچھا۔

''نیند نہیں آرہی تو اختر شماری کرونا۔'' ثانیہ نے مشورہ دیا۔

''وہ کیا ہوتا ہے؟'' روید نے حیرت سے پوچھا۔

''محلے میں جتنے بھی اختر ہیں سب کو شمار کرو۔'' ثانیہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''محلے میں صرف ایک ہی اختر ہے وہ بھی چوہدری انکل کا نوکر، رات کے اس پہر میرا دماغ نہیں خراب جو اسے یاد کروں۔'' روید نے چڑتے ہوئے کہا۔

''میرے دل و دماغ پر تو ایک ہی نام چھایا ہوا ہے سارہ۔'' روید کی بات پر ثانیہ کی ہنسی کو بریک لگی۔

''روید! رات بہت ہوگئی ہے صبح بات کریں گے۔'' ثانیہ نے فون بند کرنا چاہا۔

''ثانی! تم بہت بری ہو دو منٹ میری بات بھی نہیں سن سکتی۔'' روید نے شکوہ کیا۔

''تم نے اس کا نمبر کیوں نہیں لیا؟'' ثانیہ نے اس کے شکوے کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''بس......سوچا کہیں وہ مائنڈ نہ کر جائے

کہ پہلی ملاقات میں اتنا فری ہو رہا ہے۔'' روید کی بات پر ثانیہ کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ آگئی۔

''وہ بالکل مائنڈ نہ کرتی بلکہ اگلی ملاقات میں وہ خود ہی تم سے تمہارا نمبر مانگ لے گی کل جاؤ گے پارک؟'' ثانیہ نے پوچھا۔

''نہیں اب تو یونیورسٹی میں ہی ملاقات ہو جائے گی۔''

''او کے کل بات ہوگی اللہ حافظ۔''

اس رات ثانیہ کو نیند ہی نہیں آئی۔ وہ ساری رات اپنے دل کو سمجھاتی رہی۔

☆☆☆

''ثانی! کہاں ہو یار کل سارہ کا برتھ ڈے ہے۔'' ثانیہ نے جیسے ہی کال ریسیو کی روید کی آواز آئی۔

''تو میں کیا کروں؟'' ثانیہ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''تم یوں کرو جلدی سے تیار ہو کر گیٹ تک آؤ میں بائیک نکال رہا ہوں ہم شاپنگ کرنے چل رہے ہیں۔''

''سوری روید میں نہیں۔'' ثانیہ نے انکار کرنا چاہا مگر وہ کب ثانیہ کی سنتا تھا اسے تو بس اپنی کہنے کی عادت تھی۔

''سوری ووری کچھ نہیں چلے گی بس میں آرہا ہوں تمہیں لینے تم گیٹ پر آجاؤ۔'' روید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔

ثانیہ نے بے چارگی سے موبائل کو دیکھا اور مرے مرے قدموں سے گیٹ کی طرف چل دی۔ اس نے جیسے ہی گیٹ سے باہر قدم نکالا روید کو بائیک پر بیٹھے اپنا منتظر پایا۔

''مجھے یقین تھا تم میری بات کا انکار کر رہی نہیں سکتی۔'' روید نے مسکراتے ہوئے بہت مان سے کہا۔ ثانی خاموشی سے اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

دو گھنٹے خوار ہونے کے بعد روید نے سارہ کے لیے تحفہ خریدا۔ ثانیہ نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ اسے کچھ تو پسند آیا۔

''اب بس جلدی سے گھر چلتے ہیں۔'' ثانیہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''نہیں بھئی پہلے تمہیں آئس کریم کھلاؤں گا، اتنی ہیلپ کی ہے تم نے میری آئس کریم تو بنتی ہے تمہاری۔'' روید نے شاپنگ سنٹر سے نکلتے ہوئے کہا۔

''نہیں روی پھر کبھی سہی ابھی میرا موڈ نہیں ہے۔'' ثانیہ نے بیزاری سے کہا تو روید حیران رہ گیا۔

''ثانیہ! تم ہوش میں تو ہو؟ آئس کریم سے انکار کر رہی ہو۔''

''بس موڈ نہیں ہے۔''

''او کے چلو جیسے تمہاری مرضی کل تو چلو گی نا میرے ساتھ؟'' روید نے پارکنگ ایریا سے بائیک نکالتے ہوئے پوچھا۔

''کہاں......؟'' ثانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں نے سارہ کی برتھ ڈے کے لیے ہوٹل میں ٹیبل بک کروائی ہے وہاں چلنے کا کہہ رہا ہوں۔''

''میرا وہاں کیا کام؟''

''کام تو کچھ نہیں بس چلنا میرے ساتھ ہم دونوں مل کر اسے وش کریں گے۔''

''سوری روید میں نہیں جا سکوں گی۔'' ثانی نے انکار کیا۔

''کوئی بہانہ نہیں چلے گا بس تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔'' وہ یونہی تھا اپنی بات منوانے والا۔

''میں نہیں جاؤں گی۔'' ثانیہ نے صاف انکار کیا تو روید نے ناراضگی سے اسے دیکھا اور بائیک اسٹارٹ کی۔ واپسی پر سارا راستہ وہ خاموش رہا۔ حیدر انکل کے گھر کے پاس بائیک روکی۔ ثانیہ فوراً اتری۔

''روید...... تم......'' ثانیہ نے اترتے ہی اسے کچھ کہنا چاہا مگر روید نے اس کی بات سنے بغیر بائیک آگے بڑھا دی۔

''تم ...... تم سمجھتے کیوں نہیں ہو روید؟'' ثانیہ بے بسی سے ہونٹ کچلتی سوچتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

رات کے بارہ بج رہے تھے نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اسے بار بار روید کی ناراضگی کا خیال آرہا تھا

''مجھے اسے منانا چاہیے۔'' ثانیہ نے فوراً اس کا نمبر ملایا، مگر روید کا نمبری بزی تھا۔

''اس وقت کس سے بات......؟'' ثانی کو حیرت ہوئی مگر اگلے ہی لمحے اسے روید کی بات یاد آئی۔

''میں بارہ بجے اسے وش کرونگا۔''

''روی! تمہیں سارہ نظر آ گئی، ثانیہ کیوں نہیں نظر آئی۔'' ثانیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''میں اب یہاں نہیں رہونگی، ندا آپی کتنے عرصے سے بلا رہی ہیں، میں...... میں ان کے پاس چلی جاؤنگی وہیں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لوں گی، صبح پاپا سے بات کروں گی۔'' ثانیہ پکا ارادہ کرتے ہوئے سونے کی کوشش کی مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

روید نے جیسے ہی ثانیہ کے اسلام آباد جانے کا سنا وہ ساری ناراضگی بھلا کر دوڑا چلا آیا۔

''ثانی! یہ میں کیا سن رہا ہوں تم اسلام آباد جارہی ہو؟''

''ہاں ٹھیک سنا ہے میں وہیں ایڈمیشن لونگی۔''

''پر کیوں؟''

''ندا آپی اکیلی ہوتی ہیں انہیں میر......''

''سعود بھائی ہیں وہاں، وہ اکیلی نہیں ہوتی۔'' روید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''سعود بھائی صبح آفس جاتے ہیں اور شام میں آتے ہیں وہ مجھے بہت یاد کرتی ہیں۔''

''اور میں جو تمہیں یاد کرونگا اس کی فکر نہیں ہے تمہیں۔''

''یہاں سارہ ہے روید، تم اس کے ساتھ ٹائم گزارنا تمہیں میری یاد بالکل نہیں آئے گی۔''

''سارہ ثانیہ تو نہیں ہو سکتی نا۔''

''کیوں؟ ثانیہ میں ایسا کیا ہے جو سارہ ثانیہ کی جگہ نہیں لے سکتی؟'' ثانیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا اس کی بھوری آنکھیں چمک رہی تھی۔

''سارہ سے میں محبت کرتا ہوں اور ثانیہ میری بہت اچھی دوست ہے۔''

''تو تم یوں کرو نا کہ سارہ کو دوست بنالو۔'' ثانیہ نے اسے مشورہ دیا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔'' روید نے نفی میں سر ہلایا۔

''پتہ ہے ثانی دوست وہ ہوتا ہے جس سے ہم اپنے اصل رنگ میں ملتے ہیں جس سے ملتے ہوئے ہمیں یہ خوف نہیں ہوتا کہ ہمارا امیج خراب ہوگا، جس کے سامنے آپ دل بھر کے بونگیاں مار سکتے ہو، جو دل میں ہو وہ زبان پر لا سکتے ہو، جو آپ کو سب سے زیادہ جانتا ہو وہ آپ کا دوست ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ ثانیہ حیدر میری بہترین دوست ہے اور سارہ اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔'' روید نے کھلے دل سے اعتراف کیا ثانیہ نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور ثانیہ، سارہ کی جگہ نہیں لے سکتی ہے۔'' ثانیہ نے دکھ سے روید کو دیکھا۔

''روی تم سارہ سے شادی کر لو، تمہارا فائنل ائیر ہے تم اس کے گھر رشتہ بھیج دو۔''

''سوچ تو میں بھی یہی رہا ہوں، مگر دادو، ماما اور پاپا کو تو تم ہی مناؤ گی نا۔''

''میں......؟'' ثانی حیران ہوئی اس نے ہر کام کی طرح یہ کام بھی اس کے ذمے لگا دیا اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ جانے انجانے میں وہ ثانیہ کو کتنا دکھی کر دیتا ہے۔

''ہاں بھئی تم اور جب تمہارا ٹائم آئے گا تو سب کام میں کرونگا اور تو اور اگر کہو گی تو تمہارے باراتیوں کو کھانا بھی سرو کر دونگا۔'' روید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ثانی! تم ابھی تک شاپنگ کے لئے نہیں گئی، ندا کا فون آیا تھا اس نے کچھ چیزیں منگوائی ہیں۔'' اتنے میں فاطمہ بیگم نے ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی اسے کہا۔

''آنٹی یہ اسلام آباد نہیں جارہی۔'' روید کی بات پر فاطمہ بیگم حیران ہوئیں۔

''کیوں؟''

''آپ کو تو پتہ ہے اس کا وہاں دل نہیں لگے گا اور میں تو اس کے لئے ایڈمیشن فارم بھی لے آیا ہوں۔'' روید نے ایڈمیشن فارم اس کی طرف بڑھائے، ثانیہ حیران رہ گئی، اتنی دیر سے اس کے ہاتھ میں کاغذ تھے مگر ثانیہ کو اندازہ ہی نہ ہوا کہ وہ اس کے لئے فارم لایا ہے۔

''ندا ناراض ہو جائے گی۔'' فاطمہ بیگم کو بیٹی کی ناراضگی کی فکر تھی۔

''بھابھی کو تو میں خود منا لونگا آپ فکر مت کریں۔'' روید نے مسکراتے ہوئے کہا اور فارم فل کرنے لگا۔

☆☆☆

اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لئے کافی دن ہو چکے تھے، اسے لانے اور لے جانے کی ذمہ داری روید نے سنبھال لی تھی، اس وقت بھی وہ فری ہو کر کافی دیر سے روید کا انتظار کر رہی تھی۔

''آج اتنی دیر کر دی۔'' ثانیہ نے رسٹ واچ دیکھی اور اٹھ کر اس کے ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل دی، اسے دور سے ہی روید اور سارہ نظر آ گئے جو ایک دوسرے سے باتوں میں مگن تھے، ثانیہ پلر سے ٹیک لگا کر ان دونوں کو دیکھنے لگی، سارہ روید کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی، روید اسے غور سے دیکھتے ہوئے جانے کیا کہہ رہا تھا، ثانیہ کو سارہ سے جلن محسوس ہوئی، وہ فوراً واپس مڑ گئی۔

''روید کو اب میں کہاں یاد رہوں گی۔'' وہ اپنی ہی سوچوں میں گم چلی جارہی تھی کہ عقب سے اسے کسی نے پکارا۔

''ثانیہ!'' ثانیہ فوراً مڑی، اس کا کلاس فیلو زوار مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا، ثانیہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''لگتا ہے آج آپ کا کزن نہیں آیا، اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دونگا۔'' بہت مہذب انداز میں آفر کی گئی۔

ثانی انکار کرنے ہی لگی تھی کہ اس کے ذہن میں روید کا چہرہ لہرایا۔

''مجھے کیا ضرورت ہے اس کے انتظار میں اپنا ٹائم ویسٹ کرنے کی، جب اسے میری فکر نہیں ہے تو مجھے بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔'' ثانی نے مسکراتے ہوئے اس کی آفر قبول کی اور اس

کے ساتھ چل دی۔
زوار اس کی کلاس کے ذہین ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا تھوڑے سے دنوں میں تمام ٹیچرز اس کے گرویدہ ہو گئے تھے، وہ سارا راستہ آج کے لیکچر پر بحث کرتے رہے۔
''بس یہاں روک دیں۔'' ثانیہ نے اپنے گھر کے گیٹ کے سامنے گاڑی رکوادی۔
''تھینک یو سو مچ۔'' ثانیہ نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔
''مائے پلیژر۔'' زوار نے مسکراتے ہوئے کہا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔
ثانیہ فریش ہو کر کھانے کے ارادے سے کچن میں آئی، ابھی وہ کھانا نکال ہی رہی تھی کہ روید پہنچ گیا۔
''کہاں تھی تم؟ پوری یونیورسٹی چھان ماری میں نے اور تم یہاں گھر پہنچی ہوئی ہو۔'' روید غصے سے پوچھ رہا تھا۔
''میں تو کب سے گھر آچکی ہوں۔'' ثانیہ نے کھانا ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
''کس کے ساتھ آئی ہو؟''
''زوار کے ساتھ۔''
''کون زوار؟'' روید کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئی۔
''میرا کلاس فیلو ہے بہت جینئس اور آؤٹ سٹینڈنگ اسٹوڈنٹ ہے تم دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے بہت زبردست بندہ ہے۔'' روید کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزرا، ثانیہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہوئی۔
''کھانا کھاؤ گے؟'' ثانیہ نے پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں تم کھاؤ۔'' روید فوراً واپسی کے لئے مڑ گیا، ثانیہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔
اگلے دن ثانیہ زوار کے ساتھ کھڑی لیکچر کے اہم پوائنٹس پر بات کر رہی تھی جب روید اسے لینے آیا۔
''زوار! یہ میرا کزن ہے روید۔'' ثانیہ نے روید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''اور روی یہ میرا کلاس فیلو ہے زوار، جس کا میں نے تمہیں کل بتایا تھا۔'' زوار نے بڑھ کر روید سے ہاتھ ملایا۔
''میں یہ تو نہیں پوچھوں گا کہ ثانیہ نے میرے بارے میں آپ کو کیا بتایا، مگر مجھے یقین ہے میری برائی نہیں کی ہو گی۔'' زوار نے مسکراتے ہوئے روید سے کہا۔
''آپ کا یقین بالکل درست ہے آپ جیسے اچھے انسان کی برائی نہیں کی جاسکتی۔'' روید کی جگہ ثانیہ بول پڑی۔
''انسان کی آنکھیں خوبصورت ہوں تو اسے سب کچھ خوبصورت نظر آتا ہے۔'' زوار نے مسکراتے ہوئے ثانیہ کو دیکھا۔
روید نے لب بھینچ لئے، ثانیہ کی تعریف کرتا زوار اسے زہر لگ رہا تھا۔
''ثانی چلیں، دیر ہو رہی ہے۔'' روید نے تلخی سے کہا۔
''ثانیہ! خدا حافظ۔'' کہتے ہوئے روید کے ساتھ چل پڑی۔
''آج سارہ نہیں آئی تھی کیا؟'' ثانیہ اس کے وقت پر آنے پر حیران تھی۔
''آئی تھی۔'' روید نے اثبات میں سر ہلایا اور دوسری طرف دیکھنے لگا، ثانیہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہتا، تو وہ خاموش ہو گئی۔
☆☆☆

''ثانی! کہاں تھی تم؟'' روید کافی دیر سے بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا اسے آتا دیکھ کر پوچھا۔
''میں زوار کے گھر گئی تھی۔'' ثانیہ نے بیگ ٹیبل پر رکھا اور خود صوفے پر بیٹھ گئی۔
''کیوں؟'' روید کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئی۔
''اس کی ماما کی ڈیتھ ہو گئی ہے سب کلاس فیلوز اس سے تعزیت کرنے جا رہے تھے تو میں بھی چلی گئی۔'' ثانیہ نے دائیں ہاتھ سے اپنا سر دباتے ہوئے کہا اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔
''اوہ، ویری سیڈ۔''
''کیا بیمار تھیں وہ؟''
''ہوں، وہ بالکل ٹھیک تھیں اچانک انہیں ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا ہاسپٹل جاتے ہوئے راستے میں ہی دم توڑ دیا۔'' ثانیہ کی نظروں کے سامنے زوار اور اس کی فیملی ممبرز کے چہرے گھومے۔
''تمہیں کوئی کام تھا؟'' ثانیہ کو محسوس ہوا روید کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔
''ہاں مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا۔'' روید نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
''کیا؟''
''میں نے سارہ کو پرپوز کر دیا ہے۔'' روید نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔
''پھر......؟'' ثانیہ کو لگا اس کی دھڑکن تھم گئی ہے۔
''وہ مان گئی ہے اس نے کہا ہے تم اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیج دو۔'' ثانیہ کے دل میں ٹیس سی اٹھی مگر اس نے خود کو کمپوز ہی رکھا۔
''ہاں تو بھیج دو پھر چاچا چچی کو۔'' ثانیہ نے ٹیبل پر رکھے جگ کا پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔
''اسی لئے تو تمہارے پاس آیا ہوں، تم دادو اور ماما سے بات کرو، سارہ کے بارے میں بتاؤ انہیں۔'' ثانیہ نے اسے دیکھا وہ اپنا ہر کام بڑے آرام سے اس کے سر لگا دیتا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا وہ انجانے میں اسے کتنا ہرٹ کر رہا ہے۔
''فائنل ائیر کے ایگزامز ہونے والے ہیں میں چاہتا ہوں پیپرز کے بعد شادی ہو جائے۔'' روید نے مسکراتے ہوئے اپنا پلان بتایا۔
''ٹھیک ہے مجھے جیسے ہی موقع ملتا ہے میں دادو سے بات کرتی ہوں۔'' ثانیہ نے اسے تسلی دی اور اپنا بیگ اٹھا کر کمرے کی طرف چل دی۔
☆☆☆
ثانیہ دادو سے بات کرنے کا سوچتی ہی رہی مگر اسے موقع نہ ملا اور پھر ایگزامز کی ٹینشن میں اسے کچھ یاد نہ رہا اور دوسری طرف روید بھی پیپرز کی تیاری میں مصروف تھا اس نے پھر ثانیہ سے اس موضوع پر بالکل بات نہ کی۔
آخری پیپر دے کر ثانیہ نے سکون کا سانس لیا، یونیورسٹی سے آکر وہ سوئی تو مغرب کے وقت ہی آنکھ کھلی، چائے پی کر اسے روید کا خیال آیا تو وہ اس سے ملنے چل دی۔
''دادو! روی کہاں ہے؟'' چچی کو فون پر مصروف دیکھ کر اس نے دادو سے پوچھا۔
''کسی دوست سے ملنے گیا ہے شاید۔''
''دوست......'' ثانی کے ذہن میں فوراً سارہ کا چہرہ آ گیا وہ واپسی کے لئے مڑی۔
''کہاں جا رہی ہو، بیٹھو تو سہی، کتنے دنوں بعد شکل دکھائی ہے۔'' پیچھے سے دادو کی آواز آئی، مگر وہ ''میں پھر آؤں گی'' کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"بہو! بس اب روید کی شادی کی تیاری کرو۔" دادو نے فون رکھتی چچی کو کہا، وہ اپنی بہن سے فون پر بات کر رہی تھی۔

"ہاں اماں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں، روید کی پڑھائی تو مکمل ہو گئی ہے اسے وقار کا بزنس ہی سنبھالنا ہے۔"

"آج وقار اور حیدر سے بات کرتی ہوں، تم روید کو بتا دینا، ویسے تو مجھے یقین ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"جی اماں آتا ہے تو اس سے بات کرتی ہوں۔" چچی نے فرمانبرداری سے کہا۔

☆☆☆

"کیا؟" روید نے حیرت سے ماما کو دیکھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"میں یہی کہہ رہی ہوں کہ ہم ثانیہ سے تمہاری شادی کر رہے ہیں۔"

"مگر میں ثانیہ سے شادی نہیں کر سکتا۔" روید نے پریشانی سے انہیں دیکھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہ سوچے بیٹھی ہونگی۔

"کیوں؟ کیا کمی ہے اس میں؟" ماما اس کے انکار پر شاکڈ رہ گئیں۔

"اس میں کوئی کمی نہیں ہے ماما، بس میں نے کبھی اس سے شادی کا سوچا ہی نہیں ہے۔"

"تو اب سوچ لو، ہم نے تو بہت پہلے سے حیدر بھائی اور بھابھی سے ثانیہ کا رشتہ مانگا ہوا ہے۔" ماما کی بات پر روید حیران ہوا، آج تک اسے کسی نے کیوں نہیں بتایا تھا۔

"آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کبھی؟"

"کیا بتاتی بہت چھوٹے تھے اس وقت تم، جس وقت سعود اور ندا کا رشتہ ہوا تھا اس وقت یہ طے ہو گیا تھا کہ تمہاری شادی ثانیہ سے ہو گی اور پھر تمہارے اور ثانیہ کے بیچ اتنی انڈرسٹینڈنگ تھی کہ ہم نے سوچا تم لوگوں کو کیا اعتراض ہوگا۔" ذکیہ کو اس کے ردعمل پر حیرت ہو رہی تھی۔

"ماما وہ میری بہت اچھی دوست ہے مگر آئی ایم سوری میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟ کیوں نہیں کر سکتے تم اس سے شادی؟"

"ماما وہ...... سارہ۔" روید تھوڑا ہچکچایا۔

"میرے ساتھ پڑھتی ہے بہت اچھی ہے میں اس سے شادی......"

"روید کسی اور کے بارے میں سوچنا بھی مت لینا۔" ذکیہ نے اس کی بات کاٹی۔

"تمہارے بابا کبھی نہیں مانیں گے، انہوں نے بہت پہلے ندا اور ثانیہ کا رشتہ مانگ لیا تھا تم دونوں بھائیوں کے لئے۔"

"تو ہو گئی نا سعود بھائی اور ندا بھابھی کی شادی، اب ضروری تھوڑی ہے کہ میری اور ثانیہ کی بھی ہو۔" روید نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"ضروری ہے روید، بہت ضروری ہے، پورے خاندان کو پتہ ہے تمہارے اور ثانیہ کے رشتے کا۔" ذکیہ بیگم نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"ماما! حد کر دی آپ لوگوں نے، پورے خاندان کو بتا دیا اور ہمیں نہیں بتایا۔" روید نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ تمہیں اور ثانیہ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ماما ثانی سارہ کو جانتی ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہے اسے سب معلوم ہے میرے اور سارہ کے متعلق...... آپ سارہ کے گھر جائیں میرا رشتہ لے کر۔"

"بچوں جیسی باتیں مت کرو روید، تمہاری

شادی ثانیہ سے ہو گی۔" ذکیہ بیگم نے اٹل انداز میں کہا۔

"پر میں ثانیہ سے کیسے شادی کر لوں، وہ تو خود زوار میں انٹرسٹڈ ہے۔" روید نے لب کچلتے ہوئے سوچا، مگر اگلے ہی لمحے ایک خیال آیا جس سے وہ پرسکون ہو گیا۔

"او کے ماما آپ میری طرف سے ہاں سمجھیں، اگر ثانیہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو میں اس سے شادی کر لوں گا۔" روید کہہ کر رکا نہیں، اسے یقین تھا ثانیہ کبھی ہاں نہیں کرے گی کیونکہ وہ سارہ کے متعلق سب جانتی ہے اور زوار، اسے دیکھ کر تو اس کے چہرے کا رنگ ہی بدل جاتا ہے، روید کی نظروں کے سامنے زوار کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

☆☆☆

"بس اب تو شادی کی تیاریاں شروع کر دو تھوڑا سا ٹائم رہ گیا ہے۔" روید لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا جب دادو اور ماما کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، وہ دونوں ابھی حیدر انکل کے گھر سے آئی تھیں۔

"اماں مجھ سے اکیلے کہاں ہونگی تیاریاں، میں نے ندا کو فون کر دیا ہے دو چار دنوں میں آ جائے گی وہ، پھر وہی سنبھالے گی۔"

"ہاں ٹھیک کیا، اسے ہی دونوں طرف کی شاپنگ کرنی ہے آخر دولہے کی بھابھی اور دلہن کی بہن جو ہے۔" دادو نے مسکراتے ہوئے کہا، ان کی خوشی ان کے چہرے سے جھلک رہی تھی، ان کی دلی تمنا تھی کہ روید اور ثانیہ کی شادی ہو۔

ان کی باتیں سن کر روید کو حیرت ہو رہی تھی، اسے یقین تھا کہ ثانیہ انکار کر دے گی۔

"کیا ثانیہ نے دادو کو نہیں بتایا سب کچھ......" روید اٹھا اور اپنے کمرے میں آ گیا، اس نے جیب سے موبائل نکال کر ثانیہ کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔" کچھ ہی دیر بعد اسے ثانیہ کی آواز آئی۔

"ثانی یہ تم نے کیا کیا، تم جانتی تھی کہ میں سارہ سے محبت کرتا ہوں تو پھر ہاں کیوں کر دی؟" روید کی بات پر ثانیہ شاکڈ رہ گئی۔

"یہ مجھ سے امید لگائے بیٹھا تھا کہ میں انکار کر دونگی، کتنے سیلفش ہو تم روید۔" ثانیہ نے افسوس سے سوچا۔

"تم نے خود کیوں نہیں انکار کیا؟"

"کیا تھا، پر ماما نے مجھے اموشنل بلیک میل کر دیا تو پھر میں نے سوچا کہ تم انکار کر دو گی، مگر تم...... تمہیں تو انکار کرنا چاہیے تھا۔" روید کی جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔

"روید تم بہت خود غرض ہو، تمہیں پتہ ہے میرے انکار کے بعد مجھ سے وجہ بھی پوچھی جاتی، میں کیا جواب دیتی بابا کو؟ تم مرد ہو کر اتنے بے بس اور مجبور بن رہے ہو اور میں لڑکی ہو کر انکار کرتی۔" ثانیہ کو اس پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔

"پھر بھی ثانی تمہیں انکار کر دینا چاہیے تھا میں سارہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"بابا مجھ سے وجہ پوچھتے تو کیا جواب دیتی میں؟"

"کچھ بھی کہہ دیتی، انہیں زوار کے بارے میں بتا دیتی، میں...... میں تمہارا ساتھ دیتا، تمہاری شادی زوار سے......"

"شٹ اپ روید، یہ کیا اول فول بک رہے ہو تم؟ زوار کا اس سارے قصے میں کیا ذکر؟" ثانیہ اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے بولی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم زوار میں انٹرسٹڈ ہو، مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی ضرورت......"

"بکواس بند کرو روید، تم اپنے مفاد کے لئے مجھ پر الزام لگا رہے ہو تم اتنا گر جاؤ گے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" ثانیہ کی غم و غصے سے بری حالت تھی وہ خود تو سارہ کا نام لے کر انکار نہیں کر سکتا تھا زوار کا نام لے کر ساری بات اس پر ڈال رہا تھا۔

"میں کوئی الزام نہیں لگا رہا میں سب جانتا ہوں۔"

"تم کچھ بھی نہیں جانتے اور جو جانتے ہو غلط جانتے ہو۔" ثانیہ نے فون بند کر کے دور صوفے پر پھینک دیا۔

"روید تمہیں عادت پڑ گئی ہے، میرے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کی۔" ثانیہ نے سر دونوں ہاتھوں تھامتے ہوئے افسوس سے سوچا۔

☆☆☆

شادی کی تیاریاں اپنے عروج پر تھی ندا اور سعود اسلام آباد سے آ گئے تھے ثانیہ نے دوبارہ روید سے کوئی بات نہ کی نہ ہی روید نے کوئی کوشش کی۔

"ثانی!" ندا نے ثانیہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے پکارا۔

"چلو بازار چلنا ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"کیوں؟" ثانیہ کے سوال پر ندا کی حیرت ہوئی۔

"تمہیں بتایا تھا نا آنٹی بری کے تمام سوٹ تمہاری پسند سے لینا چاہتی ہیں اور جیولری بھی پسند کر لینا۔"

"آپی آپ کی چوائس بہت اچھی ہے آپ اپنی پسند سے لے لینا سب کچھ۔" ثانیہ نے جان چھڑانی چاہی۔

"ثانی! کیا بات ہے تم ہر وقت کمرہ بند کیے کیوں بیٹھی رہتی ہو۔" ندا نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟"

"نہیں سر میں تھوڑا درد ہے اور ٹمپریچر بھی۔"

"ٹھیک ہے تم ٹیبلٹ لے کر آرام کرو۔" ندا نے پیار سے اس کا چہرہ تھپتھپایا گیا۔

"اوکے میں چلتی ہوں، چچی جان انتظار کر رہی ہوں گی۔" ندا نے اٹھتے ہوئے بولی اور پھر مڑی۔

"تم ٹیبلٹ یاد سے لے لینا۔" اسے یاد دلاتی وہ کمرے سے نکل گئی۔

ندا کے جانے کے بعد ثانیہ نے شال اپنے گرد لپیٹی اور باہر لان میں آ گئی، کین کی چیئر پر بیٹھ کر اس نے لمبے لمبے سانس لئے، کھلی فضا میں اسے اپنا بوجھل ہوتا سر کچھ بہتر محسوس ہوا، اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی، اس کی سوچوں کا رخ پھر سے روید اور سارہ کی طرف تھا نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

روید ٹیرس پر کھڑا یہ سب منظر دیکھ رہا تھا۔

"یہ زوار کے خیالوں میں گم ہے اسے زوار کو بھلانے میں مشکل ہو رہی ہے۔" روید نے ہونٹ کچلتے ہوئے سوچا دن بہ دن روید کی غلط فہمیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"کہاں ہو یار، تمہیں پورے گھر میں ڈھونڈ لیا اور تم یہاں کھڑے ہو۔" سعود بھائی کی آواز پر روید نے مڑ کر دیکھا سعود اس کے کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا روید دروازہ عبور کر کے کمرے میں آیا۔

"جی بھائی بولیں۔"

"یار تمہاری شادی کی شاپنگ ہو رہی ہے اور تم منہ پر بارہ بجائے ٹیرس پر کھڑے ہو۔" سعود اس کا ہاتھ پکڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہاں بیٹھو تم سے بات کرنی ہے۔" سعود نے ساتھ والے صوفے کی طرف اشارہ کیا روید خاموشی سے وہاں بیٹھ گیا۔

"یہ سارہ کا کیا چکر ہے؟" سعود نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو کس نے بتایا؟" روید قصداً انجان بنا۔

"ماما نے۔"

"آپ کو جب سب پتہ ہے تو پوچھ کیوں رہے ہیں؟"

"دیکھو روید یہ سب وقتی محبت ہوتی ہے، آج سے کئی سالوں بعد تمہیں ان باتوں پر ہنسی آئے گی جیسے مجھے آتی ہے۔" روید نے حیرت سے سعود بھائی کو دیکھا ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"میں بھی شادی سے پہلے اپنی کولیگ صباء میں بہت انٹرسٹڈ تھا مگر...... اب مجھے صرف یہ یاد ہے کہ ندا کو پارلر سے لینا ہے ندا کو شاپنگ کروانی ہے اب مجھے صرف ندا ہی ندا یاد رہتی ہے پرانی باتیں یاد کروں تو صرف ہنسی آتی ہے۔" روید عجیب سی نظروں سے سعود کو دیکھنے لگا، جیسے کہہ رہا ہو۔

"آپ تو صباء کو تو بھول گئے اگر ندا بھابھی کسی میں انٹرسٹڈ ہوتی تو کیا آپ انہیں بھی بھول جاتے، میں سارہ کو تو بھول جاؤں مگر زوار......" زوار کا مسکراتا چہرہ روید کی نظروں کے سامنے لہرایا۔

"تم بھی وقت کے ساتھ ساتھ سب بھول جاؤ گے ثانی بہت اچھی ہے اور تم دونوں میں تو بہت اچھی انڈر سٹینڈنگ ہے۔" روید کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا رہا پھر "ضروری کام" کا بہانہ لے کر جانے ہی لگا تھا کہ سعود نے دوبارہ بٹھا لیا۔

"میرے ساتھ شاپنگ پر چلو، تمہارا شادی اور ولیمے کے دن کے لئے سوٹ لینے ہیں۔"

"سوری بھائی میں نہیں جا سکتا آپ لوگ اپنی پسند کا لے آئیے گا۔"

"کیا مطلب اپنی پسند کا لے آؤں، اگر میری پسند کا سوٹ تمہیں اچھا نہ لگا تو......"

"جب آپ لوگوں کی پسند سے شادی کر سکتا ہوں تو سوٹ بھی آپ لوگوں کی پسند سے پہن لوں گا ڈونٹ وری۔" روید رکا نہیں فوراً کمرے سے چلا گیا۔

سعود پر سوچ نظروں سے دروازے کو دیکھے گیا اس نے ندا کو سارہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا اور ماما کو بھی منع کر دیا تھا کیونکہ کچھ بھی تھا ندا ثانیہ کی بہن تھی۔

☆☆☆

شادی میں شرکت کے لئے مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔

"میں نے تو جیسے ہی سنا روید اور ثانیہ کی شادی کا، میرا دل چاہا اڑ کر آ جاؤں کراچی۔" ریحانہ پھپھو کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"یار یہ دولہا میاں نظر نہیں آ رہے۔" شیراز نے گھر میں نظر دوڑاتے ہوئے سعود سے پوچھا۔

"باہر گیا ہوا ہے کسی کام سے، آنے والا ہو گا۔" سعود نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور ثانی مایوں بیٹھ گئی ہے کیا؟ دو گھنٹے ہو گئے آئی نہیں۔" شہزا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں تو صرف دو گھنٹے ہوئے ہیں مجھے دو ہفتے ہونے والے ہیں صرف ایک بار دیکھا ہے اسے، وہ یہاں تو کیا اپنے گھر میں بھی نظر نہیں آتی

وہ کمرہ بند مایوں میں بیٹھی ہے شاید۔'' سعود نے ہنستے ہوئے بتایا۔

ندا اور ذکیہ بیگم ہاتھ میں شاپنگ بیگز لئے گھر میں داخل ہوئیں، گھر میں مہمانوں کو دیکھ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''ارے ریحانہ آپا آپ کب آئیں؟'' ذکیہ بیگم کے چہرے پر خوشگوار حیرت تھی۔

''بس بھابھی دو گھنٹے ہوئے ہیں اماں نے بتایا آپ لوگ شاپنگ کے لئے گئے ہیں میں آپ لوگوں کا ہی انتظار کر رہی تھی۔'' ریحانہ اٹھ کر ذکیہ سے گلے ملیں۔

''السلام علیکم پھپھو۔'' ندا نے آگے بڑھ کر ریحانہ کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو۔'' ریحانہ نے خوشدلی سے جواب دیا۔

''کیسی ہو؟''

''بس پھپھو پوچھیں مت، آج کل تو مجھے بیک وقت دو دو رول پلے کرنا پڑ رہے ہیں، روید کی بھابھی اور ثانیہ کی بہن، دونوں طرف کی شاپنگ مجھے ہی کرنی ہے۔'' ندا شاپنگ بیگز سائیڈ پر رکھ کر صوفے پر ڈھے گئی اس کی تھکن سے بری حالت ہو رہی تھی۔

''کیسی شاپنگ کی ہے ہمیں بھی دکھائیں۔'' فروہ کو شاپنگ کا کریز تھا۔

''تم خود اٹھا کر دیکھ لو، بہت تھک گئی ہوں میں۔'' فروہ فوراً شاپنگ بیگز کی طرف بڑھی۔

''چائے بنواؤں تمہارے لئے؟'' سعود نے فکرمندی سے پوچھا۔

شیراز شرارت سے کھانسا، فروہ اور شزا کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

''واؤ زبردست۔'' فروہ ثانیہ کے لئے لئے ہوئے فراک اور شرارہ دیکھتے ہوئے بے ساختہ بولی۔

''ماشا اللہ بولتے ہیں، انگریزوں کی اولاد۔'' دادو نے فروہ کو گھورا۔

''اوہ سوری نانو۔'' فروہ نے فوراً معافی طلب نظروں سے نانو کو دیکھا، سارے سوٹ دیکھنے کے بعد فروہ وہاں سے اٹھ گئی۔

''میں تو ثانی سے ملنے جا رہی ہوں۔''

''میں بھی چلتی ہوں۔'' شزا بھی اٹھتے ہوئے بولی۔

''رکو میں بھی چلتا ہوں روید تو خدا جانے کب آئے۔'' شیراز بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔

شام تک تمام مہمان آ گئے تھے، دونوں گھروں میں رات ہونے والی مہندی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

ثانیہ، ندا کے ساتھ پارلر آ چکی تھی، بیوٹیشن کے ماہرانہ ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔

''یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا، روید سارہ کو نہیں بھولا تو...... اور اس نے مجھے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ وہ سارہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' ثانیہ خدشات کا شکار تھی۔

''آنکھیں بند کریں۔'' بیوٹیشن کے کہنے پر ثانیہ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

''میں روید کو بتا دوں گی کو جو وہ سوچ رہا ہے ایسا کچھ نہیں ہے زوار تو بس میرے ساتھ پڑھتا تھا، تین چار ملاقاتوں کے سوا ہم کبھی نہیں ملے اور ہم جب بھی ملتے تھے صرف پڑھائی کے متعلق باتیں ہوتی تھیں۔''

''آپ...... آپ کچھ کہہ رہی ہیں؟'' آئی میک اپ کرتی بیوٹیشن نے اسے بڑبڑاتے دیکھ کر پوچھا۔

''نہ...... نہیں۔'' ثانیہ محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔

وہ جب تیار ہو کر باہر نکلی تو ندا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی۔

''ثانی...... یہ تم ہو؟'' ندا کے تاثرات دیکھ کر ثانیہ مسکرائی۔

''ندا جلدی کرو دو بار انکل کا فون آ......'' گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے اندر آتے سعود کی نظر جیسے ہی ثانیہ پر پڑی وہ چونکا۔

''یہ...... یہ خاتون کون ہیں؟'' سعود نے ثانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ندا سے پوچھا اس کی آنکھوں میں شرارت تھی، ثانیہ خاموشی سے مسکرائی اور کوئی ٹائم ہوتا تو وہ ''خاتون'' لفظ پر سعود بھائی سے اچھا خاصا لڑتی۔

''یہ غالباً میری سالی ہیں؟'' سعود شرارت سے مسکرایا۔

''ٹھیک پہچانا آپ نے۔''

''بیوٹیشن کو داد دینی پڑے گی۔'' سعود کی بات پر ثانیہ نے مصنوعی ناراضگی سے سعود کو دیکھا۔

''کہاں ہے وہ بیوٹیشن، دل چاہ رہا ہے اس کے ہاتھ چوم......'' ندا نے کھا جانے والی نظروں سے سعود کو دیکھا اور جارحانہ تیور لئے اس کی طرف بڑھی، سعود فوراً دو قدم پیچھے ہٹا، باقی جملہ اس کے منہ میں ہی رہ گیا، ثانیہ چہرہ دوسری طرف کرتے ہوئے مسکرائی۔

''آپ ذرا گھر چلیں پھر آپ کو بتاؤں گی۔''

''سوری یار، زبان پھسل گئی تھی۔'' سعود نے معذرت کی، ندا کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ سعود کا موبائل بجا، اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

''جی بابا، جی بس ہم پہنچ رہے ہیں۔''

''جلدی کرو بابا ڈانٹ رہے ہیں۔'' سعود نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے ان دونوں کو چلنے کا اشارہ کیا اور خود آگے چل پڑا۔

جب تک وہ ہال میں پہنچے اچھے خاصے مہمان آ چکے تھے سعود جیسے ہی ہال میں داخل ہوا اسے فوراً بابا نے بلوا لیا۔

''واؤ آج تو ثانی قیامت ڈھا رہی ہے۔'' بڑی پھپھو کی نوریہ کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

''جوڑی زبردست لگ رہی ہے۔'' کسی نے تیز آواز میں جوڑی کو سراہا مووی میکر الرٹ ہو گیا تھا، کچھ کزنز اپنے موبائل نکالے اس یادگار لمحے کو اپنے پاس محفوظ کر رہے تھے۔

''آپ یہاں کھڑے وہاں دو تین خواتین نے ندا بھابھی کو پسند بھی کر لیا ہے۔'' شزا نے اردگرد نظر گھماتے ہوئے سعود بھائی کو کہا۔

''کیا مطلب؟'' سعود کچھ نہ سمجھا۔

''مطلب یہ کہ کچھ دیر پہلے ایک خاتون بڑے اشتیاق سے مجھ سے ندا بھابھی کے بارے میں پوچھ رہی تھی کہ یہ لڑکی کون ہے؟ میں نے کہا میرے ماموں کی بیٹی، تو مجھ سے کہنے لگیں کہ مجھے اس لڑکی کی والدہ سے ملوا دو، میرا بیٹا کسٹم آفیسر ہے وہ اپنے بیٹے کے لئے ندا بھابھی کا رشتہ مانگنا چاہ رہی تھی ممانی سے۔'' شزا نے شرارت سے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

''کیا؟ میری بیوی کا رشتہ؟ کہاں ہیں وہ خاتون؟'' سعود نے غضبناک تیور لئے پوچھا۔

''ان خاتون کو چھوڑیں جا کر اپنی خاتون کو سنبھالیں اس سے پہلے کہ کوئی اور خاتون ممانی تک پہنچ جائیں ندا بھابھی کا رشتہ لینے۔''

''ہے کہاں وہ؟ اتنی دیر سے ڈھونڈ رہا ہوں۔'' سعود نے بے تابی سے پوچھا۔

''وہ اسٹیج کے سامنے رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھی خواتین سے مٹھار مٹھار کر گفتگو کر رہی ہیں۔''

سعود فوراً ندا کے سر پر کھڑا تھا، پھر وہ جہاں جاتی اس کے ساتھ ہو لیتا۔

"سعود! کوئی کام ہے؟" ندا کو اس کے ایسے ساتھ ساتھ پھرنے سے ٹینشن ہو رہی تھی۔

"نہیں۔" سعود نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر ایسے پیچھے پیچھے کیوں پھر رہے ہیں؟"

"تمہیں اتنا تیار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔" سعود نے اس کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟ بری لگ رہی ہوں؟" ندا نے پریشانی سے پوچھا۔

"بری نہیں بلکہ بہت اچھی لگ رہی ہو، اور یہی تو پرابلم ہے کہ تم اتنی اچھی لگ رہی ہو کہ دو تین خواتین تمہارا رشتہ مانگنے کا بھی سوچ چکی ہیں۔"

"کیا؟" ندا حیرت سے چلائی۔

"ریئلی ابھی شزا نے بتایا ہے۔" ندا منہ پر ہاتھ رکھے بے تحاشا ہنسے گئی۔

"چلو آؤ اسٹیج پر چلتے ہیں، کچھ تصویریں ہم بھی بنوا لیتے ہیں۔" سعود اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسٹیج کی طرف چل پڑا۔

نکاح کے بعد کھانے کا دور شروع ہوا۔ کھانے کے بعد سعود نے بھنگڑے ڈالتی ینگ پارٹی کو اپنا بستر گول کرنے کا حکم دیا، کیونکہ اوپر سے آرڈر آ چکے تھے کہ رخصتی کی تیاری کرو۔

سب نے منہ بسورتے واپسی کی راہ لی۔ ان کا ارادہ ابھی ایک دو گھنٹے اور بھنگڑے ڈالنے کا تھا۔

رخصتی کے وقت ثانیہ کو دھواں دھار روتے دیکھ کر سب ہی حیران تھے۔ ثانیہ قریب کھڑے سعود بھائی سے لگ کر بے تحاشا رو رہی تھی۔ سعود اس افتاد پر بوکھلا گیا۔

"ثانی چپ ہو جاؤ تم کوئی دور تھوڑی جا رہی ہو۔" سعود نے چپ کروانے کے باوجود وہ روئے جا رہی تھی۔ سعود نے مدد طلب نظروں سے ندا کو دیکھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ثانی ایسے کیوں رو رہی ہے۔

"اسے زوار یاد آ رہا ہوگا، اسی کے لیے رو رہی ہے۔" روید نے ہونٹ کچلتے ہوئے سوچا اس کے ماتھے پر بل آ گئے۔ وہ سارا راستہ غصے میں کڑھتا رہا۔

☆☆☆

"روید!" ثانی نے ہمت کر کے خود ہی اسے پکارا۔ وہ صوفے پر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا یونہی خاموش بیٹھا تھا۔ ثانی منتظر تھی کہ وہ کچھ بولے تو وہ اس کی تمام غلط فہمیاں دور کر دے گی۔ اسے بتا دے گی کہ جو وہ سوچ رہا ہے ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

"ہمیں پرانی باتوں کو بھلا دینا چاہیے یہی ہمارے لیے اچھا ہے سارہ تمہارا ماضی تھی مجھے تمہارے ماضی پر کوئی اعتراض نہیں ہے اگر تم اسے بھول جاؤ تو ہم بہت اچھی زندگی گزار......"

"سارہ کو تو بھول جاؤں گا مگر زوار کو کیسے بھولوں؟؟" روید نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں غم و غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو روید، ایسا کچھ بھی نہیں۔" ثانی نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی مگر روید نے اس کی بات کاٹ دی۔

"شٹ اپ، مجھے بیوقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔" روید نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

ثانیہ نے بہت کوشش کی کہ اس کی غلط فہمی دور ہو جائے مگر وہ...... وہ تو کچھ سننے کو تیار ہی

نہیں تھا۔ اس کے خیال میں جو وہ سوچ رہا تھا وہ سچ تھا اور باقی سب جھوٹ۔

☆☆☆

سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ سردی کا احساس ثانی کو ماضی سے حال میں لے آیا تھا۔ روید کے رویے سے اسے بہت دکھ پہنچا تھا اسے جب بھی موقع ملتا زوار کا ذکر کر کے اسے ٹارچر کرتا۔ اب تو ثانیہ نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش ترک کر دی تھی۔

"چلو اگر فرض کر لیا جائے کہ روید جو سوچ رہا ہے وہ سچ ہے تو بھی روید کو میرے ساتھ ایسا سلوک روا رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ خود بھی تو سارہ میں انٹرسٹڈ تھا بلکہ اب بھی ہے۔ یہ تو اس کی نظر میں کوئی بری بات نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کی جگہ میں ایسا کروں تو وہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہے...... ہنہ مرد...... الگ الگ معیار ہوتے ہیں ان کے، خود تو جو بھی کریں جب میں سب کچھ بھول سکتی ہوں تو وہ زوار کو نہیں بھول سکتا۔ وہ زوار جس سے میری گنتی کی تین چار ملاقاتیں ہوئی تھیں جس سے میرا انسانیت کے علاوہ کوئی رشتہ نہ تھا۔ اور یہ تھا کہ وہ میرا کلاس فیلو تھا۔ اس نے ایک بار مجھے گھر ڈراپ کر دیا تھا اور اس کی ماں کی وفات پر میں سب کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی تھی۔" ان دو تین باتوں کو لے کر روید نے جانے کیا کچھ سوچ لیا تھا۔

"تمہارا جو دل چاہے سوچو تم اب بھلے غلط فہمیوں کا شکار رہو میری بلا سے۔"

محبتوں میں ہوس کے اسیر ہم بھی نہیں
غلط نہ جان اتنے حقیر ہم بھی نہیں
نہیں ہو تم بھی قیامت کی تند و تیز ہوا
کسی کے نقش قدم کی لکیر ہم بھی نہیں
ہمیں مار دیے ہماری انا کو قتل نہ کر
کہ بے ضرر سہی محسن بے ضمیر ہم بھی نہیں

☆☆☆

ثانیہ پچھلے آدھے گھنٹے سے وارڈروب میں کپڑے سیٹ کر رہی تھی۔ روید نے ٹی وی کا والیم تیز کر کے اسے میچ کی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر وہ بڑے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ روید نے جھنجھلاتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ آج کل ارد گرد سے بیگانہ ہو کر خود کو فضول سے کاموں میں الجھائے رکھتی تھی۔

روید کو وہ ثانیہ یاد آئی جو کرکٹ کی دیوانی تھی۔

"ہا...... ہوا!" آفریدی کے چھکے پر ثانیہ خوشی سے چلائی اور ساتھ ہی نغمہ۔

"ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے ہاں جیتیں گے۔" ثانیہ نے کوک کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا مگر روید نے ٹوک دیا۔

"ثانی چٹوری، ندیدی...... اتنا مت کھاؤ پھول کر کپا بن جاؤ گی۔"

"شرم کرو روید میں تمہارے گھر مہمان ہوں اور تم میرا کھانا گن رہے ہو۔" ثانی نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"تم مہمان نہیں وبال جان ہو۔" روید نے اسے چڑایا۔

"دادو۔" ثانیہ نے تسبیح ہاتھ میں لیے بیٹھی دادو کو پکارا۔ وہ اسکرین پر نظریں جمائے بڑے غور سے میچ دیکھ رہی تھیں۔ ثانیہ کے پکارنے پر بھی متوجہ نہ ہوئیں۔

"دادو دیکھیں آپ کا پوتا مجھے گھر سے نکال رہا ہے۔"

"میں نے ایسا کب کہا؟" روید نے اسے گھورا۔

"جھوٹ بول رہی ہو جنت میں نہیں جانا

کیا؟"
"جھوٹے ہو گئے تم......تم نے خود مجھے ابھی وبال جان کہا ہے۔" ثانیہ نے روہانسی آواز میں کہا۔
"چپ کرو چپ، دیکھو میچ کتنی سخت صورتحال اختیار کر گیا ہے ابھی بیچارا بچہ آؤٹ ہوتے ہوتے بچا ہے۔" دادو ان دونوں کی تکرار سے ڈسٹرب ہوئی۔
آفریدی کو بیچارا بچہ کہنے پر روید اور ثانیہ کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔
رمیز راجہ کی تیز آواز سے روید حال میں لوٹ آیا۔ ثانیہ کپڑے سیٹ کرنے کے بعد ٹیبل پر رکھا میگزین اٹھائے بڑے انہماک سے پڑھ رہی تھی۔ روید کو اس کی فضول سی مصروفیت پر بہت غصہ آیا۔ یہ میگزین پچھلے کئی ہفتوں سے یہیں پڑا تھا اور ثانیہ تقریباً روز ہی اسے میگزین کو پڑھتی تھی۔
"میں ایک میگزین دو تین دن کے اندر پڑھ لیتی ہوں اور کسی بھی چیز کو دوبارہ پڑھتے ہوئے مجھے بوریت ہوتی ہے۔" روید کو ثانیہ کا کہا ہوا جملہ یاد آیا۔
"اسے تو ایک چیز کو بار بار پڑھنے سے بوریت ہوتی تھی اور اب کتنے ہفتوں سے یہ اس میگزین کو ڈیلی پڑھتی ہے کہیں یہ اس میگزین میں منہ دیئے زوار کی یادوں میں گم......" روید کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں اس نے لب بھینچتے ہوئے اسے دیکھا مگر وہ تو اردگرد سے بیگانہ میگزین پڑھ رہی تھی۔
روید نے غصے سے ریموٹ دیوار پر دے مارا۔ ریموٹ ٹوٹنے کی آواز پر ثانیہ نے حیرت سے روید کو دیکھا جو قہر آلود نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ثانیہ کو اس کے رویے کی سمجھ نہ آئی اب اس نے ایسا کیا کیا تھا جو روید اتنے غصے میں تھا۔ اسے یاد کرنے پر بھی اپنی کوئی غلطی یاد نہ آئی۔
"تم اپنا یہ ضروری کام باہر جا کر کر لو۔ میں لائٹ آف کر رہا ہوں تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اپنی اتنی تذلیل پر ثانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ فوراً کمرے سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد روید غصے سے ہونٹ کچلتا رہا۔
دلوں میں فرق آ جائے تو اس برباد ساعت میں دلیلیں، منطقیں اور فلسفے بیکار ہوتے ہیں

☆☆☆

وہ کچن کی دیوار سے لگی روید کے رویے پر غور کر رہی تھی۔ چولہے پر رکھی چائے اپنی حالت پر توجہ کناں تھی وہ پک پک کر اپنا اصل رنگ کھو چکی تھی۔ ثانیہ اردگرد سے بیگانہ تھی۔ اس پتہ ہی نہیں چلا کب روید کچن میں داخل ہوا۔ کپ زور سے پٹخنے کی آواز پر اس نے چونک کر سامنے کھڑے روید کو دیکھا جو ماتھے پر سلوٹیں لیے ہونٹ بھینچے اسے ہی گھور رہا تھا۔ وہ کچن میں روید کے لیے چائے بنانے آئی تھی۔ کافی دیر تک چائے کا انتظار کرنے کے بعد روید خود کچن میں آ گیا تھا۔ اسے ایسے سوچوں میں گم دیکھ کر اسے بے تحاشا غصہ آیا۔ کچھ دیر اسے گھورنے کے بعد وہ واپس مڑ گیا۔

☆☆☆

روید جب سے آفس سے آیا تھا۔ کچھ کھائے پیئے بغیر منہ پر تکیہ رکھے لیٹا تھا۔ ثانیہ اس کی اداسی نوٹ کر رہی تھی۔ وہ تین بار اس سے کھانے کا پوچھ چکی تھی۔ مگر ہر بار اس کا جواب انکار تھا۔ ثانیہ ہمت کر کے دوبارہ کمرے میں آئی۔
"روید! کھانا لاؤں؟" ثانیہ نے یک ٹک

چھت کو تکتے روید سے پوچھا۔
"نہیں۔" اس کے انکار پر ثانیہ واپسی کے لیے مڑی۔
"ثانی۔" روید کے پکارنے پر ثانیہ کے قدم رک گئے۔ اسے خوشگوار حیرت ہوئی بہت عرصے بعد روید کے لہجے میں اتنی نرمی تھی۔
"یہاں بیٹھو مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" روید بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ثانیہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔
"آج سارہ ملی تھی۔"
"کیا تمہاری اور میری زندگی میں سارہ اور زوار کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے روید، کیا تم مجھ سے تب ہی مخاطب ہو گے جب تمہیں زوار کا نام لے کر مجھے ہٹ کرنا ہو گا یا سارہ کے متعلق بات کرنی ہو گی۔" ثانیہ نے دکھ سے سوچا۔
"اس نے شادی کر لی ہے جانتی ہو۔ اس نے مجھے دیکھ کر بیگانوں کی طرح سے منہ پھیر لیا تھا مگر میں پھر بھی اس کے پیچھے گیا۔ اس نے مجھے بری طرح جھڑک دیا۔ اس نے کہا اگر میں نے اس سے دوبارہ بات کرنے کی کوشش کی تو وہ لوگوں کو اکٹھا کر لے گی کہ میں اسے تنگ کر رہا ہوں۔ ثانی میں نے اسے پرانی محبت بھی یاد دلائی۔ مگر وہ صاف مکر گئی کہ کیسی محبت؟ کونسی محبت؟؟ ثانی اس نے اتنا عرصہ جھوٹی محبت کا ڈرامہ رچا کر میرے جذبات کو مجروح کیا۔" روید کی آواز میں دکھ تھا۔
"وہ کہہ رہی تھی اسے مجھ سے بہتر مل گیا ہے۔ ثانی جس سے محبت ہوتی ہے اس سے بہتر کوئی لگتا ہے اس دنیا میں؟" اس نے ثانیہ سے اپنی بات کی تائید چاہی۔
"نہیں۔" ثانی نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"جس سے محبت ہو جائے اس سے بہتر کوئی نہیں لگتا۔ بھلے وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔" ثانیہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔
"شاید اسے تم سے محبت تھی ہی نہیں کیونکہ محبت کبھی ختم نہیں ہوتی نہ کبھی مرتی یہ جوں کی توں ہمارے دلوں میں برقرار رہتی ہے چاہے آندھی آئے یا طوفان جو ایک بار دل کی مسند پر بیٹھ جائے تاحیات وہیں رہتا ہے کوئی دوسرا اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔" روید نے جو اس سے اپنا دکھ شیئر کر رہا تھا اس کی باتوں پر چونک گیا۔ اس نے ثانیہ کی باتوں کا وہی مطلب لیا جو اسے لینا چاہیے تھا۔
"زوار اس کے دل کی مسند پر بیٹھ چکا ہے اور وہ اس کی جگہ کبھی نہیں لے سکتا۔" ثانیہ کے اتنے کھلے اعتراف پر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اگلے ہی لمحے اس کا دایاں ہاتھ گھوما۔
"چٹاخ۔" ثانیہ حیرت سے گنگ کچھ بول بھی نہ پائی۔
"تم اتنی گر چکی ہو اتنی بے غیرتی مجھے بتا رہی ہو کہ میں تمہارا شوہر ہو کر بھی زوار کی جگہ نہیں لے سکتا۔" روید خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
آنکھوں میں آنسو لیے بایاں ہاتھ گال پر رکھے تو حق دق سی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی باتوں کا یہ مطلب لے گا۔
"میں تم جیسی عورت کے ساتھ ایک منٹ نہیں رہ سکتا، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"
"میں بھی تم جیسے گھٹیا انسان کے ساتھ ایک منٹ نہیں رہنا چاہوں گی، تمہاری سوچ بھی تمہاری طرح گھٹیا ہے۔" ثانیہ جانے کے لیے اٹھی مگر روید نے سختی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔
"اچھا میں گھٹیا ہوں، میری سوچ گھٹیا ہے،

تم پارسا ہوتا؟ وہ کون ہے جسے اپنے دل کی مسند پر بٹھایا ہوا ہے جس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا؟''
روید نے قہر ساتی نظروں سے سوال کیا۔

''وہ جو بھی تھا آج میری نظروں سے گر چکا ہے آج مجھے اندازہ ہوا ہے کہ وہ شخص اس قابل تھا ہی نہیں کہ اس سے محبت کی جا سکے۔ روید تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے محبت کی جائے، تم انتہائی خود غرض انسان ہو۔ تمہیں میں اس وقت نظر آتی ہوں جب مجھ سے کوئی غرض ہوتا ہے، تمہیں کبھی میری محبت نظر ہی نہیں آئی، تمہیں کبھی نظر ہی نہیں آیا جب تم سارا سارہ کا راگ الاپتے ہو، میرا دل کتنا دکھتا ہے مگر میں تمہاری خوشی کے لیے تمہارا ساتھ دیتی رہی۔ کبھی تم پر اپنے جذبات ظاہر بھی نہ ہونے دیئے کیونکہ مجھے ہر صورت تمہاری خوشی عزیز تھی۔'' ثانیہ آنکھوں میں آنسو لیے بولے جا رہی تھی۔ روید ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ اس میں ہمت نہیں تھی کہ ایک لفظ بھی بول سکے۔ ثانیہ کے بازو پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ ثانیہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر روید کا ذہن تو شروع کے جملوں میں الجھا ہوا تھا۔

ثانیہ جا چکی تھی اس نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے کانوں میں ثانیہ کے کہے ہوئے جملے گونج رہے تھے وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیڈ پر بیٹھا تھا۔ اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی غلطیوں کا ازالہ کیسے کرے گا۔
اسے لگا وہ اب کبھی ثانیہ کا سامنا نہیں کر پائے گا۔

☆☆☆

''تم سچ سچ بتاؤ تمہاری اور ثانیہ کی لڑائی ہوئی ہے؟'' دادو بڑے غور سے روید کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

ثانیہ کو گئے ہوئے چار پانچ دن ہو گئے تھے مگر ثانیہ نے ایک بار بھی انہیں شکل نہیں دکھائی تھی۔

''نہیں دادو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' آفس کے لیے نکلتے روید نے انہیں تسلی دینی چاہی۔ مگر وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''آج ہر صورت اسے منا کر گھر لے آؤ۔'' دادو کو اندازہ تھا کہ روید نے ان کی لاڈلی پوتی کو ناراض کر دیا ہے اسے اٹھتے دیکھ کر دادو نے حکم صادر کیا۔

روید ''جی'' کہتا آفس کے لیے چل پڑا۔

''تم آج بھی حیدر کے گھر نہیں گئے؟'' وہ آفس سے آ کر باہر چلا گیا تھا۔ رات گئے لوٹا تو دادو اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

''دادو آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میری اور ثانیہ کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر پھر بھی میں آپ کی خوشی کے لیے کل جاؤں گا۔ آج تو میں بہت تھک گیا ہوں۔'' روید اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

''روید! بیٹا کھانا لاؤں؟''

''نہیں ماما میں باہر سے کھا کر آیا ہوں۔'' وہ جواب دے کر سیڑھیاں پھلانگتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

زکیہ بیگم کے چہرے پر پریشانی کے اثرات تھے۔ آج پانچ دن ہو گئے تھے۔ وہ جب بھی اس سے کھانے کا پوچھتی وہ ایک ہی جواب دیتا۔ پتہ نہیں وہ باہر کھا کر بھی آتا تھا کہ نہیں۔

روید نے دادو سے کل جانے کا کہا تھا مگر وہ کل بھی خود میں ہمت نہ کر پایا۔ وہ بہت زیادہ شرمندہ تھا۔

☆☆☆

کبھی شکستوں کے دکھ اٹھائے تو اس سے پوچھوں
وہ میری مانند ٹوٹ جائے تو اس سے پوچھوں

اسے بھی کوئی ستارہ منزل سے دور کر دے
اسے بھی رستہ نظر نہ آئے تو اس سے پوچھوں
سفر میں وہ بھی کسی کڑے امتحان سے گزرے
اسے بھی یوں کوئی آزمائے تو اس سے پوچھوں
اسے محبت میں کونسا دکھ دیا ہے میں نے
کبھی نظر سے نظر ملائے تو اس سے پوچھوں
میری طرح دن چڑھے تلک وہ بھی سوئے سالک
اسے بھی شب بھر نیند نہ آئے تو اس سے پوچھوں

ثانیہ لان میں چیئر پر بیٹھی فضا میں نہ جانے کیا دیکھ رہی تھی۔ آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے گھر آئے ہوئے مگر روید نے نہ تو اس سے اپنے رویئے کی معافی مانگی تھی اور نہ ہی اسے منانے کی کوشش کی تھی۔

آج اتوار تھا روید چائے کا مگ لیے ٹیرس پر کھڑا اپنا احتساب کر رہا تھا۔ اس کی نظر جیسے ہی حیدر انکل کے لان میں پڑی۔ خلا میں گھورتی ثانیہ کو دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا۔ ثانیہ کے آنسو اسے اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے۔

''اپنی غلطیوں کا ازالہ جتنی جلدی ہو سکے کر لینا چاہیے۔'' روید مڑا اور اپنے کمرے سے نکلتا تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا حیدر انکل کے گھر پہنچ گیا۔ ثانیہ اردگرد سے بے نیاز اپنی سوچوں میں گم تھی اسے روید کی آمد کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ روید نے گلا کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔ روید پر نظر پڑتے ہی ثانیہ نے ناگواری سے منہ پھیرتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔

''میں مانتا ہوں میں نے بہت غلط کیا۔ میں اپنی غلطیوں کو تسلیم کرتا ہوں میں نے اتنا عرصہ بہت ہرٹ کیا تمہیں، میں بہت شرمندہ ہوں۔ یہ پچھلے سات دن بس شرمندگی میں گزرے ہیں، میں اتنا شرمندہ تھا کہ تم سے معافی مانگنے بھی نہ آ سکا۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔'' روید

کا سر ندامت سے جھکا ہوا تھا۔
''آئی ایم سوری ثانی...... آئی ایم رئیلی سوری۔'' وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔
''مجھے معاف کر دو پلیز۔'' وہ معافی طلب نظروں سے ثانیہ کو دیکھ رہا تھا۔
''میرے ساتھ گھر چلو نہیں تو دادو مجھے گھر سے نکال دیں گی۔'' روید نے چہرے پر مسکینیت طاری کرتے ہوئے کہا۔
ثانیہ کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی جسے اس نے فوراً چھپا لیا تھا۔
''تمہیں میری بالکل پرواہ نہیں ہے تم کیسی بیوی ہو ثانی؟'' ثانی کو کندھے اچکتے دیکھ کر روید نے مصنوعی خفگی سے کہا۔
''تم نے بھی تو میری بالکل پرواہ نہیں کی، تم کیسے شوہر ہو روید۔'' برجستہ جواب پر روید مسکرا دیا۔
''اب...... اب کروں گا نا پرواہ، اپنی تمام غلطیوں کا ازالہ کرونگا، میری وجہ سے کبھی تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے، ہاتھ اٹھانا تو دور کی بات تمہیں کبھی غصے سے گھوروں گا بھی نہیں۔'' روید اس تھپڑ پر بھی بہت نادم تھا۔
''سارہ اور زوار کو بھول جاؤ گے؟'' ثانی نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
''ثانی میں آل ریڈی بہت شرمندہ ہوں پلیز مجھے اور شرمندہ مت کرو۔'' روید نے التجائیہ انداز میں کہا۔
''زوار سے ریلیٹڈ تمام مس انڈرسٹینڈنگز دور ہو چکی ہیں اور سارہ...... ثانی ان دنوں مجھ پر یہ بات عیاں ہوئی ہے کہ اصل محبت تو میں شروع سے تم سے ہی کرتا تھا مگر مجھے اس کا ادراک نہیں تھا۔'' ثانی کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت تھی مگر اس نے روید پر ظاہر نہ ہونے دی، اس کا روید کو تھوڑا ستانے کا پروگرام تھا۔
''میں تمہیں معاف نہیں کرونگی روید اور نہ ہی تمہارے ساتھ گھر جاؤنگی۔''
''ثانی! پلیز مان جاؤ، پتہ ہے دادو نے مجھے آج کا الٹی میٹم دیا ہوا ہے اگر آج گھر نہ چلی تو وہ مجھے بھی گھر سے نکال دیں گی اور تمہیں پتہ ہے وہ اپنی لاڈلی پوتی کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔'' روید کے لہجے میں بیچارگی تھی۔
''اب تو یہی ہو سکتا ہے میں تمہیں گا گا کر مناؤں جیسے فلموں میں ہیرو ہیروئن کو مناتے ہیں روید ''روٹھے ہو تم'' گانا شروع ہو چکا تھا۔
ثانی نے دونوں ہاتھ کان پر رکھ لئے تھے اس کے لگائے ہوئے سروں کو ہضم کرنا بہت مشکل تھا۔
''میں مان گئی بس تم گانا بند کرو۔'' ثانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''اتنا اچھا گا رہا تھا سارا موڈ خراب کر دیا تم نے۔'' روید نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا۔
''یہ میرا دل جانتا ہے تم کیسا لگا رہے تھے پلیز آئندہ کبھی مجھے گانا سنا کر مت منانا۔'' ثانیہ اٹھتے ہوئے بولی، روید بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔
''روی! تمہارے ماتھے کی سلوٹیں کہاں گئیں جو کچھ دن پہلے ہمہ وقت تمہارے ماتھے پر رہتی تھی؟''
''ان سلوٹوں کو میں نے استری سے دور کر دیا ہے اب کبھی نہیں آئیں گی۔'' روید نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''اور وہ جو تم ہر وقت غصے میں دھاڑتے رہتے تھے۔''
''اب میری مجال نہیں ہے کہ تم سے تیز

آواز میں بات بھی کروں۔''
''اور وہ جو تم نے میرے ٹی وی کا ریموٹ توڑ دیا ہے۔'' ثانیہ کو اس ریموٹ کا بھی بڑا دکھ تھا۔
''نیا لے دونگا۔''
''اور وہ تھپڑ۔'' ثانیہ کا ہاتھ بے ساختہ اپنے بائیں گال کی طرف گیا جیسے ابھی ابھی تھپڑ لگا ہو، روید اس کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے فوراً اس کے سامنے کھڑا ہو گا۔
''ایسا کرو تم بھی میرے منہ پر ایک ایسا ہی تھپڑ مار دو حساب برابر ہو جائے گا۔'' ثانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا وہ مذاق نہیں کر رہا تھا وہ سنجیدہ تھا۔
''مارو۔''
''نہیں۔'' ثانیہ نفی میں سر ہلاتی دو قدم پیچھے ہٹی۔
''چلو پھر اس تھپڑ کا جو تم کہو گی وہ ازالہ کر دونگا۔'' روید پھر سے اس کے ساتھ چلنے لگا، حیدر ولا سے نکلتے ہی ان کی نظر چوہدری صاحب کے گھر پر پڑی۔
چوہدری صاحب دھوتی بنیان میں ملبوس گیٹ کے باہر کرسی بچھائے بیٹھے تھے ان پر نظر پڑتے ہی ثانیہ اور روید کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔
''کیا ہوا چوہدری انکل، آپ اتنی صبح صبح یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟''
''پتہ نہیں کون کمبخت بار بار بیل بجا کر بھاگ رہا ہے۔'' چوہدری صاحب نے دکھی ہوتے ہوئے بتایا۔
روید کی نظر فوراً ثانیہ پر پڑی، اس کے چہرے پر بھی ایسے ہی تاثرات تھے جیسے روید کے چہرے پر تھے، پھر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔
''جانے اب کون چوہدری صاحب کے پیچھے پڑ گیا تھا۔''
''اوہ بہت بری بات ہے ایسے کسی کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔' روید نے مدبرانہ انداز میں کہا ثانیہ نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی چھپائی۔
''وہ جو کوئی بھی تھا آئی تھنک اب نہیں آئے گا۔'' روید ایک نظر سنسان گلی پر دوڑائی، اس پل ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ روید سے زیادہ چوہدری صاحب کا غمگسار کوئی نہیں ہے۔
''آپ بے فکر ہو کر گھر جا آرام کریں۔'' روید نے محبت سے کہا چوہدری صاحب اپنی کرسی اٹھائے واپس گھر کے اندر چلے گئے۔
چوہدری صاحب کے جاتے ہی روید کے چہرے سے سنجیدگی غائب ہو گئی وہ آنکھوں میں شرارت لئے ثانی کو دیکھ رہا تھا، وہ اس کا ارادہ بھانپ گئی تھی اگلے ہی لمحے روید کا ہاتھ بیل پر تھا بیل بجا کر اس نے ثانی کا ہاتھ پکڑا اور گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔
قارئین زندگی اتنی مشکل نہیں ہوتی جتنا ہم اسے مشکل بنا دیتے ہیں، ہم خود ہی اپنے دماغ سے جانے کیا کچھ اخذ کرتے رہتے ہیں اور پھر اسے ہی حقیقت سمجھتے ہیں اور اس حقیقت سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہوتے حالانکہ اکثر تو آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا، دوسرے کو ایک بار صفائی پیش کرنے کا موقع ضرور دیں، زندگی بہت آسان ہو جائے گی جیسے روید اور ثانیہ کی۔

☆☆☆

تحسین اختر

میں نے پوچھا کیسے ہو؟
بدلے ہو یا ویسے ہو
روپ وہی انداز وہی
یا پھر
اس میں کمی ہوئی
ہجر کا کچھ احساس تو ہوگا
کوئی تمہارے پاس تو ہوگا

میں بچھڑا یہ مجبوری تھی
کب منظور مجھے دوری تھی
ساتھ ہمارا کب چھوٹا تھا
روح کا رشتہ کب ٹوٹا تھا
آنکھ سے جو آنسو بہتے ہیں
تم کو خبر ہے کیا کہتے ہیں
میں نے کہا!

ناولٹ

آواز تمہاری
آج بھی ہے ہم راز ہماری
پھول وفا کے کھل جائیں گے
اک دن ہم پھر مل جائیں گے

"مظہر جمال...... مظہر جمال۔" بوڑھی دادی کی آواز گھر کے در و بام سے ٹکرا کر واپس پلٹ رہی تھی اور جسے پکارا جا رہا تھا وہ اپنے کمرے کی ایک کھڑکی میں بیٹھا اس دشمن جاں کی یادوں میں گم تھا جس نے اسے اب کہیں کا نہیں چھوڑا تھا، نہ وہ اپنا رہا تھا اور نہ کسی اور کا بننے کے لائق اور تو اور بوڑھی دادی ماں جس میں مظہر جمال کی جان تھی اب تو وہ بھی بس پکارے جاتی تھیں اور ان کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکراتی ہی نہ تھی۔

دسمبر کا اختتام ہونے کو تھا، ہر چیز پر سردی شدت کی وجہ سے ایک ٹھٹھرا دینے والی کیفیت چھائی ہوئی تھی، سرشام ہی لوگ ہیٹر اور آگ جلا کر کمروں میں دبک جاتے اور اگر باہر نکلنا بھی

پڑتا تو نہایت مجبوری کی حالت میں، محکمہ موسمیات والے کہتے تھے کہ پچھلے کئی سالوں کا ریکارڈ اس سال کی سردی نے توڑ دیا ہے، لیکن ایک وہ تھا موسموں کی سب شدتوں سے بے نیاز، ہلکے پھلکے کپڑے تن پر سجے تھے اور بڑی سی کھڑکی کھولے اس میں بیٹھے تھے، جس کے راستے خنکی سے لبریز ہوا جسم و جاں کو اکڑاتی تھی مگر مظہر جمال کچھ عرصے سے ساری حسیات سے بے نیاز سے ہو گئے تھے، ابھی بھی ٹھنڈی ہوا کے جسم سے ٹکراتی ضرور تھی مگر ان میں کوئی احساس نہ جگا پاتی تھی۔

''مظہر جمال!'' دادی ماں بالآخر انہیں آوازیں دیتے دیتے ان کے کمرے تک آ ہی گئی تھیں، وہ ہمیشہ مظہر کو پورے نام کے ساتھ پکارتی تھیں جمال ان کا لاڈلا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کے گزر جانے کے بعد مظہر اس لاڈلے اکلوتے مرحوم بیٹے کی اکلوتی نشانی، وہ مظہر کو پکارتیں تو ساتھ اپنے جمال کو پکارنا نہ بھولتی تھیں، مظہر جمال ان کی نسل کا امین ان کے مستقبل کا وارث ہی نہیں ان کے جمال کا خون اور اس کی ہو بہو کاپی بھی تھا، اس لئے ان کی جان اس میں مقید تھی۔

''ہوں، جی دادی جان!'' دادی ماں کے بوڑھے ہاتھوں کے لمس نے مظہر کو سوچوں کے گرداب سے باہر لا پھینکا تھا اور اسے کچھ ارد گرد کا ہوش آیا تھا۔

''بند کرو یہ کھڑکی، کیسے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی ہے اور تمہیں کچھ خبر نہیں ہے، کیسے تمہارے ہاتھ برف ہو رہے ہیں۔'' دادی ماں نے فکر مندی سے کہا تھا اور وہ کھڑکی بند کر کے پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''ریاض کا فون آیا تھا، اس کی بہن نسیم اختر کی شادی ہو رہی ہے، بچے نے ہمیں بڑی محبت سے بلایا ہے، اس ہفتے کے آخر میں گاؤں جانا ہو گا ہمیں۔

''لیکن دادی ماں میں وہاں جا کر کیا کروں گا، آپ کو پتہ ہے مجھے ایسی تقریبات سے کتنی چڑ ہے اور پھر اس ہفتے کے آخر میں تو میرے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں ہے، میں آفس میں بہت مصروف ہوں گا، آپ ایسا کریں شہناز کو ساتھ لے جائیں۔'' اس نے دادی ماں کی بات سن کر فوراً کہا تھا۔

''لو اگر مجھے شہناز کو ہی ساتھ لے جانا ہوتا تو میں تمہارے پاس کیوں آتی، میں کچھ نہیں جانتی اور میں تمہارے منہ سے نہ سننا بھی نہیں چاہتی بس تم ہفتے کے آخر میں تیار رہنا ہم دونوں کو نسیم اختر کی شادی میں جانا ہے اور بس۔'' وہ اپنی بات سنا کر اٹھنے لگی تھیں جب مظہر نے ان کے دونوں گھٹنوں پر دباؤ ڈال کر انہیں دوبارہ سے بٹھا لیا۔

''ناراض کیوں ہوتی ہیں، میں چلا جاؤں گا آپ کے ساتھ۔'' دادی ماں کی خفگی اور ناراضگی مظہر جمال سے بھی کب برداشت ہوتی تھی، جتنی محبت ان کو مظہر سے تھی اتنی ہی مظہر بھی ان سے کرتا تھا۔

''ہوں، یہ ہوئی نا بات، اب میں جاتی ہوں تم بھی آرام کرو۔'' ایک دم سے ان کا چہرہ کھل گیا تھا۔

''چلیں میں آپ کو آپ کے بستر میں لٹا آؤں، سردی اتنی ہے آپ کے جوڑوں میں پھر سے درد شروع ہو جائے گا۔'' وہ انہیں بانہوں کے حلقے میں لے کر باہر لے آیا تھا۔

''میری فکر ہے اور اپنی نہیں، خود کیسے ٹھنڈی ہوا میں بیٹھے ہوئے تھے۔''

''دادی ماں میری اور آپ کی عمر میں بھی تو زمین آسمان کا فرق ہے نا، میں یہ سردی برداشت

کر سکتا ہوں آپ نہیں۔''

''اچھا تو میاں اب تم دادی کو اپنی اور ان کی عمر کا حساب لگا کر بتاؤ گے۔''

''نہیں تو دادی ماں میری ایسی مجال کہاں، میں آپ کی عمر کا کیا حساب لگاؤں گا آپ تو ابھی بھی جوان ہیں۔'' اس نے دادی ماں کو بستر میں لٹا کر اچھی طرح لحاف اوڑھا دیا تھا اور اب ہیٹر ان کے بیڈ کے قریب رکھنے لگا تھا۔

''جس کے تم جیسے بیٹے ہوں وہ مائیں جوان ہی رہتی ہیں۔'' دادی ماں نے محبت سے ان کے ماتھے پہ بوسہ دیا تھا، وہ سرشار سا ان کے کمرے سے نکل آئے تھے۔

☆☆☆

''آس تم یہ راستہ چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔''

''ہونہہ کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے مجھے مت ٹوکا کرو، مت نصیحتیں کیا کرو، مت بہکایا کرو۔'' وہ نخوت سے بولی تھی۔

''بہک تو تم خود رہی ہو، میں تو تمہیں سیدھا راستہ دکھا رہا ہوں۔''

''سیدھا راستہ؟''

''کون سا سیدھا راستہ؟'' وہ سوالیہ نشان بن گئی تھی۔

''وہی سیدھا راستہ جس پر چلتے ہوئے کامیابی مقدر بن جاتی ہے، جو راستہ فلاح کی طرف لے جاتا ہے۔''

''غلط، تم بالکل غلط کہہ رہے ہو، سیدھا راستہ وہ نہیں تھا، جو فلاح کی طرف لے جاتا ہے، سیدھا راستہ تو وہ ہوتا ہے جو بھوک و تنگ دستی، مفلسی، بے بسی، بے رحمی اور نا آسودگی کی طرف لے جاتا ہے۔'' اس نے اپنی لپ اسٹک کو اور تیز رنگ دیا تھا اور آئینے کو تلخی سے جھڑک کر کھٹ کھٹ کرتی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

آس مشتاق جب چلتی تھی تو زمین پر پاؤں جما کر چلتی تھی، آس مشتاق جب چلتی تھی تو اس معاشرے کے مردوں کا دل ہلا کر قدم دھرتی تھی، آس مشتاق جب بولتی تھی تو اس کے کڑوے لہجے کو بھی لوگ امرت سمجھ کر پیتے تھے، آس مشتاق جب کچھ کرتی تو اس کے غلط کو بھی سب سچ مانتے تھے۔

☆☆☆

وہ بہت خوبصورت تھی اتنی کہ اس کی خوبصورتی کو ماپنے کا کوئی پیمانہ نہ تھا، کوئی معیار نہ تھا، ہمارے ہاں لوگ خوبصورتی اور بدصورتی کا احساس ایک بچے کو اس وقت سے ہی دلانا شروع کر دیتے ہیں جب ابھی اسے اپنے ہونے کا احساس نہیں ہوتا، ابھی اسے اپنی کوئی پہچان نہیں ہوتی، ایسے ہی نوین سلطان کو لوگ بچپن سے ہی اس کی خوبصورتی اور بے تحاشا حسن کی وجہ سے جاننے لگے تھے، اس کو اسپیشل پروٹوکول ملنے لگا تھا، اسے ہر طرف سے چاہا جانے لگا تھا، سب اسے پیار اور محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، راہ چلتے بھی پچکارتے تھے اور رک رک کر پیار کرتے تھے، وہ ایسے ہی رویوں کے ساتھ بڑی ہوئی تھی اور اس میں نہ صرف اپنی خوبصورتی کا احساس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا بلکہ اس کا غرور اور طنطنہ بھی کم نہ تھا۔

نوین سلطان منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئی تھی، شہر کے مشہور صنعت کار سلطان منیر کی لاڈلی اور سر چڑھی بیٹی اور وہ بھی ایسی کہ جس کے حسن کے چرچے زبان زد عام تھے وہ کیوں خود کو کوئی اعلیٰ وارفع چیز نہ سمجھتی، کبھی کبھی تو وہ اپنے اکلوتے بھائی نجم سلطان کو بھی خاطر میں نہ لاتی تھی، نجم سلطان کو بہن کی شوخیاں اور اس کا بے انتہا غرور ایک آنکھ نہ بھاتا تھا وہ جب بھی اپنے والدین سے اس بات کی شکایت کرتا تو وہ نوین کو سرزنش کرنے کی بجائے اسے ہنس کر ٹال دیتے تھے، وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا، مگر وہ اپنے طور پر نوین کو سدھارنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہتا تھا۔

نوین کو کچھ پیسوں کی ضرورت تھی، وہ سیدھا سلطان صاحب کے آفس میں پہنچ گئی تھی۔

"ہٹیئے پیچھے، راستہ چھوڑیئے۔" اس کے سیل پر میرب کی کال آ گئی تھی جو شاپنگ کے لئے اس کا انتظار کر رہی تھی، نوین سلطان صاحب کے آفس میں جانے سے پہلے رک کر میرب کی کال سننے لگی تھی جب کوئی اس کے سر پر آ کر بولا تھا، آواز اتنی رعب دار تھی یا پھر شخصیت اتنی سحر انگیز اور جاذب نظر تھی کہ وہ بے اختیار ایک طرف ہو گئی تھی، حالانکہ اس کے پاپا کے آفس میں کھڑے ہو کر اس کے ساتھ کوئی اس انداز میں بات کر جائے وہ یہ گستاخی کب برداشت کر سکتی تھی۔

"کون تھا یہ؟" اس نے سلطان منیر کی پی اے سے پوچھا تھا، جو سامنے ہی بیٹھی تھی۔

"یہ مشتاق عامر ہیں، ہمارے نئے اکاؤنٹنٹ۔"

"اوہ میں سمجھی کوئی مل اونر ٹائپ چیز ہیں مگر یہ تو نکلے اکاؤنٹنٹ۔" وہ ہونٹ سکیڑ کر استہزائیہ انداز میں کہہ کر سلطان صاحب کے آفس میں چلی گئی تھی۔

☆☆☆

رات پورے جوبن پر تھی، ہر چیز پر سناٹا طاری تھا، نوین سلطان اپنے نرم و گداز بستر میں دبکی بیٹھی نیند سونے کی کوشش کر رہی تھی، مگر میٹھی تو ایک طرف نیند بھی نہیں آ رہی تھی، ایسا پہلے تو کبھی نہ ہوا تھا کہ اسے سونے کی کوشش کرنی پڑ رہی ہو، اس کی زندگی کی اپنی خوبصورتی تھی اور اس خوبصورتی کا اپنا مزہ، وہ زندگی کے ہر دن کے ہر لمحے سے خوشی کشید کرتی تھی اور پھر یہ دن کے اختتام پر جب وہ اپنے بستر پر گرتی تو ایک پرسکون نیند اس کی منتظر ہوتی تھی، مگر آج کیا ہوا تھا آنکھیں بند تھیں مگر سکون نام کی چیز کا دور دور تک پتہ نہ تھا، سماعتوں میں ایک لہجہ گونج رہا تھا اور بند آنکھوں کے پیچھے ایک وجیہہ و شکیل صورت بار بار آ کر اپنے جلوے دکھا رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے۔" وہ جھنجھلا کر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

ایسا پہلے تو کبھی نہ ہوا تھا کہ ایک چہرہ خیالوں پر یوں حاوی ہو جائے کہ نیند اور سکون دونوں اڑ جائیں، پھر آج ایسا کیوں ہو رہا تھا، وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

چاندنی رات کے ہاتھوں پہ سوار اتری ہے
کوئی خوشبو میری دہلیز کے پار اتری ہے
اس میں کچھ رنگ بھی ہیں خواب بھی مہکار بھی ہے
جھلملاتی ہوئی خواہش بھی ہے انکار بھی ہے
اس خوشبو نے بنائے کئی دیوانے بھی
میرے آنچل پہ امیدوں کی قطار اتری ہے
کوئی خوشبو میری دہلیز کے پار اتری ہے
ایسی خوشبو سے کسی یاد کے در کھلتے ہیں
میرے پیروں سے جو لپٹے تو سفر کھلتے ہیں
وہی خوشبو جو مجھے گھر سے اٹھا لاتی تھی
اب کسی طور پلٹ کر جانے نہیں دیتی
میری دہلیز بلاتی ہے مجھے لوٹ آؤ
وہی خوشبو مجھے واپس نہیں آنے دیتی
رنج اور درد میں ڈوبی یہ بہار اتری ہے
کوئی خوشبو میری دہلیز کے پار اتری ہے
چاندنی رات کے ہاتھوں پہ سوار اتری ہے
کوئی خوشبو میری دہلیز کے پار اتری ہے

رات تو کسی طور گزر گئی تھی مگر بے چین اس رات نے جو انکشاف کیا تھا اس نے خود نوین سلطان کو بھی لرز کر رکھ دیا تھا اور وہ پھر بھی اتنی بے اختیار ہو گئی تھی کہ کالج سے چھٹی کر کے رت جگے کی تمام تر لالیاں اپنی آنکھوں میں سموئے اپنے پاپا کے آفس پہنچ گئی تھی، سلطان منیر کا آفس اس کے پاپا کی ملکیت تھا اس کی اپنی جگہ تھی ہر دوسرے دن وہ یہاں آتی تھی مگر آج جانے کیا بات تھی کہ وہاں کی ہر چیز بدلی بدلی لگ رہی تھی، وجہ شاید یہ تھی کہ جگہ بدلی تھی اور نہ چیزیں اگر بدل گیا تھا تو نوین سلطان کا دل اور دل بھی وہ جو اختیار میں نہیں رہا تھا۔

"سر تو سائٹ پہ گئے ہیں۔" وہ اپنے پاپا کے آفس میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے اور آنکھوں پر گلاسز لگائے بظاہر ارد گرد سے بے نیاز مگر کسی مخصوص آہٹ کے منتظر بیٹھی تھی جب سلطان صاحب کی پی اے نے فریش جوس کا گلاس اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"مجھے پتہ ہے مگر وہ آ رہے ہیں، میری ان سے بات ہو گئی ہے۔" اس نے پی اے کو کہہ کر جوس کا گلاس لبوں سے لگا لیا تھا، ٹھنڈے یخ جوس نے لمحوں کے لئے اندر جلتے بھانبڑ کو ٹھنڈا کیا تھا تبھی سلطان صاحب اپنے آفس میں داخل ہوئے تھے اور پیچھے ہی وہ شخص تھا جو اس طرح ایک نظر میں ہی حواسوں پر چھا گیا تھا کہ نوین سلطان اس کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش لئے یہاں آ بیٹھی تھی، صحیح معنوں میں جلتے دل پر اب کسی نے برف رکھی تھی۔

☆☆☆

مظہر جمال شادی والے گھر میں بھی تنہا تھا، دادی اماں کی ناراضگی کے ڈر سے وہ نسیم اختر کی شادی میں شریک ہونے آ تو گیا تھا مگر یہاں بھی

دل نہ لگ رہا تھا کسی نے سچ کہا ہے کہ رونق تو دل کے اندر ہوتی ہے، دل بجھ جائے تو پھر دنیا کی کوئی رونق اسے بحال نہیں کر سکتی، باہر بے شک شور تھا گہما گہمی تھی، ہنسی مذاق تھا، مخصوص ہلچل تھی مگر مظہر کا دل ویسا ہی تھا ویران کا ویران اور اس دل کو ویران کرنے والی اس وقت جانے کہاں تھی۔

خاندان برادری کی کتنی ہی لڑکیاں تھیں جو مظہر جمال کے اردگرد تتلیوں کی طرح منڈلاتی تھیں، مظہر جمال کی شخصیت، اس کا بزنس اور سب کچھ اتنا اکیلے کی ملکیت یہ سب بہت سے گھروں کے لئے چارم بہت سی لڑکیوں کے لئے ترغیب تھا کہ وہ مظہر جمال جیسی آسامی کو کہیں جانے نہ دیں، پہلے پہل تو دادی اماں کسی بھی محفل میں جاتیں تو مظہر کو ایسی نظروں سے بچا بچا کر رکھتی تھیں، ان کے خیال میں ان کا پوتا اتنی ارزاں شے تو نہ تھا کہ جو چاہتا اٹھا کر جھولی میں بھر لیتا، مگر جب سے مظہر جمال کا دل خود کسی کا اسیر ہوا تھا اور پھر بے وفائی بدلے میں ملی تھی اور مظہر نے تو اس بے وفائی کو جان کا روگ ہی بنا لیا تھا تب سے وہ خود کوشش میں تھیں کہ کوئی آئے اور ان کے پوتے کے دل سے اس روگ کو نکال باہر کرے، وہ جو اب اسی روگ کی خاطر زندگی بتانے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا روادار نہیں تھا، لڑکیاں اب بھی مظہر کے اردگرد منڈلا رہی تھیں اور دادی اماں نے جان بوجھ کر آنکھیں موند لی تھیں وہ دل سے چاہتی تھیں کہ وہ کوئی ایسی ہو جو مظہر جمال کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہو جائے۔

''اماں چلیں۔'' شادی کا فنکشن اختتام پذیر ہو گیا تھا، مظہر نے بھی خدا خدا کر کے یہ گھڑیاں گزاری تھیں اور اب گھر جانے کو پر تول رہے تھے۔

''اب گھر جانے کا ٹائم کہاں رہا، رات ہو جائے گی شہر پہنچتے پہنچتے، اب صبح جائیں گے۔''

''دادی اماں ابھی تو بہت ٹائم ہے، پھر اپنی گاڑی میں جانا ہے اور شہر جانا ہے گاؤں تو نہیں جو اندھیرا ہوتے ہی خطرہ محسوس ہو گا، میں تو کہتا ہوں گھر چلتے ہیں اور آرام کریں گے، یہاں تو بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے۔'' دادی اماں کو اطمینان سے چارپائی پر بیٹھے دیکھ کر انہوں نے کہا تھا۔

''وہ تو سب صحیح ہے مگر انعام اللہ کا کیا کروں جس نے ہمارا آج رات کا کھانا کیا ہے، میں تو اسے ہاں بھی کر چکی ہوں۔''

''دادی اماں آپ بھی نا بس، ابھی تو شادی کا کھانا کھایا ہے، اب رات تک کہاں کچھ کھانے کی گنجائش ہو گی، آپ ان لوگوں کو منع کر دیتیں نا۔'' انہوں نے کوفت سے کہا تھا۔

''اے لو، میں کیسے منع کر دیتی، انہوں نے اتنی چاہت سے بلایا ہے میں کیسے انعام اللہ کا دل توڑ دیتی۔''

''یہ رشتہ داریاں بھی نا بس سر دردی ہے۔'' وہ بڑبڑائے تھے اور دادی اماں نے سن لیا تھا۔

''رشتہ داریاں سر دردی نہیں زندگی کا حسن ہوتی ہیں، مگر تم آج کل کے بچے کیا جانو۔'' دادی اماں شروع ہو گئی تھیں اور مظہر جمال کرسی پر گر سے گئے تھے اب نہ صرف دادی اماں کی باتیں سننی تھیں بلکہ چاچا انعام اللہ کے گھر کا کھانا بھی کھانا تھا۔

''کڑی تو رج کے سوہنی ہے، تمہارا کیا خیال ہے۔'' دادی اماں دیسی مرغ کے شوربے میں روٹی بھگو کر کھاتے ہوئے کسی راز دار سہیلی کی طرح اس سے سرگوشی میں پوچھنے لگی تھیں، مظہر کو تو پہلے ہی دال میں کچھ کالا لگ رہا تھا، دادی اماں جس طرح پوری شادی میں چاچا انعام اللہ کی فیملی

کو اہمیت دیتی آئی تھیں اس رات کھانے پر اس اہمیت کے پیچھے کیا تھا یہ مظہر پر کھل گیا تھا، چاچا انعام اللہ کی شوخ و چنچل صاحب زادی ام ہانی جس طرح دادی اماں اور ان پر خاص طور پر فدا ہو رہی تھی وہ بھی مظہر کو چبھنے لگا تھا۔

''کڑی جیسی بھی ہے اپنے گھر میں ہے آپ میرا کیوں خیال پوچھ رہی ہیں۔'' دیسی مرغ کا پلاؤ ان کے حلق میں اٹکنے لگا تھا، وہ کسی قدر تلخی سے بولے تھے۔

''اب تم اتنے بھی کاکے نہیں ہو کہ تمہیں پتہ نہیں میں تمہارا خیال کیوں پوچھ رہی ہوں میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں اس سے، اس لئے پوچھ رہی ہوں۔'' وہ بھی تڑخ کر اور سیدھے لفظوں میں بولی تھیں۔

''مجھے نہیں کرنی شادی وادی، ہزار دفعہ بتا چکا ہوں آپ کو۔'' وہ جیب سے رومال نکال کر ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولے تھے۔

''کوئی اور چیز تو نہیں چاہیے۔'' اس نے پہلے کہ دادی اماں اس کی بات کا جواب دیتیں چاچا انعام اللہ کی گھر والی آ گئی تھیں اور ان دونوں کو اپنے آپ پر قابو پانا بے حد مشکل ہوا تھا، کھانے کے برتن اٹھا لئے گئے تھے چائے آنے تک اور پھر چائے ختم ہونے تک دادی اماں ہی مروت اور رشتہ داری دونوں نبھاتی رہی تھیں وہ خفگی سے منہ پھلائے بیٹھا رہا تھا، اس کے اس انداز کو میز بانوں نے بھی پوری طرح محسوس کیا تھا، مگر وہ چاہتے ہوئے بھی اپنا موڈ بحال نہ کر سکا تھا حالانکہ اسے دادی اماں کی خفگی کا پورا اندازہ تھا۔

☆☆☆

مشتاق عامر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے باس کی بیٹی ایک نظر میں ہی اس پر عاشق ہو جائے گی نہ صرف عاشق ہو جائے گی بلکہ اپنی محبت کے اظہار میں بھی بخل سے کام نہ لے گی، وہ تو اس اظہار پر بوکھلا ہی گیا تھا۔

''کہاں آپ اور کہاں میں، میرا مطلب ہے کبھی زمین اور آسمان بھی ایک ہوئے ہیں۔'' اس نے حقیقت کا ایک رخ اسے دکھایا تھا۔

''نہ آپ زمین ہیں اور نہ میں آسمان ہوں، میں بھی آپ کی طرح کی ہی ایک عام سی انسان ہوں۔'' یہ نوین سلطان تھی جو اپنے راستے کی ہر چیز کو ٹھوکر پر رکھتی تھی، اگر اس کا کوئی اپنا اس کے یہ الفاظ اور لہجہ سن لیتا تو صدمے سے بے ہوش ہی ہو جاتا، محبت کایا پلٹ دیا کرتی ہے مگر محبت ایک سر پھرے اور خود پسند بندے کو اپنے سامنے ایسے سرنگوں کر دیتی ہے یہ انہونی ہی تھی۔

''مگر آپ میں اور مجھ میں بہت فرق ہے۔''

''کوئی فرق نہیں ہے، اگر کوئی فرق ہے بھی تو میں نوین سلطان اس فرق کو مٹا دوں گی۔'' اس نے ایسے عزم سے کہا تھا کہ مشتاق عامر کو اس کے خوبصورت چہرے پر سے نظریں ہٹانی مشکل ہو گئی تھیں۔

اسے مشتاق عامر سے طوفانی محبت ہوئی تھی اور یہ کیسے ممکن تھا کہ اس طوفان کی بازگشت اردگرد نہ سنائی دیتی، جس جس نے سنا تھا حیران رہ گیا تھا مگر جب بات اس کے گھر تک آئی تھی تو اک قیامت سی آ گئی تھی، اس کے ماں باپ نے شہزادیوں کی طرح اسے پالا پوسا تھا شہزادیوں کی طرح ہی رکھا تھا اور اب وہ اپنی مرضی سے جس راہ کا انتخاب کر رہی تھی وہ راہ اسے تو لہولہان کرتی ہی اس کے ماں باپ کی عزت اور شہرت پہ بھی بٹہ لگا دیتی، اس لئے اب ضروری ہو گیا تھا کہ اس کے لاڈ پیار چھوڑ کر اسے سختی سے مشتاق

عامر سے ملنے سے منع کیا۔

سب سے پہلے تو سلطان منیر نے مشتاق عامر کو اپنے آفس میں بلوا کر خاصا بے عزت کیا تھا اور پھر اسے نوکری سے نکال دیا تھا، اس نے بھی جب سے نوین کے عشق کے آگے گھٹنے ٹیکے تھے تب سے اس نے خود کو ہر قسم کے حالات کے لئے تیار کر لیا تھا، سلطان منیر نے جب اسے نوکری سے جواب دیا تھا تب اسے کسی قسم کا دکھ نہیں ہوا تھا مگر جب اسے بے غیرتی کا طعنہ دیا تھا تب وہ برداشت نہیں کر پایا تھا اور پھٹ پڑا تھا۔

''مجھے اپنی عدالت میں گھسیٹنے سے بہتر تھا کہ آپ نے اپنی بیٹی سے پوچھ لیا ہوتا، آخر سب کچھ وہی کرتی پھر رہی ہے، میں تو خود اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا ہوں۔''

''تمہیں ایک لڑکی کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتے شرم نہیں آئی، مرد بنتے مرد، وہ تمہاری طرف ایک قدم بڑھ کر آئی تھی تم اسے دس قدم دور کر سکتے تھے۔'' سلطان منیر چلائے تھے۔

''سر! بڑی کوشش کی تھی مگر وہ تو میری محبت میں اتنی اندھی اور بہری بن گئی ہے کہ نہ کچھ مانتی ہے نہ کچھ سنتی ہے، آخر میں بھی بندہ بشر ہوں، کب تک اس کے آگے انکار کیے جاتا، ہاں آپ کو کھلا چیلنج دے کر جا رہا ہوں اسے روک سکتے ہیں تو روک لیں۔'' وہ سلطان منیر کو سر سے پاؤں تک آگ لگا کر معنی خیز انداز میں ہنستا ہوا واپس آ گیا تھا۔

''میں اپنی عزت کو یوں ٹکے ٹکے کے لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں رول سکتا، نوین تمہارا تو آج ہی بندوبست کرتا ہوں تم بھی کیا یاد کرو گی۔'' سلطان منیر کا غصہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا تھا، انہوں نے اسی وقت اپنے دوست معراج خان کو فون کیا تھا جس نے ایک دو بار اشاروں کنایوں میں اپنے بیٹے کے لئے نوین کے رشتے کی بات کی تھی، معراج خان کا بیٹا ہر لحاظ سے نوین کے ہم پلہ تھا، سلطان منیر ابھی معراج خان کو کوئی جواب دے نہ پائے تھے کہ نوین نے یہ شوشہ چھوڑ دیا تھا۔

''معراج مجھے تمہارے بیٹے کا رشتہ منظور ہے، یہ بتاؤ کب باضابطہ رشتہ لینے آؤ گے۔''

''تم کہو تو ہم آج ہی چلے آتے ہیں۔'' معراج خان، سلطان منیر کے ساتھ رشتہ داری جوڑنے کا دل سے خواہاں تھا۔

''میری طرف سے اجازت ہے بے شک آج ہی آ جاؤ۔''

''اوکے پھر ہم رات تک آ رہے ہیں۔'' معراج خان نے بھی فٹ سے جواب دے دیا تھا اور وہ رات جو چند گھنٹوں کے انتظار کے بعد آ جانی تھی ٹھیک دو گھنٹوں بعد ہی ''سلطان ولا'' پر چھا گئی تھی، انہیں آفس میں بیٹھے ہی اطلاع ملی تھی کہ نوین نے مشتاق عامر سے کورٹ میرج کر لی تھی اور عام لڑکیوں کی طرح رات کے اندھیرے میں گھر کی چوکھٹ پار کرنے کی بجائے دن کے اجالے میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کورٹ اور پھر وہاں سے کہیں اور نامعلوم مقام کی طرف چلی گئی تھی اور اس کاروائی کی اطلاع اس نے دیر کیے بغیر فون پر اپنے گھر بھی پہنچا دی تھی، وہ ایک دولت مند شخص کی سر پھری اولاد تھا اور وہ اس شہر پر کچھ بھی کر سکتی تھی اور اس نے بہت کچھ کر دکھایا تھا۔

☆☆☆

پہلی نظر کی طوفانی محبت کچھ عرصے تک تو اس طرح پنپتی رہی کہ نوین کو اپنا ہر فیصلہ بروقت لگا کرتا، وہ گھر سے آتے وقت طلائی زیورات اور

کافی روپیہ پیسہ بھی لائی تھی پھر اس کے اپنے اکاؤنٹ میں بھی ٹھیک ٹھاک رقم تھی، مشتاق عامر کی تو بیٹھے بٹھائے لاٹری نکل آئی تھی، اتنی حسین لڑکی کا اچانک بیوی بن جانا اور پھر کوئی مالی مسئلہ بھی نہ تھا، وہ جی بھر کر نوین پر اپنی محبت لٹاتا دن رات اس کے حسن کو خراج پیش کرتا اور محبت کے نام پر اگر دن چڑھتا تو محبت کے نام پر ہی رات تمام ہوتی، ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، ہر طرف آسائشیں تھیں ہر طرف رونقیں تھیں اور اس میں ان دونوں کا وجود بسا کرتا تھا۔

☆☆☆

سورج پوری تمازت سے سرسبز کھیتوں پر چمک رہا تھا، ہر چیز پر اس کی تیز روشنی اور حدت چھائی ہوئی تھی، گاؤں سے گھر واپسی کا سفر بہت بوجھل اور خفگی بھرا تھا، مظہر جمال کی گاڑی میں دادی اماں کے ہوتے ہوئے بھی سناٹے بول رہے تھے، ایسا سفر پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، دادی اماں باتوں کی شوقین تھیں اور سفر میں بھی وہ مزے مزے کے قصوں اور باتوں سے مظہر جمال کا دل بہلائے رکھتی تھیں، مگر رات چاچا انعام اللہ کے گھر جس طرح کا رویہ مظہر نے دکھایا تھا، وہ رات سے اب تک اس سے سخت ناراض تھیں، مظہر نے کئی بار ان کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی تھی ان کو اپنی جانب راغب کرنے کی کوشش کی تھی مگر ان کی ناراضگی اس بار ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، دادی اماں خفگی میں بھری بیٹھی تھیں اور مظہر جمال کی زندگی کی ناؤ منجدھار میں آن پہنچی تھی، وہ ان کی خفگی مستقل طور پر دور کرنا چاہتے تھے مگر زندگی کی رنگینیوں کی طرف دوبارہ پلٹ آنا ان کے لئے ممکن کہاں رہا تھا، بہت بار وہ دل کے درد کی انتہاؤں سے گزرے تھے بہت بار انہوں نے اس بے وفا کو بھلانا چاہا تھا مگر ہر بار وہ ہار جاتے تھے، ہر بار اس بے وفا کی محبت جیت جاتی تھی ہر بار ان کا دکھی دل اور شکستہ جذبات بیچ منجدھار میں ہی پستے رہتے تھے اور انہیں کنارے لگنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

''آس مشتاق تم کہاں چلی گئی ہو، تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر کے گئی ہو، تمہارا میں نے آخر کیا بگاڑا تھا، جو تم نے میرے ساتھ یہ کھیل کھیلا۔'' تنہائی میں ہوتے یا وہ بھری محفل میں اس طرح کے گلے شکوے دل سے نکلتے تھے اور دل میں ہی دب جاتے تھے۔

آس مشتاق جب ضرورت مند تھی تب ان کے پاس جاب کے لئے آئی تھی وہ حسین تھی اس کی موہنی صورت دل لبھاتی تھی اور دل کش ادائیں فریق کو چاروں شانے چت کر دیتی تھیں، مظہر جمال اس صورت پر ریجھ گیا تھا اور ان اداؤں پر قربان ہو گیا تھا، ان کی جگہ کوئی بھی مرد ہوتا یونہی اس ساحرہ پر لٹو ہو جاتا مظہر جمال بھی ایک مرد ہی تھا، انہوں نے نہ صرف آس مشتاق کو جاب دی تھی بلکہ اس پر بے جا مراعات، آسائشوں اور نوازشات کی بارش کر دی تھی، ان کے آفس میں ہر کوئی دیکھ رہا تھا کہ کس طرح ان کا باس ایک لڑکی کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو رہا ہے، مگر کوئی اسے سمجھا نہیں سکتا تھا روک نہیں سکتا تھا کچھ کہہ نہیں سکتا تھا، آخر وہ باس تھا اور سب اس کے ماتحت، مگر کسی خاص بندے نے یہ کہانی دادی اماں کے گوش گزار کر دی تھیں، ان کے اردگرد کے سب لوگ جانتے تھے کہ دادی اماں ہی واحد ہستی ہیں جو ان کو قابو کر سکتی ہیں۔

دادی اماں یہ سب سن کر تشویش میں مبتلا ہو گئیں تھی، وہ اپنی عمر بھر کی کمائی اپنے پوتے کی صورت کسی ایرے غیرے کے ہاتھوں کیسے تھما

سکتی تھیں، انہوں نے کافی سوچ و بچار کے بعد اس لڑکی سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''مظہر جمال تم اس لڑکی کو کسی دن گھر لے کر آؤ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔'' دادی جان نے ایک دن بے حد محبت سے مظہر جمال سے کہا تھا اور مظہر کو چائے پیتے ہوئے اچھو لگ گیا تھا۔

''دادی اماں کون سی لڑکی!'' لہجے میں یوں انجانا پن تھا کہ جیسے کچھ خبر ہی نہ ہو۔

''وہی لڑکی جو آج کل تمہارے بہت قریب ہے بلکہ شاید یہ پہلی لڑکی ہے جو تمہارے قریب ہے اور میں چاہتی ہوں کہ یہ اب آخری بھی ہو، اس لئے مجھے ملواؤ اس سے، میں جانوں تو سہی کہ کیسی ہے۔''

''مگر دادی اماں کوئی لڑکی نہیں آپ کو......''

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، میں نہیں کہہ رہی سارا جگ کہہ رہا ہے اور لوگ سارا تو جھوٹ نہیں بول رہے ہوتے آخر کچھ نہ کچھ سچائی تو ہوتی ہے، تم اس بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کرو، میں جتنا جان گئی ہوں وہ سب سچ ہے اتنا مجھے پتہ ہے اب تم آگے کی خبر لو۔'' دادی اماں نے نہایت مدبرانہ انداز میں مظہر جمال کی بات کاٹ دی تھی۔

''اچھا......تو پھر کب لے کر آؤں اسے۔'' مظہر نے سینے سے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے ہار مان لی تھی، دادی اماں کے مزاج کو وہ جانتے تھے ان کے سامنے کبھی وہ ٹھہر نہیں سکتے تھے۔

''جب تمہارا دل کرے، اس گھر کے دروازے ہر وقت اس کے لئے کھلے ہیں۔''

''اوکے، میں جلد ہی اسے لے کر آؤں گا۔''

''آس دادی اماں تم سے ملنا چاہتی ہیں۔''

اگلے ہی دن انہوں نے اسے اپنے آفس میں بلا کر کہا تھا۔

''کیوں؟'' وہ حیرت سے بولی تھی۔

''کیوں کا مطلب، بھئی میرے حوالے سے وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں، تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں، تم سے باتیں کرنا چاہتی ہیں، آخر تم ان کے اکلوتے، جان سے پیارے راج دلارے پوتے کی پسند ہو۔'' وہ شوخی سے بولے تھے۔

''لیکن مظہر میں ان کا سامنا کیسے کروں گی، مجھے بہت عجیب لگے گا۔''

''عجیب کیوں لگے گا، بس یوں سمجھنا کہ اپنے گھر جا رہی ہو، آج ان کا سامنا کرنے سے اتنا گھبرا رہی ہو، آخر کل انہی کے ساتھ رہنا پڑے گا۔'' وہ ذومعنی انداز میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے تھے۔

''کل کی کل دیکھی جائے گی، بات تو آج کی ہے۔''

''کچھ نہیں ہوتا یار، میری دادی اماں بہت اچھی ہیں اور پھر میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے پاس ہوں تمہیں کس چیز کی فکر ہے۔'' مظہر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی اور وہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اور بیٹھ کر کھایا جائے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اس طرح نوین اپنے گھر سے جو زیورات اور جو رقم لائی تھی، وہ تو دنوں میں ہی ختم ہو گئی تھی اور اب تو اس کا اکاؤنٹ بھی تیزی سے خالی ہوتا جا رہا تھا۔

''مشتاق آخر ہم کب تک ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے، ایسے تو ایک دن آئے گا اور ہم بھوکے مرنے لگیں گے، تمہیں اب کوئی نوکری ڈھونڈنی چاہیے۔'' ایک دن نوین نے ہی اسے

احساس دلایا تھا، جس پر نوین کے پیسے کا خمار بری طرح چھایا ہوا تھا اور اس پیسے نے اسے کاہل اور بد حرام بنا دیا تھا، اس کے خیال میں سونے کی چڑیا اس کے ہاتھ آ گئی ہے اب چھوٹی موٹی نوکریاں کرنے کا کیا فائدہ۔

''یار نوکری ملتی نہیں ہے میں کیا کروں۔'' وہ پھلوں کی ٹوکری سے موٹا تازہ سیب اٹھا کر بے دردی سے دانتوں سے کترتے ہوئے بولا تھا۔

''میں جانتی ہوں نوکریاں آسانی سے کہاں ملتی ہیں مگر بار بار کوشش تو کرنی چاہیے۔''

''کوشش بھی کر لیں گے آخر تمہیں کس چیز کی فکر ہے۔'' وہ بے فکری سے بولا تھا۔

''فکر کیوں نہیں ہو گی، پیسے آہستہ آہستہ ختم ہوتے جا رہے ہیں اور پھر میری حالت ہی تمہارے سامنے ہے، ہمیں آئندہ زیادہ سے زیادہ پیسوں کی ضرورت ہو گی۔''

''تو کیا ہوا؟ آخر تم سیٹھ سلطان منیر کی اکلوتی بیٹی ہو، ان کا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے، جب پیسے ختم ہو جائیں گے تو اور لے آنا، انہوں نے آخر اتنے پیسوں کا کیا کرنا ہے۔''

''مشتاق تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو کہ وہاں اب میرے لئے کچھ نہیں رہا، جس دن سے میں نے اس گھر سے قدم باہر نکالا تھا اس دن سے ہی میرا دانہ پانی بھی وہاں سے اٹھ گیا تھا میں خود اس گھر کو وہاں کے مکینوں کو اور اس گھر کی ہر چیز کو ٹھوکر مار کر آ گئی تھی اور اب کس منہ سے وہاں جاؤں گی وہ بھی روپیہ پیسہ مانگنے، مجھے تو وہ قتل کر دیں گے۔''

''تمہیں قتل کرنا اتنا آسان نہیں ہو گا، یہ سب وقتی غصہ کی باتیں ہیں، غصہ اتر جائے تو سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

''مجھ جیسی لڑکیوں کو قتل کرنا بہت آسان ہوتا ہے، یہ شاید تمہیں نہیں پتہ۔''

''مجھے پتہ لگانا بھی نہیں ہے، اب تم بھی یہ خوفناک باتیں کرنا چھوڑو اور جاؤ اپنے لئے اور میرے لئے ملک شیک تو بنا کر لاؤ، بڑی گرمی لگ رہی ہے۔''

''تمہاری زندگی میں اچھی شامل ہوئی ہوں، کام کر کر کے تھک گئی ہوں، جانتے ہو پاپا کے گھر میں کبھی خود سے ہل کر پانی تک نہیں پیا تھا اور اب کبھی کچھ کرنا پڑتا ہے اور کبھی کچھ۔'' وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

''وہ تمہارے پاپا کا گھر تھا اور یہ تمہارا اپنا، فرق تو ہو گا نا۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولا تھا۔

''ہاں فرق صاف ظاہر ہے، یہ میرے ہاتھوں کو ہی دیکھ لو، کیسے رف اور کالے ہو رہے ہیں، مجھے کوئی اس حال میں اتنے رف حلیے میں دیکھے تو کبھی نہ پہچانے اور تم بھی تو کہتے تھے شہزادی بنا کر رکھوں گا، دل کی رانی بنا کر رکھوں گا، یہ نہیں کہا تھا نوکرانی بنا کر رکھوں گا۔''

''یار کیسی باتیں کرتی ہو، تم تو ابھی بھی میرے دل کی رانی ہو، بس یہ مشکل ٹائم ہے گزر جائے گا جب مجھے اچھی نوکری مل جائے گی تو تمہارے لئے ایک فل ٹائم ملازمہ رکھوں گا، جو تمہیں بیڈ سے نیچے پاؤں کبھی نہیں رکھنے دے گی۔''

''اچھی سی نوکری، اچھا خواب ہے۔'' اسے اب مشتاق کی کاہلی کا تھوڑا اندازہ تو ہو گیا تھا اس لئے طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

''آخر تم سے شادی سے پہلے بھی تو میں نوکری کرتا تھا، کیا نہیں کرتا تھا۔'' اسے نوین کا طنزیہ انداز ہضم نہیں ہوا تھا، اس لئے جلدی سے بولا تھا۔

''ہاں تب کرتے تھے جب میں تمہیں نہیں

ملی تھی، جب تمہارے پاس پیسہ کمانے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔“

”تم یہ بھی تو کہہ سکتی ہو کہ تم نے آ کر مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑا، تمہاری محبت نے میرے پر کتر دیئے اور مجھے اڑنے کے قابل نہیں رہنے دیا، یہ بات زیادہ صحیح نہیں ہے۔“ نوین کی بات تیر کی طرح اس کے دل پر لگی تھی در پردہ اس نے مشتاق کو اپنے پیسے کا طعنہ دیا تھا مگر وہ اس بات کو پی گیا تھا اور بڑے رومانٹک انداز میں بولا تھا۔

پرندوں کے حسین نغموں کی لوچن
بڑھتی جاتی ہے
مہک ایسی کہاں ہوتی تھی پھولوں میں کبھی پہلے
زمین کے رنگ اجلے لگ رہے تھے
اس لئے شاید
کہ ساون رت میں سارے داغ دھبے
ڈھل ہی جاتے ہیں
مگر یوں زندگی سے پیار پہلے تو کبھی کب تھا
طبیعت میں عجیب مستی ہے
دنیا اچھی لگتی ہے
ہمارے ہر طرف یہ اجنبی خوشبو جو پھیلی ہے
تو لگتا ہے
محبت چھو گئی دل کو
محبت ہو گئی جاناں!

نوین کے لہجے کی تلخی کو مشتاق کی ایسی ہی باتیں مٹھاس میں بدل دیتی تھیں، عورت ہمیشہ مرد کی تعریف، اس کی محبت اس کی ذرا سی لگاوٹ پر ایسے ہی پھسل جاتی ہے، نوین نے تو پھر مشتاق عامر سے محبت کی تھی، محبت بھی ایسی جو آنکھیں کھول کر کچھ نہیں دیکھتی بس اپنے ساتھ منہ زور سیلاب کی طرح سب کچھ بہالے جاتی ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے وقت کتنا آگے نکل گیا، نوین نے اس عرصے میں ایک پھول سی بچی کو جنم دیا اور پھر آہستہ آہستہ اکاؤنٹ خالی ہوتا رہا، بچی کے بعد خرچے منہ کھول کر کھڑے ہو گئے اور اس دوران مشتاق کی سستی اور کاہلی پہلے سے بھی بڑھ گئی، آرام وسکون اس کی ہڈیوں میں رچ بس گیا تھا، نوین کی اب اس کے ساتھ اکثر ٹھنی رہتی تھی، یوں بھی ایک بچے کے بعد اس کی محبت منقسم ہو گئی تھی، اس کی محبت کے منہ زور سیلاب کا چڑھا پانی آہستہ آہستہ اترنے لگا تھا اور سیلاب کے بعد تباہی کے مناظر اب اکثر نوین کو خالی ہاتھ ملنے پر مجبور کر دیتے تھے، جس طرح وہ خود شہزادیوں کی طرح رہی تھی اب وہ اپنی بیٹی کو ویسا ہی رکھنا چاہتی تھی، مشتاق سے پیسوں کا مطالبہ کرتی، وہ آرام سے مشورہ دیتا اپنے باپ سے لے آؤ اور باپ کے پاس جانا اسے مر کر بھی گوارا نہ تھا۔

”تم نوکری نہیں کر سکتے تو نہ کرو میں نوکری کر لیتی ہوں۔“ ایک دن وہ پھٹ پڑی تھی۔

”کیوں خود کو پریشانیوں میں دھکیلتی ہو، تمہیں کوئی بہت اعلیٰ وارفع نوکری نہیں ملے گی، چند ہزار کی معمولی نوکری فرض کرو تم حاصل کر بھی لیتی ہو جو کہ بہت مشکل کام ہے تو ان چند ہزار وں سے کیا کروں گی، سارا مہینہ نکال لیا کرو گی۔“ مشتاق اپنے دوست کی طرف جا رہا تھا آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بناتے ہوئے بولا تھا۔

”تو کیا کروں، زہر کھا لوں اور اس ننھی سی جان کو بھی زہر کھلا دوں۔“

”ایسا میں نے کب کہا۔“ وہ گنگناتے ہوئے باہر نکل گیا تھا، نوین کا مسئلہ جیسے اس کا مسئلہ نہ تھا، نوین کو آج اس کی بے حسی بری طرح محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

”کیسی لگی آس مشتاق آپ کو۔“ ابھی ابھی وہ آس کو واپس چھوڑ کر آیا تھا اور واپس آ کر بڑے اشتیاق سے دادی اماں سے پوچھنے لگا تھا، وہ خاموش تھیں بہت خاموش۔

”بتایئے نا۔“ وہ دادی اماں کی رائے جاننے کے لئے بے چین تھا۔

”یہ لڑکی تمہاری پسند ہے۔“ دادی اماں نے پوچھا تھا۔

”ہاں ایسا ہی ہے۔“

”پتہ نہیں کیوں بیٹا میرا دل اس پر مطمئن نہیں ہوا، وہ جو کسی کو دیکھ کر اپنا پن محسوس ہوتا ہے، دل خوش ہو جاتا ہے، اس سے مل کر ایسا کچھ نہیں ہوا، حالانکہ یہ لڑکی اس گھر میں تمہارے حوالے سے آئی تھی اور اس حوالے سے تو یہ مجھے بہت اپنی بہت اچھی لگنی چاہیے تھی۔“ دادی اماں نے جو محسوس کیا تھا اسے بتا دیا تھا۔

”افوہ دادی اماں، بس اتنی سی بات، میں سمجھا پتہ نہیں آپ کس حوالے سے آس اچھی نہیں لگی، یہ تو ایسی کوئی بڑی بات نہیں، وہ پہلی دفعہ اس گھر میں آئی تھی پہلی دفعہ آپ سے ملی تھی، یہ اجنبیت یہ بے گانہ پن تو ہونا ہی تھا۔“

”ہوں، ہو سکتا ہے تم صحیح کہہ رہے ہو، ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔“

”آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا، میں سمجھا اس کی صورت اچھی نہیں لگی آپ کو۔“ وہ ہنسا تھا۔

”خیر صورت کی تو کوئی بات کرنے والی نہیں، واقعی وہ بہت حسین ہے۔“ دادی اماں نے کھلے دل سے اعتراف کیا تھا۔

”اور آپ کا بیٹا بھی کون سا کسی سے کم ہے۔“

”میرا بیٹا تو سب سے حسین سب سے بڑھ کر ہے، اب جاؤ آرام کرو، صبح سے ایک پل کے لئے بھی نہیں چین سے بیٹھے، میں ذرا مغرب کی نماز پڑھ لوں۔“

”جی دادی اماں! واقعی بہت تھک گیا ہوں۔“ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تھا۔

☆☆☆

”آؤ آؤ آس رک کیوں گئیں، اندر آؤ نا۔“ آفس میں مختار اعوان کے ساتھ مظہر جمال کی ایک اہم میٹنگ تھی اور وہ دونوں بہت اہم بزنس میٹر ڈسکس کر رہے تھے جب آس نے تیزی سے مظہر کے روم کا دروازہ کھولا تھا، مگر مظہر کو کسی کے ساتھ بزی دیکھ کر وہیں ٹھہر گئی تھی، مظہر نے اسے دیکھا تھا اور اس کی پذیرائی جس والہانہ انداز میں کی تھی مختار اعوان نے منہ پیچھے موڑ کر اس ہستی کو دیکھا تھا، جس کی آمد نے مظہر جمال جیسے پریکٹیکل بندے کی آنکھوں میں جوت جلا دی تھی۔

”آپ بزی ہیں تو میں پھر آ جاؤں گی۔“ وہ واپس جانے کے لئے مڑی تھی۔

”نہیں نہیں آؤ، ہماری میٹنگ بھی بس اختتام پذیر ہونے کو تھی، اب ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے تم آؤ بیٹھو۔“ اس نے آس کو واپس نہیں جانے دیا تھا، آس چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

”یہ مختار اعوان ہیں، ہمارے بہت اچھے دوست اور نہایت کامیاب و مشہور معروف بزنس مین اور نہایت ہی دولت مند آدمی۔“ مظہر جمال کے تعارف کروانے پر مختار اعوان نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا۔

”اتنی خوبیاں تو نہیں جتنی آپ نے بیان کر دی ہیں۔“

”مختار صاحب میں نے تو ابھی کچھ بھی بیان نہیں کیں، آپ تو اس سے بھی زیادہ خوبیوں کے حامل ہیں۔“

"اچھا میری تعریفیں تو ہو گئیں اب ان کا تعارف بھی کروا دیجئے۔"

"ان کا تعارف ابھی کیا کرواؤں، ابھی ان کا تعارف ادھورا ہے۔"

"چلیں ادھورا ہی سہی، کچھ پتہ تو چلے۔" مظہر جمال کے ذو معنی انداز پر مختار اعوان نے کہا تھا۔

"یہ مس آس مشتاق ہیں، بس اس سے زیادہ ابھی کچھ نہیں کہوں گا آپ کو خود ہی کچھ عرصے میں پتہ چل جائے گا۔"

"او کے اس پورے تعارف کے لئے ہم کچھ عرصہ انتظار میں رہتے ہیں۔" کہنے کے ساتھ ہی مختار اعوان اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ابھی بیٹھئے نا، آج لنچ ساتھ ہی کرتے ہیں۔" مظہر جمال بھی اس کی تقلید میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"شکریہ اس آخر کا، مگر یار آج بہت ضروری کام ہیں، پھر کبھی سہی، کبھی فرصت ملی تو آپ کے ساتھ لنچ بھی کریں گے اور کچھ وقت بھی گزاریں گے۔" مختار اعوان نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

"یہ ہمارے لئے اعزاز ہوگا۔" مظہر جمال نے گرم جوشی سے ان سے الوداعی مصافحہ کیا تھا اور انہیں دروازے تک چھوڑ کر آئے تھے۔

"آج کل ان کے ساتھ میری ایک بہت اہم بزنس ڈیل ہونے جا رہی ہے، تم دعا کرو یہ بزنس ڈیل طے پا جائے، لاکھوں کا نہیں کروڑوں کا منافع ہوگا۔" مظہر جمال نے جب سے سوچ لیا تھا کہ آس مشتاق ہی وہ لڑکی ہے جو ان کا گھر بسائے گی تب سے انہوں نے کبھی اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا، بہت سے اہم رازوں میں وہ اسے شریک ہونے لگے تھے۔

"ہوں، آدمی تو جی دار لگتا ہے، آپ سے بزنس ڈیل طے پا جائے گی۔" آس مشتاق نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔

"اب تم نے کہہ دیا ہے تو یہ ڈیل سمجھو طے پا گئی۔"

"میرے کہے پر اتنا یقین ہے۔"

"جی جناب! بہت یقین ہے تم پر اور تمہارے کہے پر۔" مظہر جمال کی آنکھوں میں دیئے روشن تھے اور لہجے میں پوری زندگی سمٹ آئی تھی۔

"آج میں تمہیں لنچ پر باہر لے جانا چاہتا ہوں۔" آج صبح سے ہی مظہر کا موڈ بہت اچھا تھا وہ نہ صرف آج آس کو پروپوز کرنا چاہتا تھا بلکہ اس نے اس کے لئے بہت خوبصورت اور قیمتی رنگ بھی خریدی تھی، وہ چاہتا تھا کہ آس کو پہلے وہ خود پروپوز کرے پہلے وہ خود انگوٹھی پہنائے جو اس کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہو اور پھر دونوں گھروں میں باضابطہ رشتے کی بات چلائی جائے، وہ اسے ایک باعزت اور پروقار طریقے سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

"آج تو میری طبیعت خراب ہے، میرے سر میں بہت درد ہے، ایکچوئیلی میں تمہی بتانے آئی تھی کہ میں آف کر کے گھر جا رہی ہوں کل چلیں گے، آج تو میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔" آس کو اب اس کے اتنے خالص جذبوں سے خوف آنے لگا تھا، وہ جلدی سے بولی تھی۔

"اچھا، کیا زیادہ طبیعت خراب ہے، کوئی میڈیسن لے لو، سر کا درد ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ آج کے دن کو امر کر دینا چاہتا تھا، مگر آس کی طبیعت کی خرابی کا سن کر بھی دل بے چین ہوا تھا تھا۔

"ہاں میڈیسن لی تھی کوئی فرق نہیں پڑا، اب تو بس گھر جاؤں گی۔" اس نے ٹیبل پر سے اپنا پرس اٹھایا تھا اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی، وہ اتنی تیزی سے اٹھی تھی اور مظہر کو خدا حافظ کہہ کر اتنی تیزی سے باہر نکلی تھی کہ مظہر کو اتنا کہنے کا بھی موقع نہ ملا تھا کہ میں گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔

"مس آس مشتاق کو گھر چھوڑ آؤ۔" اس نے اپنے ڈرائیور کو کال کی تھی اور فکر مندی سے کہا تھا۔

☆☆☆

ایک بار پھر نوین سلطان کے ہاتھ کھلا پیسہ آ گیا تھا، ایک بار پھر اس کی نزاکتیں تھیں مشتاق عامر کی ناز برداریاں تھیں اور گھر میں کسی چیز کی تنگی نہ تھی، کھلا کھانا ہر چیز کی بہتات، عیش و آرام، بلکہ اب تو اس کے اور مشتاق عامر کے مابین چھوٹی چھوٹی تلخ لڑائیاں بھی ختم ہو گئی تھیں، زندگی بس چین و سکون کا نام ہو کر رہ گئی تھی اور اس کے لئے ایسا کیا ہوا تھا ان کے ہاتھ جادو کا کوئی چراغ آ گیا تھا، ان کی کوئی لاٹری نکل آئی تھی، سیٹھ سلطان منیر اپنی بیٹی پر مہربان ہو گیا تھا یا پھر مشتاق عامر کو کوئی اعلیٰ نوکری مل گئی تھی، ایسا کچھ نہیں ہوا تھا بس یہ ہوا تھا کہ مشتاق عامر کی تن آسانی بے غیرتی میں ڈھل گئی تھی، اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں تھیں اور خواہشات کا منہ کھول لیا تھا اس کے لئے جو بھی کرنا پڑتا تھا نوین ہی کرتی تھی، مشتاق عامر امیر دوست بناتا تھا اور نوین اپنی اداؤں سے اور چالاکیوں سے ان امیر دوستوں کی جیبیں خالی کرواتی تھی، حسین ترین نوین سلطان جواب نوین مشتاق تھی اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے لئے اگر قیمتی تحفے کچھ نقدی کچھ انعام بھی دینا پڑتا تھا تو ان امیر دوستوں کو گراں نہ گزرتا تھا، بلکہ وہ یہ سب خوشی خوشی کرتے تھے اور ان کی خوشی نے مشتاق اور نوین کی زندگی کو بھی دوبارہ خوشیوں سے بھر دیا تھا، آس بڑی ہو رہی تھی اور اب سوچنے سمجھنے لگی تھی، اسے اپنی خوبصورت اور ہر دم بنی سنوری رہنے والی ماما بڑی اچھی لگتی تھی اور پھر نوین اس کی تربیت بھی ایسے ہی خطوط پر کر رہی تھی کہ بس اس دنیا میں عیش کرنے ہیں اور آسائشات میں رہنا ہے اور آسائشات کے حصول کے لئے پیسہ خواہ کیسے بھی آئے بس وہ حاصل کر لینا ہے، بس خود کو ترسنے نہیں دینا اپنی ذات کو کم مائیگی کا احساس نہیں دلانا، کسی سے پیچھے نہیں رہنا، اپنے حسن کی حفاظت کرنی ہے اور خود کو کیش کروانا ہے، آس بڑی توجہ سے ماما کی باتیں سنتی پھر سمجھتی اور پھر ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرتی تھی، مشتاق عامر بیوی سے غافل ہوا تھا اسے بیٹی کے معاملے کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ نوین اس کی پرورش کیسے کر رہی ہے، وہ اس ماحول سے کیا سیکھ رہی ہے، نوین جانتی نہ تھی کہ وہ پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوئی تھی اور اس نے مشتاق کی عادات اور رویے کو جاننے کی کوشش ہی نہ کی تھی، یہ بے وقوفی کی انتہا تھی کہ وہ ظاہری چمک دمک پر پھیل گئی تھی، حقیقت میں وہ ایک آنے کا بھی شخص نہیں تھا، اگر ہوتا تو بیوی اور بیٹی کو ایسی زندگی کی ترغیب کبھی نہ دیتا۔

یہ ٹھیک ہے کہ محبت کے نام پر بڑے دھوکے کھائے جاتے ہیں، مگر محبت کامیاب بھی رہا کرتی ہے اگر محبت کے ساتھ کچھ عقل کا استعمال بھی کیا جائے اور ساتھ اپنے ماں باپ کو اپنے بہن بھائیوں کو ایک غیر محبت کے لئے ایک کونے میں نہ لگا دیا جائے، یہ کیسی محبت ہوتی ہے جو اتنی بہت ساری سچی اور خونی محبتوں پر غالب آ جاتی ہے اور پھر اپنا آپ منوا کر چھوڑتی ہے،

یہاں تو نوین سے محبت کے نام پر ہی غلطی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ جس ماحول میں رچ بس گئی تھی اور پھر جن خطوط پر وہ بیٹی کی پرورش کر رہی تھی وہ سب غلط تھا۔

☆☆

مظہر جمال سارا دن بہت پریشان رہا تھا، آس کا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا اور اس کی انگلیاں تھک گئی تھیں اس کا نمبر ڈائل کرتے کرتے، ہر بار نمبر ملنے پر ایک ہی جواب موصول ہوتا کہ نمبر بند ہے، آس کی طبیعت بھی تو خراب تھی خدا خیر کرے، اس کے دل میں اب وسوسے اور اندیشے سر اٹھانے لگے تھے، کبھی وہ اس طرح کرتی تو نہیں ہے، اتنی لاپرواہ تو وہ کبھی بھی نہیں رہی، مختلف سوچیں دماغ میں اودھم مچا رہی تھیں آخر خدا خدا کر کے شام کے کسی پل اس نے نمبر ڈائل کیا تو اس کے نمبر پر بیل ہونے لگی اور پھر آس نے اس کی کال بھی ریسیو کر لی تھی۔

''آس...... آس کہاں ہو تم؟'' مظہر جمال کے لہجے میں آج کے گزرے دن کے ہر پل کی بے چینیاں آن ٹھہری تھیں۔

''میں اپنے گھر پر ہوں۔''

''تم ٹھیک تو ہو نا؟''

''ہاں اب ٹھیک ہوں۔''

''نمبر کیوں بند کیا تھا؟''

''نمبر بند نہیں کیا تھا موبائل میں کچھ گڑبڑ تھی۔''

''اوہ میں سمجھا جانے کیا بات ہے؟ میں تو ڈر گیا تھا کہ خدانخواستہ تمہاری طبیعت زیادہ خراب نہ ہو گئی ہو۔'' دوسری طرف خاموشی تھی، مظہر جمال کو اب محسوس ہوا تھا کہ وہ معمول سے زیادہ خاموش ہے، ورنہ اس سے جب بھی بات ہوتی تھی وہ ہمہ وقت چہکتی رہتی تھی۔

''کچھ بولو نا اتنی خاموش کیوں ہو؟''

''ہوں بول تو رہی ہوں۔''

''اچھا اگر بول رہی ہو تو پھر مجھے کچھ سنائی کیوں نہیں دے رہا۔'' وہ شرارت سے بولا تھا۔

''اچھا مظہر اب میں بند کرتی ہوں ماما آوازیں دے رہی ہیں ذرا ان کی بات سن لوں۔'' وہ مظہر جمال سے جان چھڑانے والے انداز میں بولی تھی۔

مظہر اس سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا تھا مگر اس نے فوراً کال منقطع کر دی تھی اور پھر وہ کال ہی منقطع نہیں ہوئی تھی آس مشتاق سے رابطوں میں بھی وقفہ آنے لگا تھا، وہ آفس بھی نہیں آ رہی تھی اور فون پر بھی بہت کم بات کر رہی تھی۔

''میں آج اس کے گھر جا کر اس سے بات کروں گا۔'' جب کافی دن گزر گئے اور آس کا رویہ بدستور ویسا ہی رہا تو مظہر نے اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ وہ اس کے گھر جائے گا اور پھر جس شام وہ آس کے گھر جانے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا اسی شام اس نے مختار اعوان کی گاڑی میں آس مشتاق کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا، کوئی طوفان تھا جو مظہر جمال کے سر پر سے گزر گیا تھا، کوئی زلزلہ تھا جو اس کی ذات میں ہلچل مچا گیا تھا وہ اپنی گاڑی میں مختار اعوان کی گاڑی کے پیچھے پیچھے گیا تھا، وہ محض ایک نظر کے دھوکے کو اپنی پوری زندگی کا روگ نہیں بنانا چاہتا تھا، مگر مختار اعوان کی گاڑی میں بیٹھنا نظر کا دھوکہ ہو سکتا تھا، مگر ایک بہت بڑے اور مہنگے ترین شاپنگ پلازہ میں ہنستے ہوئے دونوں کا ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کرنا اور کرتے ہی جانا دھوکا کیسے ہو سکتا تھا، یہ کوئی سنی سنائی نہ تھی کہ مظہر کو یقین کرنے کے لئے کسی شک میں مبتلا ہونا پڑتا، یہ تو آنکھوں دیکھا حال تھا

جسے وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔

''آس مشتاق اور مختار اعوان۔'' اندر باہر ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی اور ان دو ناموں نے مظہر جمال کا دن رات کا سکون چھین لیا تھا۔

''آج کل کہاں غائب ہو۔'' وہ آس سے دو ٹوک بات کرنا چاہتا تھا، اس نے اسے فون کیا تھا دل میں بے شک طوفان اٹھا ہوا تھا مگر وہ بڑے تحمل سے اور بڑے جبر سے پوچھنے لگا تھا۔

''کہیں بھی نہیں۔'' آس کے لہجے کا بدلاؤ اور الفاظ کا روکھا پن آج اسے بڑی جلدی سمجھ میں آ گیا تھا۔

''آس میں تمہارا زیادہ ٹائم نہیں لوں گا بس ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا اور مختار اعوان میں ایسا کیا دیکھا کہ تم میری محبت کو ٹھکرا کر اس کی طرف بڑھ گئی، ایسا کیا نہیں تھا مجھ میں اور ایسا کیا تھا مختار اعوان میں۔'' اب وقت نہیں رہا تھا کہ وہ تمہیدیں باندھتا پھرتا اس نے آس سے صاف ہی پوچھ لیا تھا۔

''میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی اور مظہر آپ سے تو میری صرف دوستی تھی، آپ خود ہی بہت آگے کا سوچنے لگے تھے اور......'' وہ آگے جانے کیا کیا کہتی کس طرح مظہر جمال کی پاکیزہ محبت کی دھجیاں اڑاتی مظہر میں اتنا کچھ سننے کا یارا نہیں تھا، اس نے فون بند کر دیا تھا، اس نے مختار اعوان کے ساتھ لاکھوں کروڑوں کی بزنس ڈیل بھی ختم کر دی تھی جب کروڑوں کا دل ہی اس نے خالی کر دیا تھا تو وہ اپنی تجوریاں پیسوں سے بھر بھی لیتا اسے اب کہاں سکون ملنے والا تھا۔

''دادی اماں نے صحیح کہا تھا کہ اس لڑکی میں کوئی اپنا پن نہیں ہے۔'' اس وقت تو مظہر نے دادی اماں کو جھٹلا دیا تھا مگر آج ان کی بات سچ ثابت ہوئی تھی، غصہ تو مظہر جمال کو خود پر تھا کہ اس کی اپنی نظر کیسی تھی اپنے احساسات کیسے تھے وہ کیوں نہ آس کو سمجھ سکا، کیوں نہ جان سکا کہ وہ صرف پیسہ بٹورنے اس کے قریب آئی ہے کوئی اور تگڑی آسامی ملے گی تو اسے چھوڑ دے گی، مظہر جمال جانتا تھا آج اگر مختار اعوان سے بھی مالدار آدمی آس مشتاق کو مل جائے وہ مختار اعوان کو چھوڑنے میں بھی ایک منٹ نہ لگائے۔

''میرا دل چاہتا ہے اس کے خوبصورت چہرے پر تیزاب پھینک دوں، اس کے حسین نقوش کو بگاڑ دوں تاکہ وہ کسی اور کو بے وقوف نہ بنا سکے۔'' اس نے اپنے ایک دوست کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا تھا۔

''نہ یار ایسے مت سوچو کیوں ایسا گناہ خود پر لیتے ہو، بس اتنا سوچ لو کہ ایک غلط لڑکی تم سے ٹکرا گئی جو تمہارے قابل نہ تھی، بس اب اس کو بھول جاؤ۔'' دوست نے اس کے دل پر مرہم رکھنے کی کوشش کی تھی۔

''کیسے بھول جاؤں، وہ کوئی خواب تو نہیں تھی جو بھول جاؤں، اس سے محبت کی ہے میں نے محبت۔'' وہ چیخ پڑا تھا اور دوست بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ ایک عام سا دن تھا، سارا دن سورج کی تمازت بھرپور رہی تھی اور شام بھی کوئی خوشگوار نہ تھی، جس بھری اور گھٹن والی شام تھی، نوین یونہی اکتائی سی گھر میں بیٹھی تھی، آس اپنے ایک دوست کے ساتھ آج کل بھور بن گئی ہوئی تھی اور مشتاق بھی جانے کہاں نکلا ہوا تھا، وہ سخت بور ہو رہی تھی، آج جانے کیوں اس کا دل بھی گھبرا رہا تھا اور آج یہ بھی انہونی ہوئی تھی کہ نوین کو اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اپنے ماما، پاپا اور بھائی یاد آ رہے تھے، وہ زندگی میں ایک بار ان سے ملنا

چاہتی تھی ان کے پاؤں میں گر کر معافی مانگنا چاہتی تھی، وہ اس غلطی کی تلافی کرنا چاہتی تھی جو اس نے کی تھی۔

''آج مشتاق گھر آتا ہے تو میں اسے کہوں گی کہ مجھے ''سلطان ولا'' چھوڑ آئے۔'' اپنوں کی یاد نے اس طرح بے کل کیا تھا کہ وہ دل میں ارادہ باندھ بیٹھی تھی کہ آج ضرور اپنوں سے ملنے جائے گی، اتنے میں ملازمہ نے بتایا کہ واحد گردیزی صاحب آئے ہیں۔

''انہیں کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں۔'' کبھی اس نے واحد گردیزی کے ساتھ بہت اچھا ٹائم گزارا تھا مگر وہ اس طرح جان کو آ گیا تھا کہ نوین کا دل اس سے اوب گیا تھا، وہ اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی مگر وہ نوین سے رابطہ ختم کرنا ہی نہ چاہتا تھا۔

''جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم خود ہی آ گئے ہیں۔'' اس سے پہلے کہ ملازمہ باہر جاتی، واحد گردیزی کمرے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گیا تھا۔

''تم جاؤ۔'' نوین نے ملازمہ سے کہا تھا اور پھر ناگواری سے واحد گردیزی کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ کون سا طریقہ ہے کسی کے گھر میں داخل ہونے کا؟''

''نوین مشتاق کے گھر میں داخل ہونے کے لئے ہمیں کسی طریقے کی ضرورت نہیں۔'' وہ ٹھنڈے لہجے میں کہہ کر بیٹھ گیا تھا۔

''کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ نا، اصل میں بہت دن ہو گئے تھے تمہیں دیکھے اور تم سے باتیں کیے ہوئے دل پر یارانہ ہاتھ بے اختیار کھینچا چلا آیا، ذرا ملازمہ سے کہہ کر اچھی سی چائے تو پلواؤ۔''

''واحد گردیزی صاحب! میں فارغ نہیں ہوں، مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔'' وہ جوں کی توں کھڑی رہی تھی۔

''اچھا ہم سے بھی زیادہ ضروری کام ہیں۔'' وہ اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔

''جی ہاں، آپ تشریف لے جائیں تو اچھا ہے۔''

''اتنی بیزاری وہ بھی ہم سے۔'' وہ پہلے حیران ہوا تھا اور پھر اسے غصہ آنے لگا تھا، کبھی یہی نوین تھی جو اس کے آگے کیسے بچھی جاتی تھی اور آج اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی واحد گردیزی اتنے اسٹیمنے والا آدمی نہیں تھا کہ کوئی اس کی تذلیل کرے اور وہ خاموشی سے تماشا دیکھتا رہے۔

''ہوں۔'' وہ منہ موڑے کھڑی رہی تھی۔

''ذرا صورت تو دکھاؤ۔'' واحد نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑنے کی کوشش کی تھی۔

''ڈونٹ ٹچ می۔'' وہ چلائی تھی اور واحد گردیزی کا دماغ گھوم گیا تھا اس تذلیل پر اس نے جیب سے ریوالور نکالا تھا، کوشش تو نوین کو محض ڈرانے کی تھی مگر نوین ریوالور دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئی تھی اور اس سے چھیننے کی کوشش کی تھی، اس کشمکش میں وہ چل گیا تھا اور گولی نوین کے سینے میں جا گھسی تھی، ادھر نوین زمین پر ڈھیر ہوئی تھی اور ادھر واحد گردیزی وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔

جب تک آس گھر پہنچی اور مشتاق آیا تھا تب تک نوین سرتاپا سفید چادر میں ملبوس بے جان مورت کی صورت پڑی تھی، ان کا گھر بھانت بھانت کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ دونوں باپ بیٹی فق چہروں کے ساتھ اپنے ساتھ گزرنے والے اس سانحے کو سمجھنے اور دیکھنے سے قاصر تھے،

پھر ماتم تھا اور جانے والے کی جدائی کا احساس، آنسو تھے اور ندامت، مگر نوین اپنی تمام تر غلطیوں کے ساتھ وہاں جا چکی تھی جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا۔

☆☆☆

چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا اس کو مظہر کی زندگی سے نکلے؟

''سر کوئی مس مشتاق آپ سے ملنے آئی ہیں۔'' مظہر جمال آفس میں بری طرح بزی تھا جب اس کی پی اے نے اطلاع دی تھی۔

''بھیج دو۔'' اس نے مصروفیت کے عالم میں ہی جواب دیا تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ ایک فائل پر کچھ لکھنے میں مگن تھا جب کوئی اس کے قریب آ کر بولا تھا۔

''وعلیکم......!'' لہجہ پرانا ضرور تھا مگر اجنبی نہیں مظہر نے آدھا جواب دے کر چونک کر سر اٹھایا تھا، اور پھر آنکھوں میں حیرتیں سمیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم؟''

''ہاں میں، کیا بیٹھ سکتی ہوں۔'' اس نے پوچھا تھا اور پھر اجازت ملنے سے قبل ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی، آج بھی وہ یہاں پورے استحقاق سے آئی تھی، اتنا تو اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ صرف مظہر جمال ہی واحد شخص تھا جس نے آس مشتاق کو دل سے چاہا تھا باقی سب نے تو وقت ہی گزارا تھا، اب جبکہ ماما کی وفات کے بعد وہ سراپا بدل گئی تھی، ماما کی زندگی سے اس نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا اور اب ایک بدلا ہوا روپ لے کر مظہر کے پاس آئی تھی، اس لئے خوش بھی بہت تھی، ناچار مظہر جمال کو بھی بیٹھنا پڑا تھا۔

''مظہر جلدی کریں آپ ابھی تک بزی ہیں، میں نے آپ سے کہا بھی تھا میرے آنے تک سارے کام نمٹا لیں، مجھے ساجدہ کے لئے ابھی شاپنگ کرنی ہے، پھر اس کی طرف جانا ہے بہت دیر ہو جائے گی۔'' ابھی وہ کچھ کہنے کے لئے الفاظ ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ کوئی لڑکی تیز تیز بولتی ہوئی اندر آئی تھی، اس کی توجہ صرف مظہر کی طرف ہی تھی۔

''ہاں چلتے ہیں میں بس فارغ ہی ہوں۔'' وہ ام ہانی سے بولا تھا۔

''آس یہ میری مسز ہیں ام ہانی دوسرے لفظوں میں شریک حیات۔'' وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

''اور ان کا تعارف؟'' ام ہانی ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''یہ میرے آفس میں کام کرتی تھیں، پھر چھوڑ کر چلی گئیں، آج ملنے آئی تھیں۔''

''او کے مس آس مشتاق ہم چلتے ہیں، سوری میں آپ کو زیادہ ٹائم نہیں دے سکا۔'' وہ ام ہانی کا بازو تھام کر بولا تھا۔

''خدا حافظ۔'' وہ باہر نکل گیا تھا اور آس مشتاق خالی کمرے کو دیکھتی رہ گئی تھی، محبت ایک بار ہاتھ آیا کرتی ہے بار بار نہیں، کوئی اس پر ہنسا تھا۔

''ام ہانی چاچا انعام اللہ کی صاحب زادی اب میری بیوی ہے، میں اپنے دل کو خوش نہیں رکھ سکا تھا مگر دادی اماں کی بات مان کر ان کو ضرور خوش کر دیا تھا اور یہ میرے لئے گھاٹے کا سودا نہیں رہا تھا، تقریباً تین ماہ سے ام ہانی میرے ساتھ ہے اور میں بہت خوش ہوں اس کے ساتھ، ہم نے مل کر ایک مکمل گھر کی بنیاد رکھ لی ہے مگر......!''

''اس مگر کے آگے کیا ہے، کبھی کبھی مجھے خود بھی سمجھ نہیں آتی، آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں محبت میں بے وفائی بھی ملے کیا یہ تب بھی مر جاتی ہے، میرے خیال میں یہ کبھی نہیں مرتی، اب بھی کبھی کبھی تنہائی میں آس مشتاق کی یاد دل پر ایسے حملہ کرتی ہے کہ میں بے چین ہو اٹھتا ہوں لیکن جب یہ سوچتا ہوں کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا تب اس یاد کو جھٹکنے میں مجھے آسانی ہو جاتی ہے، بس جذبات کی یہ کش مکش ہے اور زندگی کا سفر، جو دھیرے دھیرے کٹ ہی رہا ہے اور آخر کٹ ہی جائے گا۔''

بظاہر کچھ نہیں باقی بچا ہے
برف کی یخ ہوائیں جب چلی تھیں
اور ہمارے بیچ ایک کہر سا چھایا تھا خاموشی کا
تبھی سے ہر طرف بس برف ہے
اور برف بھی ایسی
کہ ہم کچھ بولنا چاہیں
تو جیسے لفظ سارے جم سے جاتے ہیں فضاؤں میں
کانپتی انگلیوں کی ٹھنڈی بے جان پوروں سے
کسی کے نام لکھتے تھک گئے ہیں
ہماری آنکھ کی کھڑکی پہ
سپنے جم گئے ہیں
بظاہر کچھ نہیں باقی
مگر اس منجمد جھیل کے نیچے
کوئی ہلچل سی باقی ہے
میری یادوں
میرے بیتے پلوں کا
رقص جاری ہے

☆☆☆

ام مریم

بیسویں قسط کا خلاصہ:

مما معاذ کا رجحان اور جھکاؤ پرنیاں کی طرف محسوس کر کے دل میں اطمینان پاتی ہیں اور پپا سے بات کر کے پرنیاں کی رخصتی کی خواہش ظاہر کرتی ہیں، پپا کو اعتراض نہیں ہوتا، وہ خود پرنیاں کو نرمی سے سمجھا کر قائل کرتے ہیں اور یوں اس کی رخصتی کی گھر میں تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، معاذ پہ یہ حقیقت ابھی تک آشکار نہیں ہوئی اس پر ستم اسے شادی کی فکس ہو جانے والی ڈیٹ سے بھی آگاہ نہیں کیا، معاذ پرنیاں کے ساتھ کھل کر بات کرتا ہے اور اپنی پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ اپنی منکوحہ کے لئے بھی نیک خیالات کا اظہار پرنیاں کو اس کے معاملے میں نرم کر دیتا ہے۔

جہان کا ٹکراؤ ثرالے سے ہوتا ہے، وہ اکے تنہا گھر سے نکلنے پہ اسے ڈانٹتا ہے اور گھر ڈراپ کرتا ہے، مسز آفریدی فون پہ اسی ایک بات کا حوالہ دے کر خاصے تمسخرانہ انداز میں جہان کو رگیدتی ہیں جس پہ وہ غصے میں آؤٹ ہونے لگتا ہے۔

نیہاں فون پہ معاذ کو ملنے کا کہتی ہے، منع کرنے پہ وہ بھڑ کر پرنیاں کے حوالے سے طعنہ دیتی ہے معاذ غصے میں فون کاٹ دیتا ہے گھر پہنچنے پہ وہ زینب اور بھابھی کی بات سن لیتا ہے جس میں اس پر انکشاف ہوتا کہ پرنیاں ہی اس کی منکوحہ ہے، وہ غم و غصے کی شدتوں سے اپنا دماغ ماؤف محسوس کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اکیسویں قسط

اس کے سر میں مسلسل دھماکے ہو رہے تھے، ایک لمحے کو تو اتنا غصہ آیا تھا کہ جی چاہا تھا اندر گھس جائے اور جو منہ میں آئے کہہ کر ان سب کی طبیعت صاف کر کے رکھ دے مگر اس نے خود کو کمپوزڈ کر لیا تھا، اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے ایک دھماکے سے دروازہ بند کیا پھر کوٹ اور ٹائی اتار کر بستر پہ پھینک دیئے، اس کے لئے یہ احساس ہی بے تحاشا ہتک کا باعث تھا کہ وہ بے وقوف بنایا گیا تھا وہ بھی اتنی آسانی سے، اس کی نگاہوں میں گزشتہ روز و شب کی ایک فلم سی چل رہی تھی، کیا وہ شکل سے اتنا احمق نظر آتا تھا کہ اسے اتنی آسانی کے ساتھ ٹریپ کر دیا گیا تھا، سوچ سوچ کر اس کا رخسار خون بڑھتا گیا اس کا غصہ کمرے کی نازک ترین چیزوں پہ اتر رہا تھا، وہ نازک ہی نہیں شاہانہ مزاج بھی تھا اور ہمیشہ اپنی ذہانت پہ اس نے فخر کیا تھا، مگر یہ معاملہ ایسا ہوا تھا کہ وہ بل کھا کر رہ گیا تھا، دیکھا جاتا تو یہ سامنے کی بات تھی، سارے راز کھلے پڑے تھے، پرنیاں کا اس گھر میں آنا جانا، گرلز ہاسٹل میں قیام گھر والوں کا اسے اس درجہ اہمیت دینا سے لے کر خود پرنیاں کا معاذ سے یہ خصوصی قسم کا گریز والا رویہ، از خود ساری کہانی سناتے تھے، وہ یہی سمجھنا نہیں چاہتا تھا، پھر اگر وہ بے وقوف بنایا گیا تھا تو کیا عجب تھا، اسے باقی سب کے ساتھ ساتھ خود اپنے اوپر بھی تاؤ آنے لگا۔

''ہاں میں واقعی احمق تھا۔'' اس نے دانت کچکچائے۔

''اور وہ پرنیاں...... اس نے بھی میرا مضحکہ اڑایا، وہ بھی سب کے ساتھ مل گئی، میرا اتنا قصور نہیں تھا، میں نے اسے دیکھا ہی کہاں تھا، اور وہ...... وہ مجھے کیسے کیسے نہیں زچ کرتی رہی، اس کا بار بار اور کرید کرید کر سارے سوال کرنا بھی مجھے نہیں سمجھا سکا، تف ہے مجھ پہ، تف ہے معاذ حسن تمہاری ذہانت پہ۔'' اس نے ایک اور کرسٹل واز اٹھا کر دیوار پہ دے مارا تھا۔

''معاذ حسن کو بے وقوف بنانے کی سزا معمولی نہیں ہے پرنیاں صاحبہ، میرے خیال میں سب سے زیادہ آپ کو ہی خمیازہ بھگتنا چاہیے، کبھی یاد کرو گی کسی کو فول بنایا تھا۔'' میز کو ٹھوکر لگاتے ہوئے اس نے حتمی انداز میں شدت پسندی سے سوچا اور واش روم میں گھس کر شاور کھول کر اپنے جلتے جلتے وجود کی آگ بجھانے کی سعی کرنے لگا۔

☆☆☆

''جہان بیٹے!'' وہ اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلا تھا تبھی پپا نے پکار لیا، جہان نے چونک کر پلٹ کے انہیں دیکھا، وہ اپنے کمرے کے دروازے پہ کھڑے اسی کو دیکھ رہے تھے۔

''جی چاچو!'' جہان نے سیل فون جس پہ وہ کوئی نمبر پش کر رہا تھا جیب میں رکھا اور ان کی جانب بڑھ آیا۔

''آپ کہیں جا رہے ہو؟''

''جی لاہور کے لئے نکل رہا تھا، خیریت؟''

''لاہور کیوں جا رہے ہو بیٹے! میں نے آپ سے کہا تھا وہاں کا کام مینجر سنبھال لے گا۔''

''سب کچھ مینجر پہ نہیں چھوڑا جا سکتا ہے چاچو! میں مستقل وزٹ کرتا ہوں آئی تھنک یہ ضروری ہے۔''

''او کے ازیوش بیٹے! کوئی مسئلہ تو نہیں وہاں؟''

''نو چاچو نو پرابلم ڈونٹ یو وری۔'' جہاں نے دانستہ مسکرا کر انہیں تسلی سے نوازا تھا، پھر انہیں خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا، یہ جانے بغیر کہ پپا اس کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اسی زاویے پہ کھڑے رہے تھے، کل شام انہیں مسز آفریدی کا فون اس وقت آیا تھا جب وہ ایک بہت اہم میٹنگ میں بزی تھے۔

دو تین بار کال ڈراپ کرنے کے باوجود جب فون کرنے والا ڈھٹائی پہ جما رہا تھا تب انہوں نے زچ ہو کر فون اٹینڈ کیا تھا۔

''میں مسز آفریدی ہوں، لاہور سے بات کر رہی ہوں۔''

''دیکھئے خاتون میں میٹنگ میں ہوں آپ تھوڑا سا ویٹ کر لیں، میں خود آپ کو کال کر لوں گا۔''

''احسان صاحب میری بات آپ کی اس میٹنگ سے زیادہ اہم ہے، بہتر ہو گا اسے پہلے سن لیں آپ۔'' مسز آفریدی کے انداز میں ایسا کچھ غیر معمولی پن تھا کہ پپا اپنی جگہ پہ جز بز ہو گئے تھے۔

''ایسی کون سی بات ہے؟'' وہ قدرے جھلائے۔

''جہانگیر حسن شاہ آپ کا بھتیجا ہے نا؟ اس نے میری بیٹی سے نکاح کیا تھا، میری بیٹی کم سن اور معصوم ہے اللہ جانے آپ کے بھتیجے نے کیسے اسے ورغلایا کہ وہ اس کے دام میں پھنس گئی، مجھے یہ بات کرتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے، احسان صاحب کہ آپ کا بھتیجا میری بیٹی کے ساتھ محض وقت گزاری کر رہا ہے، جب میں نے رخصتی کی بات کی تو وہ غصے سے اکھڑ گیا، بدتمیزی کرنے لگا۔''

مسز آفریدی نے یہ چال بھی بہت مہارت سے چلی تھی، گلوگیر لہجے میں اتنی بے بس اور لاچاری تھی کہ سامنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، مگر یہاں معاملہ اور تھا پپا جہان کی رگ رگ سے واقف تھے، انہیں یہ سن کر پہلے تو یقین نہیں آ سکا تھا مگر جب مسز آفریدی نے نکاح نامہ ثبوت کے طور پر پیش کرنے کی بات کی تو پپا کا لہجہ لڑکھڑا سا گیا تھا، ان کا لہجہ پست ہونے کی دیر ہوئی تھی کہ مسز آفریدی اپنی چالبازی کے ساتھ ان پہ حاوی ہوتی چلی گئیں۔

''ہم شریف لوگ ہیں احسان صاحب! بہتر ہو گا آپ عزت دار طریقے سے آ کر میری بیٹی کو رخصت کرا کے لے جائیں۔'' ان کے لہجے کے طنطنے اور نخوت کا پھر وہی عالم تھا، پپا نے فون بند کیا تو بے حد الجھے ہوئے تھے، پھر وہ میٹنگ بھی ڈھنگ سے اٹینڈ نہ کر سکے تھے، ان کی نظریں بار بار جہان کے چہرے پہ جا کے بھٹکنے لگتیں جہان بے خبری اور ازلی سادہ دلی کا عکس تھا، جانے کیوں ان کا یقین ڈگمگانے لگتا، جہان ایسا نہیں ہو سکتا تھا، کئی بار انہوں نے چاہا اس سے تصدیق کرا لیں مگر ہر بار وہ الفاظ جوڑتے ہی رہ گئے تھے اور اب جہان کے لاہور جانے کا سن کر ان کا ماتھا ٹھنک گیا تھا، وہ سخت مضطرب ہو کر رہ گئے تھے، اسی اضطراب میں انہوں نے سیل فون اٹھا کر جہان کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔

''السلام علیکم چاچو!'' جہان کی آواز ان کی سماعتیں سیراب کرنے لگی۔

''بیٹے کہاں ہو آپ؟'' انہوں نے بے کلی کے عالم میں پوچھا۔

''ائیر پورٹ پہنچ چکا ہوں چاچو! خیریت ہے نا آپ مجھے کچھ پریشان لگتے ہیں۔''

''مسز آفریدی ہماری بزنس پارٹنر ہیں کیا؟''

''نہیں تھیں کبھی، اب نہیں ہیں، کیوں کیا ہوا؟'' جہان حیران سا ہو کر پوچھنے لگا اور پپا ایک بار پھر پوچھتے پوچھتے رہ گئے۔

''کیسی خاتون ہیں وہ؟'' ان کا لہجہ نہایت محتاط قسم کا تھا۔

''بہت کلیور ہیں وہ، گھاگ اور عیار، آپ کیوں پوچھ رہے ہیں چاچو۔'' جہان کے لہجے میں واضح تنفر تھا معاذ وہ یکلخت ٹھٹک سا گیا تھا۔

''بیٹے آپ نے ایک بار بتایا تھا نا کہ آپ کے ساتھ بھی وہ الجھ پڑی تھیں، میں اسی وجہ سے کچھ اپ سیٹ تھا، بزنس میں لوگ خوامخواہ دشمنیاں پال کر بیٹھ جاتے ہیں، میں اس لئے آپ کو وہاں جانے سے منع کر رہا تھا۔''

''کم آن چاچو اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، ایسے لوگوں سے نپٹنا میں خوب جانتا ہوں۔'' اس نے اپنے تئیں انہیں تسلی ہی دی تھی۔

''مگر بیٹے ہمیں ضرورت ہی کیا ہے خوامخواہ کسی سے الجھنے کی۔''

''اوکے چاچو ڈونٹ وری! میں کیوں ان سے الجھوں گا۔''

''ٹھیک ہے کل آپ لازمی واپس آ جانا، وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔''

''جی بہتر! جیسے آپ کا حکم۔'' جہان نے انہیں سعادت مندی سے جواب دیا تھا، فون بند کرنے کے بعد بھی پپا کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

☆☆☆

''مما! مام......'' معاذ اپنے کمرے کے دروازے پہ کھڑا ہو کر زور سے چلایا تھا، اپنے دھیان میں اسی سمت آتی پرنیاں نے چونک کر اسے دیکھا، اس پل معاذ کی بھی اس پہ نگاہ پڑی تھی، ایک پل کو تصادم تھا مگر پرنیاں کے اندر کوئی جوت سی جگا گیا، جبکہ معاذ کے اندر اسے روبرو پا کر بھڑکتی آگ کچھ اور بھی فروزاں ہو گئی تھی۔

''پرنیاں!'' وہ خاموشی سے کھسک رہی تھی کہ معاذ کی پکار پہ بے ساختہ گہرا سانس بھر کے نیچی نظروں سے اسے دیکھا وہ گیلے بال ہاتھ کی انگلیوں سے سنوارتا ہوا شرٹ سے بے نیاز کھڑا تھا، پرنیاں کی جھجک فطری تھی۔

''میری شرٹ استری کر دیں۔'' سوال نہیں آرڈر ہوا تھا جسے پرنیاں نے قدرے حیرانی سے سنا مگر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''جی...... لائیں کر دیتی ہوں۔'' اسے اس کے سوا اور بھلا کیا کہنا تھا۔

''اندر کمرے میں پڑی ہے، لے لیں۔'' معاذ نے ہاتھ کے اشارے سے بیڈ روم کی سمت اشارہ کیا اور خود دروازے کے درمیان سے ہٹ گیا، اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ کمرے سے جا کر خود شرٹ اٹھاتی، پرنیاں گہرا سانس بھر کے اندر آئی تھی، بیڈ کی پائنتی اسکائی بلیو

شرٹ پڑی ہوئی تھی، اس نے آگے بڑھ کر اٹھالی تھی۔

''آپ کالج کیوں نہیں جا رہی ہیں؟'' اس نے جیسے ہی واپسی کو قدم موڑے معاذ ایکدم اس کے راستے میں حائل ہوا تھا، پرنیاں اپنی جون میں اس سے ٹکرائی اور سخت خفت زدہ ہو کر رہ گئی کہ ایک پل کو تو وہ اس کے سینے سے ہی جا لگی تھی، اس کے گمان تک بھی نہیں تھا کہ معاذ یوں اچانک اس کے اتنا نزدیک آ کر کھڑا ہو جائے گا، اس نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں معاذ اسے بہت گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا، پرنیاں تو لمحوں میں پسینوں میں نہا گئی تھی۔

''پلیز جانے دیں مجھے۔'' اس کا دل بے تحاشا رفتار سے دھڑک رہا تھا آواز پہ لرزش سی اتر آئی۔

''میری بات کا جواب تو دے دیں؟'' معاذ دانستہ ہی مسکرایا تھا۔

''آپ شرٹ تو پہن لیں۔'' وہ جتنی جزبز ہوئی تھی اسی لحاظ سے جھلا کر بدلی، معاذ کا دل قہقہہ لگانے کو مچل گیا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے، آپ بھی جانتی ہیں ہم مستقبل میں میاں بیوی بننے والے ہیں، اس رشتے میں تو ہر قسم کی بے تکلفی ہوتی ہے نا۔'' پرنیاں کی آنکھوں میں زبردستی جھانکنے کی کوشش کرتا ہوا وہ بے نیازی سے گویا ہوا تھا، پرنیاں متحیر ہو کر رہ گئی۔

(بہت فائدہ اٹھا کر چکیں تم میری بے خبری کا، اب تمہاری باری ہے پرنیاں معاذ حسن، بھگتو) معاذ کی نگاہوں میں سرکشی اور نخوت تھا، تمام نرم گرم جذبے اس ہتک کے سامنے منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

''مجھے یہ بے تکلفی بالکل پسند نہیں۔'' پرنیاں نے خود کو سنبھال کر ناگواری بھرے انداز میں جتلاتے ہوئے کہا تھا مگر معاذ پہ الٹا اثر ہوا اس نے نہایت اطمینان کے ساتھ پرنیاں کو دونوں شانوں سے تھاما تھا اور اپنے مقابل کر لیا تھا، پھر اس کی تحیر و استعجاب سے پھیلی نگاہوں میں اپنی سرد نظریں گاڑھ کر قطعیت بھرے انداز میں گویا ہوا تھا۔

''مگر مجھے تو پسند ہے، اپنے رشتوں پہ استحقاق جتلانا بھی اور ان سے اپنی منوانا بھی۔'' معاذ کا یہ انداز پرنیاں کے حواس سلب کرنے کو کافی تھا، وہ نہ صرف تھرا اٹھی تھی بلکہ ہر لمحہ سرد پڑنے لگی تھی اس میں اتنی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ معاذ کی گرفت سے خود کو آزاد ہی کرا لیتی، بھلا کیا تبدیلی آئی تھی ان چند دنوں میں کہ وہ اس قدر بدل گیا تھا، اس سے قبل تک تو وہ اس کا ہاتھ پکڑنے سے بھی گریزاں ہوا کرتا تھا کہ جان گیا تھا پرنیاں کو یہ پسند نہیں، یہ معاذ کا اسے بخشا ہوا احترام تھا، دی گئی عزت تھی اور یہ تب تک تھا جب تک پرنیاں نے اسے کسی قسم کی کوئی ڈھیل نہیں دی تھی، پرسوں رات ہی ان کی آخری ملاقات ہوئی تھی جس میں پرنیاں نے اپنی طرف سے اسے رضامندی بخشی تھی کہ اس کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے تھے، کیا وہ ایسا ہی عامیانہ انداز میں سوچنے والا تھا؟ کیا وہ ایک بار پھر اسے غلط سمجھ چکی تھی؟ جو عورت کی جانب سے ذرا سی پیش قدمی کے بعد ہی سارے فاصلے اور دیواریں گرانے کے درپے ہو جایا کرتے ہیں۔

وہ ایک بار پھر بدگمانی اور شک کے دلدل میں پھنس رہی تھی، معاذ کی آگاہی کے متعلق تو اسے

گمان تک نہیں تھا کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد انتقامی کاروائی پہ اترا ہوگا، سوچوں نے اسے وحشت زدہ کر دیا تھا، اسی پل دروازہ ناک ہوا تھا اور زینب نے اندر جھانکا۔

''لالے وہ......''

اگلے لمحے اس کی زبان گنگ ہوگئی تو وجہ ان دونوں کی اکورڈ پوزیشن تھی، معاذ حسن کے ہاتھ ابھی تلک پرنیاں کے شانوں پہ جمے ہوئے تھے اور پرنیاں اس کے بے حد نزدیک ساکن کھڑی تھی، زینب کی آواز پہ دونوں ہی جیسے کسی سحر کے اثر سے آزاد ہوئے تھے، معاذ لمحے کے ہزارویں حصے میں رخ وارڈ روب کی سمت پھیر چکا تھا، جبکہ پرنیاں اس کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو، زینب کے چہرے پر حیرانی کی جگہ معنی خیز تبسم نے لے لی، کچھ کہے بغیر اس نے کاندھے اچکائے اور انہی قدموں سے پلٹ گئی، پرنیاں کے پتھرائے ہوئے وجود میں جنبش ہوئی تھی، وہ ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے تیزی سے کمرے سے نکل کر بھاگ گئی، معاذ نے بے نیازی سے کاندھے جھٹکے اور اپنی تیاری مکمل کرنے لگا، نک سک سے درست خوشبوؤں میں بسا وہ نیچے ڈائننگ ہال میں آیا تو ماحول معمول کے مطابق تھا، زینب بھی موجود تھی مگر اس کے چہرے پہ ایک شرارتی قسم کی مسکان جو بھید کھولنے کو بے تاب لگتی تھی مستقل براجمان تھی جس پہ معاذ نے قطعی دھیان نہیں دیا تھا۔

''مماجے کہاں ہے؟ مجھے کچھ بات کرنی تھی اس سے۔'' معاذ کی نظروں نے پرنیاں کو کچھ دیر کھوجا تھا پھر اسی پل وہاں ناشتے کے لوازمات کے ہمراہ آئی مما سے مخاطب ہوگیا۔

''جہان تو لاہور گئے ہیں، آپ کو نہیں پتہ؟'' الٹا مما اس سے بڑھ کر حیران ہوگئیں تو اس نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

''مجھے پتہ ہوتا تو آپ سے کیوں پوچھتا مام، ماریہ پرنیاں کو بلا کر لاؤ انہیں کہو جلدی تیار ہو کر آئیں وہ میرے ساتھ کالج جا رہی ہیں۔'' مما کو جواب دینے کے بعد معاذ نے ماریہ کو کام سے لگایا تھا، وہ کالج بیگ لٹکائے ناشتہ کرنے آئی تھی، بڑے بھائی کی بات سن کر کچھ خائف سی ہوگئی۔

''مگر لالے وہ تو کہہ رہی تھیں رات کہ اب وہ کالج نہیں جائیں گی۔''

''کیوں نہیں جائیں گی؟ اتنی چھٹیاں کر کے جی نہیں بھرا، جاؤ بلا کر لاؤ۔'' معاذ کا موڈ بگڑتا دیکھ کر ماریہ گھبرا کر پیغام لئے بھاگتی گئی۔

''بیٹے آپ فورس مت کرنا، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوگی کل خود چلی جائے گی۔'' مما بھی بیٹے کے تیوروں سے خائف ہوتی تھیں جبھی رسان سے سمجھانا چاہا۔

''آپ کو نہیں پتہ مما وہ کتنی لاپرواہ ہو چکی ہیں اسٹڈی سے، صرف میری وجہ سے وہ اہم کلاس اٹینڈ نہیں کرتیں ہے کوئی بات کرنے کی؟'' معاذ کی سیاہ آنکھوں میں بے تحاشا خفگی کا عکس تھا، مما کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہیں، کچھ دیر بعد ہی خائف سی ماریہ چلی آئی تھی۔

''لالے پرنیاں کے سر میں پین ہے، وہ کہہ رہی ہیں آج کالج نہیں جا سکیں گی۔'' وہ منمنا کر بولی تھی، معاذ نے جتلاتی نظروں سے مما کو دیکھا۔

''سارے بہانے ہیں مجھ سے بچنے کے۔'' وہ کلس کر بولا تھا، زینب کی مسکراہٹ کھنکھناتی ہنسی

میں ڈھلی۔

''وہ غلط تو نہیں بہانے بناتی ہے۔'' زینب بڑبڑائی تھی۔

''شٹ اپ زینی!'' معاذ نے مسکراہٹ دبا کر اسے ڈانٹ پلائی، پھر ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا جس پہ مما نے ٹوکا تھا۔

''آپ ناشتہ تو کر لو بیٹے۔''

''کر چکا ہوں مام! ڈونٹ وری۔'' اپنا کوٹ اٹھا کر پہنتا ہوا وہ ڈائننگ ہال سے باہر نکل آیا تھا، اس کا رخ پورٹیکو کی بجائے زینب کے کمرے کی جانب تھا پرنیاں کا قیام ہمیشہ وہیں ہوا کرتا تھا، اسے یقین تھا اس وقت بھی وہ وہیں مل سکتی تھی، دروازے پہ دستک کا اس نے محض تکلف ہی برتا تھا، اس کا اندازہ درست تھا وہ سامنے ہی بیڈ پہ دراز تھی پاس ہی بھابھی کھڑی تھیں، اس کے آنسو پونچھتی ہوئی، پرنیاں معاذ کو آتا دیکھ کر صرف جز بز نہیں ہوئی سخت متوحش بھی نظر آنے لگی۔

''تم نے کچھ کہا پری کو معاذ؟'' بھابھی نے آتے ہی اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا، معاذ نے ایک نظر پرنیاں کی روئی روئی آنکھوں کو دیکھا تھا۔

''اگر انہوں نے آپ کو یہ بتایا ہے کہ میں نے کچھ کہا تو یہ بھی لازماً بتایا ہوگا کیا کہا ہے؟'' وہ جواباً روٹھے پن سے بولا، بھابھی بیچاری خفت زدہ ہوگئی تھیں جبکہ پرنیاں کا چہرہ کچھ اور بھی جل اٹھا۔

''پلیز معاذ تنگ مت کرو بیچاری کو۔'' بھابھی عاجز ہوئی تھیں۔

''آپ ان سے پوچھیں کہا کیا ہے میں نے، بتائیں آپ؟'' معاذ نے بھابھی سے بات کرتے ایک دم پرنیاں کو بیچ میں گھسیٹ لیا، پرنیاں نے ہونٹوں کو بھینچ کر چہرا پھیر لیا۔

''تم بتاؤ کیا بات ہوئی ہے، ابھی ہنستی کھیلتی تھی اب سہمی ہوئی ہرنی لگ رہی ہے، مجھے تو تم پہ ہی شک ہے۔'' بھابھی اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھیں معاذ کی ہنسی نکل گئی۔

نزاکت ختم ہے ان پر ہوا ہے درد سر پیدا
ذرا ماتھے کو چوما تھا پڑے ہیں تب سے سر باندھے

جواباً وہ پٹڑی سے اتر گیا تھا، پرنیاں تو پرنیاں خود بھابھی بھی خجالت سے کھسیا کر رہ گئیں، پرنیاں سے تو نگاہیں اٹھانا ہی محال ہو گیا تھا اتنی بے باکی کے مظاہرے پہ، وہ سرتاپا جل اٹھی تھی، بھابھی نے البتہ خجالت مٹانے کو معاذ کو ایک دھپ لگا دی تھی۔

''بہت بدتمیز ہو تم معاذ، بے شرم۔''

''چلیں ہو گئیں شروع، مذاق کر رہا تھا بھئی، پوچھیں ان محترمہ سے ایسی گستاخی کا مرتکب ہوا ہوں۔'' معاذ نے سخت احتجاج کیا تھا۔

''تم سے کچھ بعید بھی نہیں ہے۔'' بھابھی نے لتاڑا تھا، معاذ اسی لحاظ سے شاکی ہونے لگا۔

''آپ لوگوں کی بدگمانیاں ضرور مجھے ایسا بنا دیں گی در حقیقت میں ایسا ہوں نہیں۔''

''چلیں جی اب یہ جرم بھی ہمارے سر۔'' بھابھی نے سر پیٹ لیا تھا، پھر اسے ٹوک کر بولی تھیں۔

"پرنیاں کو کوئی پین کلر دے دو، میں چائے بھجواتی ہوں۔"

ان کے جانے کے بعد پرنیاں کو معاذ نے دیکھا تھا جو یقیناً اس کے ساتھ تنہا رہ جانے کے خیال سے ہی سراسیمہ نظر آنے لگی تھی، معاذ نے اس کی کیفیت کو پوری طرح محسوس کیا تھا اور کلس کر رہ گیا تھا۔

"آپ کالج میرے ساتھ نہیں جانا چاہ رہی ہیں نا؟" معاذ نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر سرد مہری سے دریافت کیا تھا، پرنیاں نے ہونٹ بھینچ کر نظریں جھکا لیں یقیناً وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

"میں آپ پہ شک کروں نہ کروں، لیکن لوگ ہمیں ایک ساتھ دیکھ کر ضرور شک کرتے ہیں۔"

پرنیاں کا لہجہ زہریلا ہونے لگا تھا، معاذ نے دانت بھینچ لئے وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی، نیہاں کی بات معاذ کو بھی یاد تھی، وہ لڑکی اس کا پیچھا چھوڑنے پہ آمادہ نہیں نظر آتی تھی اور اس کے عزائم بھی خطرناک تھے، معاذ کو بہر حال اپنی ہی نہیں پرنیاں کی بھی عزت عزیز تھی۔

"او کے فائن! آپ میرے ساتھ کالج نہ جائیں، مگر آپ کو اپنی اسٹڈی پہ دھیان دینا چاہیے۔" معاذ کے پرسان انداز پہ پرنیاں نے چونک کر اسے دیکھا تھا، معاذ آہستگی سے مسکرا دیا۔

"ویسے اگر آپ چاہتیں تو آپ کو یہ مشکلات پیش ہی نہ آتیں۔" معاذ کا لہجہ معنی خیز تھا، پرنیاں کچھ الرٹ ہوئی تھی۔

"واٹ یو مین سر؟" معاذ نے کاندھے جھٹکے تھے اور بے نیازی سے گویا ہوا تھا۔

"آپ کو ہم سے اپنا تعلق کالج میں چھپانا نہیں چاہیے تھا۔"

"کی...... کون سا تعلق سر؟" پرنیاں کی جان ہوا ہونے لگی، جواباً معاذ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"وہی تعلق جس کی بنا پہ آپ یہاں اس گھر میں آتی ہیں اور قیام کرتی ہیں۔" معاذ کا لہجہ اب کے سرد اور کسی حد تک تلخ تھا، اپنی بات مکمل کر کے وہ اس کے تاثرات دیکھے بغیر وہاں سے چلا آیا تھا، جبکہ پرنیاں کتنی دیر تک اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں ہو سکی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی معاذ نے یہ بات کس سنس میں کہی تھی، کبھی اسے لگتا معاذ سب جان چکا ہے کبھی وہ اپنے خیال کی خود ہی نفی کرتی بے تحاشا الجھتی رہی تھی۔

☆☆☆

سر آئینہ میرا عکس ہے پس آئینہ کوئی اور ہے
میری ابتدا تیرا پیار تھا تیری ابتدا کوئی اور ہے
تیری بات ہم سے ہوئی تو کیا تیری سوچ میں کوئی اور ہے
مجھے شوق تھا بڑی دیر سے کہ تیرا شریک سفر ہوں
تیرے ساتھ چل کے خبر ہوئی تیرا راستہ کوئی اور ہے
تجھے فکر ہے کہ بدل دیا مجھے گردش شب و روز نے
کبھی خود سے بھی تو سوال کر تو وہی ہے یا کوئی اور ہے

پژمردہ سی وہ کب سے لان میں اترتی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی، دل پہ ایک جمود سا طاری تھا، عجب بے کلی تھی جو کہیں چین نہ لینے دیتی تھی، کالج جانے کو دل کرتا نہ کسی اور ایکٹی ویٹی میں، سارا دن یا تو المیہ سانگ سنا کرتی دل زیادہ بھر آتا تو وضو کر کے نوافل ادا کرتی اور پھر سجدے میں سر رکھ کے روئے جاتی، مالک حقیقی سے بنا کہے اپنے دل کا درد پیش کرتی، کہ وہاں کہنے کی بھی حاجت پیش نہیں آتی، اس وقت بھی وہ جائے نماز سے اٹھی تو اس کا سیل فون مسلسل بیپ کر رہا تھا، انجان نمبر تھا اس نے کال ریسو کر لی تھی۔

"ژالے کیسی ہو جان؟" دوسری جانب نیلما تھی، ژالے کی روح تک زہر آلود ہونے لگی۔

"کیوں فون کرتی ہو مجھے؟" وہ بھڑک اٹھی تھی۔

"تمہارے سوا میرا ہے ہی کون؟" نیلما کی آواز میں درد سمٹ آیا تھا مگر ژالے نے پھر بھی اسے دھتکار ڈالا۔

"میرے سوا ہی تو سب ہیں تمہارے، اگر تمہیں میرا خیال ہوتا تو تمہاری چوائس میں ہوتی نہ کہ پیسہ اور نفس کی غلامی۔" ایک ایک لفظ چبا کر کہتے وہ پھنکاری تھی۔

"تم بہت بدگمان ہو مجھ سے ہنی! میری بات تو سنو۔" نیلما کی آواز میں نوحے گونجنے لگے تھے۔

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی تم سے، اینڈ لسن مجھے کال مت کیا کرو، کیا تم چاہتی ہو کہ تم سے بات کرنے کی اذیت سے بچنے کی خاطر میں خودکشی کر لوں؟" اس نے انتہا کر دی تھی، دوسری جانب سناٹے چھا گئے تھے، ژالے کے دل میں ذرا سی ٹھنڈ پڑی۔

"اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے ہنی؟" خاصی تاخیر سے شاید وہ بولنے کے قابل ہوئی تو بنیادی سوال کیا تھا، ژالے کے اندر حقارت سمٹ آئی۔

"ہاں اس سے کہیں زیادہ جہاں تمہاری سوچ کی انتہا ہوتی ہے، وہاں میری نفرت کا آغاز ہوتا ہے۔" اس نے برہمی سے کہا اور سلسلہ کاٹ دیا تھا، پھر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ پرسکون ہو جاتی مگر اس کا اضطراب مزید بڑھ گیا تھا، وہ کبھی بھی نیلما کو شدید کرب سے ہمکنار کر کے پرسکون نہیں ہو سکی تھی، تب سے اس کے آنسو بہہ رہے تھے جن میں ملال تھا تاسف تھا رنج اور کرب تھا۔

"بی بی جی آپ کا فون کب سے آ رہا ہے۔" ملازمہ کی آواز پہ ژالے نے چونک کر بھیگا چہرا گھٹنوں سے اٹھایا تھا اور ہاتھ کی پشت سے چہرا پونچھا۔

"کس کا فون ہے؟" اس نے تامل زدہ انداز اختیار کیا، وہ بولی تو اس کی آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی، ملازموں کے لئے اس قسم کی صورتحال کچھ عجیب نہیں تھی، وہ پچھلے کئی سالوں سے بے بی کو اکثر و بیشتر روتا دھوتا ہی پاتے تھے۔

"پتہ نہیں جی میں آپ کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی اس کے بار بار بجنے پہ آپ کے پاس لائی ہوں۔" ملازمہ کی وضاحت پہ ژالے نے ہاتھ بڑھا کر سیل فون لے لیا مگر اسکرین پہ نگاہ پڑتے ہی اسے حیرت کی زیادتی سے سکتہ ہو گیا تھا، فون جہان کا تھا، اسے یقین نہیں آ سکتا تھا، یہ

سکتہ ٹوٹا تو گھنٹی بند ہو چکی تھی، ژالے کے اندر یکلخت ملال سا اتر آیا، یوں جیسے کوئی عظیم نقصان ہو گیا ہو، اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ خود جہان کا نمبر ڈائل کیا تھا، دل کی ہزار ہا سرزنش کے باوجود مگر وہ ہر صورت جاننا چاہتی تھی جہان اسے کیا کہنا چاہتا تھا، ابھی اس نے نمبر پیش کیا ہی تھا کہ اس دم پھر گھنٹی بجنے لگی ساتھ ہی ژالے کا دل بھی اپنی رفتار بھولنے لگا، اس نے لمحے کی تاخیر کے بغیر کال ریسو کی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ ہی نہیں اکسائٹمنٹ بھی غضب کی تھی، مگر جہان کا موڈ بے حد خراب تھا۔

''فون کیوں نہیں سن رہی تھیں آپ؟ بات نہیں کرنا چاہتی مجھ سے؟'' وہ چھوٹتے ہی تلخی سے بولا، ژالے کے اوسان خطا ہونے لگے۔

''نہ...... نہ...... نہیں، میں باہر تھی اور سیل اندر روم میں، آپ کہیئے......؟'' وہ گڑبڑا کر وضاحت دے رہی تھی، جہان نے یوں لمبا سانس بھرا جیسے غصے پہ قابو پا رہا ہو۔

''مجھے بات کرنی ہے آپ سے، آسکتی ہیں مجھ سے ملنے؟'' عجیب فرمائش ہوئی تھی، ژالے تو گنگ ہونے لگی تھی۔

''مم...... میں کیسے...... مطلب یہ کہ......'' اس کی گڑبڑاہٹ نقطہ عروج پہ جا پہنچی۔

''میں لاہور آیا ہوا ہوں، میری رہائش کا پتہ ہے آپ کو؟'' وہ جواباً رسان سے بولا تھا، ژالے کا حلق پھر بھی خشک ہوا جا رہا تھا۔

''جی نہیں ممی کو پتہ ہے، آ...... آپ یہاں آجایئے؟'' اس نے کہا اور پھر اس کی متوقع خفگی کے خیال سے خود ہی سہم بھی گئی۔

''آپ ویٹ کریں میں کچھ دیر میں پک کرتا ہوں آپ کو۔'' چند منٹ کچھ سوچنے کے بعد جہان نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا، ژالے کچھ لمحوں کو خواب کی سی کیفیت میں اسی ثانیے پہ ساکن بیٹھی رہی تھی، جیسے یقین نہ کر پا رہی ہو ابھی جو کچھ ہوا اس کا حقیقت سے کتنا تعلق ہے، بے یقینی سی بے یقینی تھی، اس نے سیل فون کا ریکارڈ بار بار چیک کر کے جہان کی اس چند منٹ پہلے آئی کال کو دیکھا تھا اور خود کو اس دل فریب حقیقت کا یقین دلایا تھا، پھر گلرنگ چہرے کے ساتھ اٹھ کر اندر بھاگی تھی، دھنک کے رنگوں کا ایک بے حد حسین جوڑا اس نے اپنے لئے منتخب کیا تھا، جس کے گلے پہ بہت پیارا کام جھلملاہٹ بکھر رہا تھا، وہ جھٹ پٹ تیار ہوئی تھی، آرائش کے طور پر اس نے محض نیچرل کلر لپ اسٹک کا استعمال کیا تھا، لمبے گھنیرے بالوں کو سنوار کر وہ بینڈ میں جکڑتے جکڑتے رہ گئی اور نہیں پشت پہ یونہی سیدھے گرتے چھوڑ دیا تھا، بڑا سا وائیٹ دوپٹہ جو ٹراؤز کے ساتھ میچ کرتا تھا سنبھالے وہ جھک کر پیروں میں سینڈل کے اسٹیرپ باندھ رہی تھی، جب ملازمہ نے آکر اسے جہان کے آنے کا مژدہ تھا، اس کا پہلے سے دھڑکتا دل کچھ اور بھی شدتوں سے دھڑکنے لگا، تب سے اختیار کی ہوئی عجلت اور افراتفری پہ عجیب سی حیا آمیز جھجک غالب آگئی، گیٹ کی جانب اٹھتے اس کے قدموں میں واضح گھبراہٹ اور گریز تھا، جہان نے اس کی اس معمولی سہی مگر سج دھج کو خصوصی طور پر نوٹ کیا تھا اور عجیب سی سرد مہری کے ساتھ ذرا سا جھک کر فرنٹ ڈور اوپن کر دیا۔

''مسز آفریدی ہیں گھر پہ؟'' اس کے بیٹھنے کے بعد جہان نے دروازہ اسے بند کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسی سرد مہری سے دریافت کیا تھا۔

''نہیں، مما آفس میں ہوتی ہیں اس وقت۔''

''آپ نے انہیں بتایا میرے ساتھ جانے کا؟'' جہان نے گاڑی بڑھا دی تھی، ژالے نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''ان کی واپسی پہ آپ بتائیں گی کہ آج آپ مجھ سے ملی تھیں؟'' جہان کا لہجہ و انداز ہنوز تھا، اب کے ژالے قدرے ٹھٹکی تھی اس نے کچھ گھبرا کر جہان کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا اور سخت خائف ہو گئی تھی۔

''پتہ نہیں، جو آپ کہیں گے میں وہ کروں گی۔'' بہت سوچنے کے بعد جہان کے موڈ کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے خیال کے مطابق یہ انتہائی مناسب فقرہ بولا تھا، جس پہ جہان نے ونڈ اسکرین پہ جمی نظریں ہٹا کر ایک دم سے اسے دیکھا تھا اور بہت دیر تک دیکھا تھا۔

''تو کیا آپ سے آپ کی مما کی غیر موجودگی میں جو بھی ملنے آتا ہے آپ اس کی مرضی کے مطابق چلتی ہیں؟'' سوال کیا تھا، بم تھا گویا ژالے اپنی تمام تر سادہ دلی اور بے وقوفی کے باوجود اس کی سنگین اور معنی خیزی کو پا کر بھک سے اڑی تھی، کچھ دیر تک وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کے مغرور چہرے کو دیکھتی رہی جس پہ سفاکی اور بے رحمی درج تھی، پھر اس کا یہ خوبرو چہرا تمام تر بے اعتنائی کے ساتھ اس کی آنسوؤں سے بھیگتی آنکھوں میں دھندلا گیا تھا، ٹپ ٹپ کتنے آنسو یکے بعد دیگرے برسے تھے۔

''مجھ سے مما کی غیر موجودگی میں اول تو کوئی ملنے نہیں آتا، اگر آئے تو میں ملا نہیں کرتی، یہ بعد کی باتیں تو ناممکنات میں شامل ہوئی خود بخود۔'' وہ بولی تو اس کی آواز میں کرب اور احتجاج کا رنگ غالب تھا، جہان کو اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس اگر ہوا بھی تو اس نے ظاہر کرنا گوارا نہیں کیا۔

''اوکے فائن! کیا میں پوچھ سکتا ہوں، میرے ساتھ یہ خصوصی رویہ کیوں؟'' اس کا لہجہ گو کہ دھیما تھا مگر ہنوز سفاک اور طنزیہ کاٹ لئے ہوئے تھا، ژالے نے ہونٹ کچل کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی تھی اور بے دردی سے آنسو رگڑ کر پونچھے تھے۔

''یہ خصوصی رویہ مجھ سے آپ کے ساتھ بندھ جانے والے اس نئے رشتے کا متقاضی ہے، اینڈ دیٹ سک۔'' ژالے نے اب کے کسی قدر سختی سے جواب دیا تھا، اس سے بڑھ کر وہ اپنی تذلیل برداشت نہیں کر سکتی تھی، وہ ان لوگوں میں شمار نہیں ہوتی تھی جو محبت اور عزت میں محبت کا چناؤ کیا کرتے ہیں، اسے ہر حالت میں اپنی عزت نفس کی بقا عزیز تھی چاہے اس کوشش میں محبت کا مزار کیوں نہ بن جاتا، وہ جذبوں میں بے بس رہ کر عمر بھر سسکنے کو تو تیار تھی مگر ان کی پامالی اسے ہرگز قبول نہیں تھی۔

''دیٹ سک؟'' جہان نے حیرانی سے اس کی شکل دیکھی۔

''اگر یہ بات اتنی ہی معمولی تھی تو ہمارا یہ رشتہ کیوں استوار ہوا بتانا پسند کریں گی مجھے آپ؟''

وہ بھڑک اٹھا تھا، ژالے نے حیرت و الجھن کے ساتھ خفگی کے بھی اسے دیکھا تھا۔

"میں سمجھی نہیں آپ کا مطلب؟" وہ روہانسی ہونے لگی تھی، اس بازپرس سے۔

"اتنی معصوم ہیں آپ؟" وہ دھاڑ اٹھا تھا، پھر ہونٹ بھینچ کر اسٹیئرنگ پہ ہاتھ کا مکہ مارا تھا۔

"آپ کیا سمجھتی تھیں میں آپ کے عشق میں مبتلا تھا، آپ کو پانے کی خواہش میں تڑپ رہا تھا؟" اس نے پھنکار زدہ انداز میں اس پہ جانے کیا واضح کرنا چاہا تھا، ژالے کچھ اور سہم گئی اس کے آنسوؤں میں جو روانی آئی تھی وہ الگ۔

"اپنی والدہ محترمہ سے پوچھیئے گا ان کی کرتوتیں، بہتر یہی ہوگا۔" وہ چاہنے کے باوجود اپنے غصے پہ قابو نہ کر پا رہا تھا، ژالے کے آنسو جلتی پہ تیل کا کام کر رہے تھے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ روتے ہوئے مگر بے حد عاجز ہو کر بولی تھی، اتنا بہرحال اسے بھی سمجھ آ گئی تھی کہ کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہوا ہے اور اس غلط کی ذمہ دار مسز آفریدی ہی ہیں۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں، آپ اپنی اس معصوم شکل کا فائدہ اٹھا کر مجھے بے وقوف بنا لیں گی تو یہ غلط سوچ ہے آپ کی، سب کیا دھرا آپ دونوں کا ہے مگر اب میں بتاؤں گا کہ آپ لوگوں نے پنگا کس سے لیا ہے اور رونا دھونا بند کریں آپ۔" تلخی و تنفر سے کہتے وہ حقارت سے بھرپور انداز میں غرا کر بولا تھا، ژالے کے اندر صرف سہم نہیں اترا تھا اسے ہتک اور تذلیل کے احساس نے بھی کاٹ کر رکھ دیا تھا، ہونٹ بھینچتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بے دردی سے اپنے گال رگڑ کر صاف کیے تھے، مگر آنسوؤں پہ اس کا بہرحال اختیار نہیں تھا، دل پہ صرف چوٹ نہیں پڑی تھی، اس کے جذبات و احساسات بری طرح مجروح ہوئے تھے، وہ جو کل کائنات کی حیثیت رکھتا تھا اس کے لئے وہ خفا تھا تو ساری دنیا ختم ہوتی محسوس ہو رہی تھی، نقصان سا نقصان تھا، وہ تو آنسوؤں کے دریا بھی بہا دیتی تو ملال نہ ڈھلتا۔

"جائیں اندر اور بیشک یہ تکلیف نہ کیجئے گا اپنی والدہ محترمہ کو بتانے کی کہ میں آپ کو ساتھ لے کر گیا تھا اور آپ کے ساتھ عیاشیاں اڑاتا رہا ہوں، میں خود یہ ساری تفصیلات بتا دوں گا انہیں۔" گاڑی ایک جھٹکے سے روک کر وہ اسی خطرناک موڑ کے ساتھ بے لچک لہجے میں بولا تھا، ژالے نے نگاہ بھر کے کھڑکی سے باہر دیکھا، گاڑی اس کے گھر کے آگے کھڑی تھی، جہان کی بات پہ اس کا چہرا سرخ ہوا تھا مگر وہ ہونٹ بھینچے دروازہ کھول کر نیچے اتری تھی اور پلٹ کر دیکھے بنا چلتی آگے بڑھ گئی تھی، آج ایک اور بھرم ٹوٹا تھا، اس نے جانا تھا وہ ایک بار پھر ہار گئی ہے، یہ ہار عظیم ہار تھی، جس کا ازالہ ممکن ہی نہ تھا۔

☆☆☆

چن سجنا وے نیڑے نیڑے ہو
ڈھول جانیا وے نیڑے نیڑے ہو
کندیاں نے بانہواں میتوں دور نہ کھلو
چن سجنا وے نیڑے نیڑے ہو

جہان گھر واپس لوٹا تو معاذ کو موجود پا کر ششدر رہ گیا تھا، بستر پہ دراز فل والیوم میں ڈیک آن کیے، وہ نور جہاں کو سنتے ہوئے خود بھی جھوم رہا تھا۔

"تم کب آئے معاذ؟" وہ اپ سیٹ تھا مگر خود کو سنبھالنا ضروری تھا۔

جہان بری طرح سے زچ ہوا اور آگے بڑھ کر کیسٹ پلیئر آف کر دیا، معاذ نے ڈرامائی انداز میں آنکھیں کھولی تھیں پھر اسے دیکھ کر پلک جھپک اٹھ کر گلے سے لگا کر بھینچا اور دانت نکال کر بولا تھا۔

"مبارک ہو۔" جہان ہونق ہو کر رہ گیا۔

"کس بات کی مبارک؟" اس نے جھنجھلا کر گلے کا ہار بنے معاذ کو کھینچ کر خود سے الگ کیا اور غصے سے گھورا۔

"ابھی ابھی میں لیٹا ہوا تھا تو میری آنکھ لگ گئی میں نے اک خواب دیکھا، تم سیاہ کلر کی کرولا میں بیٹھے ہوئے ہو تم نے آف وائیٹ کلر کا بہترین سوٹ زیب تن کر رکھا ہے، تمہارے ملبوس سے کوبرا کی خوشبو پھوٹتی ہے، تمہارے پہلو میں فرنٹ سیٹ پہ ایک لڑکی ہے، لڑکی کیا ہے جنت کی حور لگتی ہے چاندنی کی کرنوں کو میدے میں گھول دیا جائے تو کتنا حسین پیکر مجسم صورت اختیار کراتا ہوگا، ذرا تصور کرو، اس لڑکی کی خوبصورتی بھی ایسی ہی ملیح اور بے داغ ہے، اس نے دھنک آنکھوں جیسا لباس پہنا ہوا ہے، سفید دوپٹہ وہ بار بار سنبھالتی ہے اس کے بال لمبے اور حسین ہیں، بے مگر وہ لڑکی خواب میں رو کیوں رہی تھی؟" اس نے ڈرامائی سا وقفہ دے کر ایک اہم سوال کیا تھا، جہان جو اس داستان کے آغاز کے ساتھ ہی دھک سے رہ گیا تھا گنگ سا کھڑا اسے ٹکر ٹکر دیکھے گیا، معاذ نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو گہرا سانس بھر کے متاسفانہ انداز میں سر کو بار بار زور سے جھٹکا تھا۔

"آئی کانٹ بلیواٹ، بے اگر کوئی یہ بات مجھے بتاتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا مگر......" جہان اب بھی کچھ نہیں بولا، کوٹ اتار کر صوفے پہ اچھالا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے وارڈ روب کی سمت بڑھ گیا۔

"یار اپنا کوٹ اچھی طرح جھاڑ لو، اگر اس پہ گولڈن براؤن کوئی سلکی بال چپکا ہوا رہ گیا تو خوامخواہ تمہارا کردار مشکوک ہو جائے گا۔"

معاذ کو مسلسل چٹکلے سوجھ رہے تھے، جہان نے ایک بے بس قسم کی نظر اس پہ ڈالی تھی اور ایک شلوار سوٹ اپنے لئے منتخب کر لیا۔

"ویسے لڑکی پیاری تھی، انوسینٹ اور چارمنگ، پرفیکٹ کپل، میری طرف سے اوکے ہے۔"

"شٹ اپ معاذ! کلوز دس ٹاپک۔" جہان کی خاموشی ٹوٹ گئی تھی بالآخر وہ بولا تھا تو کیا۔

"تو یہ وجہ تھی بھاگ بھاگ کر لاہور آنے کی اور بے تم جھوٹ کب سے بولنے لگے وہ بھی مجھ سے؟" معاذ کے لہجے میں واضح طور پر ملال اتر آیا تھا۔

"بسا اوقات نظر فریب بھی دیا کرتی ہے معاذ، تم اپنا من پسند سوچ رہے ہو۔" وہ کچھ اور زچ ہوا تھا۔

''یعنی تم کہنا چاہ رہے ہو میں غلط فہمی کا شکار ہوا ہوں؟'' معاذ نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا تھا، جہان نے محض کاندھے اچکائے تھے، معاذ کو قدرے مایوسی ہوئی۔

''میری اس غلط فہمی کو حقیقت میں بھی بدلا جا سکتا ہے نا۔''

''واٹ نان سنس معاذ، میں نے کہا نا کلوز کرو اسے۔'' اب کے وہ جھلا اٹھا تھا۔

''مجھے وہ لڑکی......''

''میں کچھ نہیں سننا چاہتا، تم بتاؤ یہاں کس سلسلے میں آئے ہو؟''

''مجھے خبر ہو گئی تھی کہ تم یہاں اک لڑکی......'' جہان کے گھورنے پہ معاذ نے زبان روک لی تھی، پھر ایک گھنٹے کے بعد جب وہ دونوں کھانا کھا رہے تھے بے حد خاموشی ان کے بیچ مائل رہی تھی۔

''پپا کی اس پینڈو بہو کا نام کیا ہے جے؟'' معاذ نے اچانک سوال کیا تھا، جہان پہلے چونکا پھر گڑبڑا لیا تھا۔

''بیوی تمہاری ہے، تمہیں پتہ ہونا چاہیے۔'' اس نے جیسے کترانا چاہا تھا۔

''مجھے تو کبھی بھی یاد نہیں رہا تھا، تم جانتے ہو، تمہیں تو لازمی پتہ ہو گا یا بتانا نہیں چاہتے؟'' معاذ کا لہجہ آخیر میں طنزیہ ہو گیا تھا، جہان نے دانستہ چپ سادھ لی تھی۔

''تم بدل گئے ہو جے ہر لحاظ سے بدل گئے ہو۔'' اس کی طرف سے کچھ دیر جواب کا منتظر رہ کر معاذ نے آہستگی سے کہا تھا، انداز کی شکفتگی اور دلگیری نے جہان کو جکڑ لیا تھا۔

''معاذ کیا ہو گیا ہے یار۔'' جہان نے اس کا کاندھا تھپکا تھا، معاذ نے جواب نہیں دیا۔

''پرنیاں نام ہے بھابھی کا اور وہ......''

''اور وہ وہی پرنیاں ہے جو ڈاکٹر پرنیاں ہے جس کے حسن نے تم سب کو بقول مجھے دیکھتے ہی دیوانہ کر لینا تھا اور یہ بات سو فیصد درست نکلی میں انیر بھی ہوا تو اپنی بیوی کے حسن کا، یہ میری بدنصیبی تھی یا حماقت میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا، میں صرف تم سے جواب دہی کر رہا ہوں جے ٹیل می تم نے میرے ساتھ یہ فول کیوں کھیلا؟'' وہ جتنا سنجیدہ تھا اس سے بڑھ کر تاسف زدہ، جہان کا تو منہ کھلا رہ گیا تھا، یہ انکشاف اس پہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ کس طرح بھی شاکڈ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

''آئی ایم سوری معاذ مجھے واقعی ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' جہان نے آہستگی سے کہہ کر سر جھکا لیا تھا اسے واقعی اس پل بے تحاشا ندامت محسوس ہو رہی تھی، معاذ نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ایک نظر جہان کو دیکھا تھا اور گہرا سانس بھر کے خود کو کمپوز کیا تھا۔

''پرنیاں نے منع کیا تھا نا تمہیں؟''

''معاذ پلیز اب ان سے خفا مت ہو جانا، دیکھا جائے تو وہ غلط نہیں تھیں، وہ اپنی انا قربان نہیں کرنا چاہتی تھیں، ناٹ ڈاؤٹ تم نے ان کے پندار کو ٹھیس پہنچائی تھی۔''

''ویسی ہی ٹھیس جیسی تم اس لڑکی کو پہنچا رہے ہو، جے جسے میں نے کچھ دیر پہلے تمہارے ساتھ دیکھا تھا؟ جے مجھے پرنیاں کا رویہ حیران کرتا تھا ہمیشہ وہ اپنی بجائے میری منکوحہ کی بات کرتی تھی

میں پھر بھی نہ سمجھ سکا سارا قصہ میں واقعی بے وقوف ہوں کیا جے؟'' معاذ کا تاسف ڈھلتا ہی نہ تھا، یہ سوچ اس کی روح میں آگ بھڑکاتی تھی کہ اس جیسے جینئس اعلیٰ ڈگری ہولڈر سرجن کو ایک عرصہ تک کس درجہ آسانی سے بے وقوف بنایا گیا۔

''معاذ ! ریلیکس۔'' جہان نے اس کے ہاتھ کو آہستگی و نرمی سے تھپکا تھا، معاذ پھیکے انداز میں مسکرایا۔

''کیسے پتہ چلا تمہیں یہ سب؟'' جہان نے بنیادی سوال کیا تھا، معاذ نے سرد آہ بھر لی۔

''اتفاقاً باتیں سن لی تھیں بھابھی اور زینب کی مگر میں نے کسی پہ آشکار نہیں کیا، اب محترمہ کی باری ہے اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گا۔'' وہ کلس کر بولا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے کو اب ختم نہیں ہو جانا چاہیے؟''

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا تھا جے اور تم مجھے ٹالو مت، بتاؤ یہ سارا قصہ کیا ہے، وہ لڑکی کون ہے اور وہ رو کیوں رہی تھی؟'' جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا جسے معاذ نے پوری شدتوں سے نوٹس کیا تھا۔

''یہ چکر پرانا چل رہا ہے نا جے؟'' معاذ نے ایک اور قیاس لگایا تھا۔

''پتہ نہیں یہ چکر تقدیر کا ہے یا میرے کسی عمل کی سزا، معاذ کبھی کبھار تو میں سوچتا ہوں کاش میں اس فیکٹری کی بہتری اور اصلاح کی خاطر بھی لاہور نہ آیا ہوتا، یہ سارا منحوس سلسلہ اسی وقت شروع ہوا تھا۔'' جہان کے لہجے میں بلا کا ملال تھا، معاذ حیران ہوئے بغیر نہیں رہا۔

''یعنی تقریباً دو سال پہلے جب میں انگلینڈ جا چکا تھا تب تم آئے تھے نا یہاں؟'' جہان نے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی پھر اسی سنجیدگی و ملال کے ساتھ اس نے مسز آفریدی کی چالوں اور جھانسوں کا سارا کچا چٹھا کھول کر معاذ کے آگے رکھ دیا تھا۔

''مجھ پہ دہری افتاد ٹوٹی تھی معاذ، میں ہر لحاظ سے ہار گیا تھا، مجھے سمجھ نہیں آئی تھی مجھے کیا کرنا چاہیے، پتہ نہیں معاذ میں نے اپنی اور خاندان کی عزت بچانے کو جو قدم اٹھایا وہ درست تھا یا نہیں۔'' جہان کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا، وہ پھر سے اسی اذیت اسی کرب کا شکار ہو چکا تھا، معاذ کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں، پھر یہ حیرت تمام ہوئی تو اسے حسب عادت جلدی طیش چڑھنے لگا تھا۔

''تم نے بہت غلطی کی جے، تمہیں مسز آفریدی جیسی شاطر عورت کا مطالبہ نہیں ماننا چاہیے تھا کیا کر لیتیں وہ؟ مجھے تو لگتا ہے وہ عورت خود ہی چاہتی تھی، یعنی نکاح، اف...... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، کیا ہمیں تمہارا بھروسہ نہ تھا، تم پپا کو یا پھر مجھے اعتماد میں لیتے تو سہی۔'' وہ اٹھ کر مضطرب سا ٹہلنے لگا، جہان ہونٹ بھینچے بس اسے دیکھتا رہا تھا۔

''بلاؤ اس لڑکی کو یہاں، کیا نام ہے اس کا؟'' معاذ نے تلملا کر کہا تو جہان نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

''لعنت بھیجو معاذ، فی الحال یہ مسئلے کا حل نہیں ہے، اس کی ماں بہت شاطر عورت ہے۔''

''اب کیا چاہتی ہے وہ عورت تم سے؟''

"جو وہ چاہتی ہے وہ میں کبھی نہیں ہونے دوں گا۔" جہان کا لہجہ اٹل اور پختہ تھا۔

"چاہتی کیا ہیں آخر وہ؟" معاذ کی توجہ اسی اہم بات میں اٹکی ہوئی تھی، جہان نے جواب دینے کی بجائے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا یوں جیسے امڈتا طیش دبانے کی کوشش کر رہا ہو، معاذ اٹھ کر اس کے پاس آیا پھر اسے دونوں شانوں سے تھام کر رخ اپنی جانب پھیرا تھا۔

"شاید بچپن سے یا پھر لڑکپن میں کب مجھے صحیح سے یاد نہیں ہماری دوستی اتنی پختہ اور مضبوط ہوئی تھی جے کہ ہم نے کبھی یہ عہد بھی نہیں کیا تھا، ہم ایک دوسرے سے ہر بات شیئر کیا کریں گے مگر ہم کرنے لگ گئے، ہر دکھ ہر سکھ، چاہے آغاز میں کتنا ہی اسے چھپائیں مگر ہمیں بالآخر اسے ایک دوسرے پہ عیاں کرنا پڑتا ہے، پورے شاہ ہاؤس میں یہ تعلق اور یہ گہرائی کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملتی، جے میں اس تعلق میں بھی دراڑ پڑے دیکھتا ہوں تو بہت تکلیف محسوس کرتا ہوں، کوشش کرنا کبھی دانستہ مجھے اس دکھ سے ہمکنار نہ کرنا۔" جہان نے کچھ کہے بغیر اسے بے اختیار ہو کر اپنے بازوؤں میں بھر کے بھینچ لیا تھا۔

"آئی ایم ساری معاذ مجھے احساس ہے میری طرف سے اکثر تمہیں یہ دکھ اٹھانا پڑا ہے، یہ تمہاری محبت ہے کہ ہر بار تم خود میری طرف بڑھتے ہو اور میرے درد میں شریک ہو جاتے ہو مگر معاذ میں کیا کروں میرا ہر مسئلہ گمبھیر تر اور الجھا ہوا ہوتا ہے جسے تمہارے سامنے رکھتے میں فطری طور پر شرمندگی محسوس کرتا ہوں، جھجک جاتا ہوں۔"

وہ نادم اور بے بس سا ہو کر بول رہا تھا، اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی اذیت تھی معاذ نے نرمی محبت اور آہستگی سے اسے تھپکا تھا اور اسے تھام کر خود سے الگ کیا۔

"خود سے اعتراف میں کیا جھجک یا عار؟ میں تمہارا عکس ہوں جے ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔"

"اچھا دوست خدا کا بہترین عطیہ ہوتا ہے، ہمیں خدا کے شکر گزار بننا چاہیے کہ خدا نے ہمیں یہ عطیہ بخشا ہے۔" اپنی بات کے اختتام پہ وہ دانستہ مسکرایا تھا، جہان کو بھی ہونٹوں پہ بھی جبری قسم کی مسکان لانی پڑی۔

"مسز آفریدی اب ہر صورت ژالے کو میرے ساتھ آباد اور خوش دیکھنا چاہتی ہیں جو مجھے کسی طور بھی گوارا نہیں۔"

"جے تم کیوں نہیں چاہتے یہ؟" معاذ نے واپس کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا تھا۔

"سب سے اہم بات یہ ہے معاذ کہ میرے نزدیک اس لڑکی کا کردار مشکوک ہے، ہے نا سوچنے کی بات آخر انہوں نے یوں زبردستی اپنی بیٹی میرے گلے کیوں ڈال دی۔"

"ضروری نہیں ہے جے کہ ایسی بات ہو، عین ممکن ہے تم اس حوالے سے مسز آفریدی یا ان کی بیٹی کو پسند آ گئے ہو اور انہوں نے......"

"میں نہیں مانتا اس بات کو، مجھ میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے۔" جہان نے نہایت خفگی سے کہتے اس کی بات قطع کر دی تھی، معاذ کو خاموش ہونا پڑا۔

"سرخاب کے پر تو تم میں کچھ اضافی ہی لگے ہوئے ہیں کاکے، خیر جو بھی فیصلہ کرو بہت سوچ سمجھ کر کرنا، نکاح کا بندھن کھیل نہیں ہوتا ہے جے، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا کر جو ذمہ داری اٹھانے کا ہم عہد کرتے ہیں اس سے بددیانتی کی پکڑ معمولی نہیں ہو گی۔" معاذ نے گفتگو سمیٹتے ہوئے اہم بات سمجھائی تھی، جہان نے سر ہلا کر اسے تسلی دی تھی۔

☆☆☆

اب تو خواہش ہے یہ درد ایسا ملے
سانس لینے کی حسرت میں مر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ ایسی آندھی چلے
جس میں پتوں کی مانند بکھر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ دنیا والوں کا غم
ایسی ٹھوکر لگائے کہ جی نہ سکیں
ایسی الجھیں یہ سینے میں سانسیں کہ پھر
ہم دوا اپنا چاہیں تو پی نہ سکیں
کوئی ہمدم نہ راہی نہ راحت ملے
ایک پل کو سہارا نہ چاہت ملے
اب تو خواہش ہے یہ دشت ہی دشت ہو
ننگے پاؤں چلیں
ہم سر بزم شمع کی مانند چلیں
جس کو چاہیں اسی کو نہ پائیں کبھی
چھوڑ جائیں چپ چاپ دنیا کو ہم
دل یہ چاہے تو پھر بھی نہ آئیں کبھی
اب تو خواہش ہے یہ کہ سزا وہ ملے
کوئی صحرا قلعہ یا بیابان ہو
جس میں سالوں تلک قید ہی قید ہو
اپنے خالق و مالک سے میں نے جو کی
بے وفائی وہاں پہ وہ ناپید ہو
ابن آدم کی چاہ کے کڑے جرم میں
روئے جاؤں تو چپ نہ کرائے کوئی
دور جنگل یا پھر کسی دشت میں
ہاتھ پکڑے میرا چھوڑ آئے کوئی

وہ ساکن کھڑی تھی پچھلے پندرہ منٹ سے یونہی بے حسی و حرکت جیسے پتھر کی ہو گئی ہو، اس کی آنکھ میں اترے آنسو بھی جیسے ٹھہر گئے تھے، حیرانی پریشانی، تعجب و بے یقینی و صدمہ جیسے ہر لفظ اس

کی کیفیت کو بیان کرنے سے لاچار تھا، اسے لگا تھا اسے کسی نے بے خبری کے عالم میں اندھے کنویں میں دھکیل دیا ہو مگر نہیں یہ تکلیف بھی قابل برداشت ہو سکتی تھی، اسے لگتا تھا غلاظت کا لامتناہی ڈھیر ہے جس میں وہ گرادی گئی ہے اور اس کا پورا وجود اسی غلاظت سے اٹ گیا ہے، اسے اپنے وجود سے خود گھن آ رہی تھی، پھر بھلا جہان کیوں گھن نہ کھاتا، اس کے پتھرائی ہوئی آنکھیں پھر زار و قطار آنسو بہانے لگیں، ابھی کچھ دیر قبل اس نے مسز آفریدی سے سخت انداز میں باز پرس کی تھی جس کے نتیجے میں پہلے تو ہمیشہ کی طرح وہ انکاری تھیں پھر ڈھٹائی کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے ہر جرم نہ صرف قبول کیا تھا بلکہ الٹا اس پہ چڑھ دوڑی تھیں۔

''میں نے جو کچھ بھی کیا مجبوری میں کیا ہے۔''

''مجبوری؟ ایسی کون سی مجبوری تھی آپ کی؟'' وہ بھڑک اٹھی تھی جواباً مسز آفریدی نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا پھر کاٹ دار سرد لہجے میں بولی تھیں۔

''تم ہو میری سب سے بڑی مجبوری ہنی! تمہاری خاطر میں نے ہمیشہ ہر جرم کیا، اگر مجھے تمہاری چاہ نہ ہوتی اگر مجھے تمہاری ضرورت نہ ہوتی اگر تم میری زندگی میں نہ ہوتیں تو میرا کردار، فرشتوں جیسا ہوتا اجلا روشن اور بے داغ، میں نے ہر جرم تمہاری وجہ سے کیا۔'' وہ شاید حواسوں میں نہیں رہی تھیں جبھی ایسی بہکی باتیں کر رہی تھیں، ژالے تو گنگ ہونے لگی تھی۔

''مجھے آپ کے جرائم کی تفصیلات نہیں معلوم ممی! مجھے بس اتنا بتائیں کہ آپ نے شاہ کے ساتھ ایسا کیا کیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی بدگمان ہو گئے ہیں، وہ میری شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ان کی باتیں...... میں کاش میں مر گئی ہوتی ان کی وہ باتیں سنے بغیر۔'' وہ اس وقت کی انسلٹ یاد کر کے پھر سسکنے لگی۔

''کیا بکواس کر رہا تھا وہ؟ بتاؤ مجھے، کیا وہ پھر ملا تم سے؟'' مسز آفریدی ہسٹریک ہونے لگی تھیں، ژالے کو ان سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

''ہاں ملے تھے وہ مجھ سے، مگر میری اوقات مجھے یاد دلانے کو، وہ اوقات جس سے میں خود بھی آگاہ نہیں تھی، ممی آپ کے سارے بلند و بانگ دعوے دھرے رہ گئے، وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، وہ مجھے کبھی پسند ہی نہیں کرتے تھے، آپ نے ایسا کیا کیا تھا کہ یہ نکاح ہوا بتائیں مجھے ورنہ میں ابھی اسی وقت خود کو شوٹ کر لوں گی۔'' وہ بھرائی تھی، چیختے چیختے اس کا گلا اچھل کر رہ گیا تھا، مسز آفریدی پہلی مرتبہ ذرا سا گھبرائیں اور لپک کر اسے سنبھالنا چاہا مگر وہ مچل کر ان کی گرفت سے نکل گئی تھی۔

''مجھے صرف وہ بتائیں ممی! ورنہ آپ میری شکل دیکھنے کو بھی ترس جائیں گی۔'' ژالے کی ذہنی حالت بگڑ سی گئی تھی، وہ اس پل جیسے شدید ہیجانی کیفیت کے زیر اثر تھی، مسز آفریدی جتنی بھی سفاک بے حس اور بے رحم تھیں مگر یہ بھی سچ تھا کہ ژالے ان کی دکھتی رگ تھی، اس وقت بھی وہ اس کے غیر ہوتی حالت پہ کچھ اس طور گھبرائی تھیں کہ مصلحت کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں اور فر فر اپنی ساری کارستانی اس کے آگے کھول کر رکھ دی۔

''جب ہوٹل میں تمہاری طبیعت خراب ہوئی تو جہانگیر نے ہی مجھے کال کر کے بتایا تھا، میں

کتنے دنوں سے ہی ایسے موقع کی تلاش میں تھی، میں نے کہا نا ژالے کہ میں نے تمہاری آنکھوں میں اس کی محبت کا رنگ دیکھ لیا تھا، میں نے ہمیشہ تمہاری ہر خواہش پوری کی تھی پھر یہ کیسے نہ کرتی، میں نے جہانگیر کو اس امر پہ آمادہ کیا کہ وہ تمہیں گھر چھوڑ جائے، اس کے آنے تک خفیہ کیمرے کا انتظام ہر گز مشکل کام نہیں تھا میرا من پسند رزلٹ مجھے اگلے دن مل گیا تھا، اس کے بعد تمہاری سالگرہ کے موقع پہ میں نے دانستہ تم لوگوں کو تنہائی فراہم کی تھی اور......'' وہ سب بتانے کے بعد اسے لپٹا کر پیار جتلانے لگیں، جبکہ ژالے سناٹے میں گھر گئی تھی۔

''میرے پاس اس کے سوا کوئی حل نہیں تھا ہنی کوئی حل ہی نہیں تھا اور میں کامیاب رہی تھی۔'' ژالے کی آنکھوں میں یکلخت نمی سمٹ آئی۔

(آپ کو کیا پتہ ممی آپ نے میرا کیا نقصان کر دیا ہے، انہیں نہ پانا اس بھرم عزت اور وقار کو کھو دینے سے ہزار ہا درجہ بہتر تھا۔)

اس کے اندر سے نا قابل برداشت درد اٹھ کر پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا، مسز آفریدی اسے تسلی دلاسے دے کر خود کہیں نکل گئیں تھیں اور وہ یونہی کھڑی تھی، اس عظیم نقصان پہ ماتم کناں، قدموں تلے زمین تھی نہ سر پہ آسمان، وہ کیسی بے یار و مددگار ہو گئی تھی، ایسی ذلت، ایسی رسوائی اور ایسا درد جو برداشت کرنے کا حوصلہ تھا نہ ظرف...... (اور مسز آفریدی کیا کہہ رہی تھیں کہ شاہ صرف میرے ہیں، وہ مجھے ہی ملیں گے۔) اس کے اندر تمسخر بکھرا۔

(میں تو خود میں اتنی تاب بھی نہیں پاتی ممی کہ ان کا دوبارہ سامنا کر سکوں، آپ کی شیطانی چالوں میں اتنا دم خم ہو گا کہ مزید اپنا من چاہا رزلٹ حاصل کر لیں، خدا ظالم کی رسی دراز جو کر دیا کرتا ہے، مگر سوری ممی میں آپ کو اب کوئی موقع نہیں دینا چاہتی، اس نے کچھ سوچا تھا اور تیز تیز چلتی مسز آفریدی کے کمرے میں آ گئی، سلیپنگ پلیز وہ ہمیشہ دراز میں لاک رکھا کرتی تھیں، چابی کا علم اسے نہیں تھا مگر ذرا سی کوشش اور تلاش کے بعد اس نے چابی ڈھونڈ لی تھی مگر دراز میں موجود دوا کی شیشی میں آخری دو گولیاں تھیں، جو بہر حال اس کی ضرورت اور خواہش کے لحاظ سے بے حد معمولی تھیں اس نے شیشی واپس پھینکی اور دراز کھلا چھوڑ کر واپس آ گئی، پورٹیکو میں آ کر اس نے شوفر کو پکارا تھا۔

''جی بے بی کہیں جانا ہے؟'' شوفر مستعد تھا۔

''مجھے چابی دو اور واچ مین سے کہو گیٹ کھولے۔''

''بے بی بیگم صاحبہ کا حکم ہے آپ اکیلی......''

''شٹ اپ میں نے تمہیں آرڈر یاد دلانے کو نہیں کہا، چابی نکالو اور گیٹ اوپن کراؤ۔'' وہ حلق کے بل چیخی تھی، شوفر نے حکم کی تعمیل کی تھی، ژالے نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی تھی، اس دوران گیٹ پورا کھل چکا تھا، ژالے نے طوفانی انداز میں گاڑی کو گیٹ سے نکالا تھا اور رہائشی علاقے سے نکال کر مین روڈ پہ لاتے لاتے رفتار قدرے کم کی تھی اس کے باوجود دو سے تین چار مرتبہ ایکسیڈنٹ ہوتے رہ گیا تھا، فارمیسی کے سامنے گاڑی روک کر وہ عجلت میں باہر آئی تھی، بیگ اور دوپٹہ سنبھالتی فارمیسی کا گلاس ڈور دھکیلتی اندر داخل ہو گئی، مطلوبہ دوا

حاصل کرنے کے بعد اس نے کاؤنٹر پہ پے منٹ کی تھی اور اپنے دھیان میں مڑتے ہی کسی سے بہت زور سے ٹکرائی، ایک پل کو تو زمین آسمان اس کی نظروں میں گھوم گئے تھے، سرمئی کرتا شلوار میں ملبوس پیروں میں مردانہ چپل پہنے جہان تمام تر سادگی مگر خوبروئی اور وجاہتوں کے ہمراہ اس کے سامنے تھا، ناپسندیدہ اور تیز نظروں سے اسے دیکھتا ہوا اس کا دل پھیلا سکڑا اور خون میں وحشت کا احساس سرسرانے لگا، یہ سامنا انتہائی غیر متوقع اور غیر مناسب تھا، ژالے کا دل دھک سے رہ گیا تھا، ہونٹ بھینچتے ہوئے اس نے نظر چرائی اور ہونٹ بھینچتے ہوئے قدم بڑھا دیئے تھے، جہان نے کوئی مداخلت کی نہ ٹوکا معاذ جو اس کے پہلو میں کھڑا اس کی جانب سے کسی ردعمل کا منتظر تھا بے اختیار جز بز ہوا، ژالے کو وہ ایک نظر میں ہی پہچان گیا تھا مگر پھر بھی کچھ ڈاؤٹ تھا جو ژالے اور جہان کے تاثرات نے دور کر دیا تھا۔

''وہ جا رہی ہیں، روکو انہیں۔'' معاذ نے اسے ٹہوکا دیا تھا، جہان کے منہ میں کونین گھل گئی۔

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہوئی ہے۔'' وہ نخوت سے بولا تھا، معاذ نے بے دریغ اسے گھورا پھر خود ژالے کے پیچھے دوڑا تھا۔

''مس...... مس ایکسکیوزمی۔'' ژالے گلاس وال کے ہنڈل پہ ہاتھ رکھے دروازہ وا کر چکی تھی، چونکی اور پلٹ کر دیکھا، مہنگے شاندار لباس میں ملبوس بالوں پہ گلاسز ٹکائے، ایک ہاتھ میں گاڑی کی چابی لباس سے پھوٹتی مہنگے پرفیوم کی مہک لئے وہ بے حد شاندار سا شخص اپنے انداز چال ڈھال اور حلیے سے ہرگز بھی کوئی سڑک چھاپ عاشق یا چھچھورا نہیں لگتا تھا مگر اس طرح سے بیچ راہ روکنے کا مقصد...... وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ ژالے ہیں نا؟'' ژالے کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے کچھ اور پھیلیں، اس کا دل چاہا اک نظر پلٹ کر دیکھے جہان ابھی تک وہیں موجود ہے مگر اس نے دل کو سختی سے جھڑک دیا تھا۔

''آپ...... کون؟'' اس کی آواز لرز سی گئی تھی۔

سیاہ سوٹ میں اونچے قد چوڑے شانوں والا خوبصورت ذہین آنکھوں والا یہ مکمل وجیہہ مرد اپنی تمام تر سحر انگیزی کے باوجود کسی کا عکس چراتا تھا، جہان کا...... اس کے ذہن میں ایک دم جھما کا سا ہوا اس کے چہرے پہ سختی چھا گئی۔

''میں جے کا کزن ہوں، آئی مین جہانگیر کا...... آپ اس کی......''

''معاذ میں جا رہا ہوں، تمہیں آنا ہے تو آ جانا۔'' تبھی جہان کی خفا خفا سی آواز کچھ فاصلے سے گونجی تھی، ژالے نے اب بھی خواہش کے باوجود پلٹ کر نہیں دیکھا۔

''آپ نے میرا راستہ کیوں روکا ہے؟'' ژالے نے کسی قدر غصیلی نظروں سے اسے دیکھا تھا، جبکہ معاذ اس کی متورم سرخ آنکھوں بوجھل پپوٹوں پہ ٹھہری سوجن اور پلکوں کی نمی کو جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''خفگی آپ کی آپس میں ہے نا مجھے کیوں اس میں گھسیٹ رہے ہیں۔'' معاذ نے بے حد شاکی ہو کر کہا تھا، ژالے نے حیران نظریں اٹھائیں، معاذ کے چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ تھی، نگاہ ملنے پہ بھنوؤں کو مخصوص انداز میں جنبش دے کر نرمی سے بولا تھا۔

''ہماری دوستی ہو سکتی ہے؟''

''میں غیر مردوں سے دوستی کی قائل نہیں ہوں، راستہ چھوڑیں میرا۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی اور دروازہ اوپن کر کے شاپ سے باہر قدم رکھ دیے تھے۔

''مگر میں تو آپ کا سسرالی عزیز بھی ہوں۔'' معاذ اس کے ساتھ باہر آیا اور اب اس کے ہمقدم ہو کر سفید پتھر کے زینے اتر رہا تھا۔

''دیکھئے آپ......''

''بھابھی کیا ہم کہیں بیٹھ کر کچھ بات نہیں کر سکتے؟''

''بھابھی......!'' ژالے ایک پل کو ساکن ہو گئی، انوکھا باوقار اور معتبر رشتہ جس کی لطافت اور اہمیت کے نئے نویلے احساس نے اسے اپنے حصار میں مقید کر کے خوشبو میں نہلا دیا، اسے لگا کچھ دیر قبل جو شدید کرب اس کی رگ و جاں میں خنجر بن کر اترا تھا اس کی سنگینی اور تکلیف قدرے کم پڑی ہو۔

''پلیز بھابھی!'' معاذ نے کسی قدر التجا آمیز انداز میں اسے قائل کرنا چاہا تھا، وہ نا چاہنے کے باوجود سر کو اثبات میں جنبش دینے لگی، معاذ بے اختیار مسکرایا تھا۔

''تھینکس اے لاٹ، اینڈ تھینکس فار دس آنر۔'' ژالے کے ہمراہ وہ سڑک کے دوسری جانب موجود ایسٹورنٹ میں آ گیا، جہان البتہ اس کے ساتھ نہیں آیا تھا، معاذ کے بلانے کے باوجود اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا، وہ گاڑی میں بیٹھ کر اسی طیش میں وہاں سے چلا گیا تھا، یہ سب کچھ ژالے نے بھی دیکھا تھا اور اس کا چہرا دھواں دھواں ہوتا چلا گیا تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں بھابھی، اسے میں سنبھال لوں گا۔''

''وہ اب اور خفا ہوں گے، میں جانتی ہوں انہیں میرا کسی سے ملنا پسند نہیں ہے۔'' وہ سراسیمہ سی ہو کر بولنے لگی تھی، معاذ کو مسکراہٹ ضبط کرنا پڑی، یہ نازک اور شکل سے ہی بے حد معصوم نظر آنے والی لڑکی اپنی صورت سے زیادہ معصوم اور حساس لگتی تھی اسے، اس عیاری چالاکی اور چالبازی سے کوسوں دور جن کے متعلق جہان نے اسے بتایا تھا، تب خود اسے بھی کتنا غصہ آیا تھا ژالے پہ مگر اس سے مل کر وہ چاہنے کے باوجود تلخ کلامی تو دور کی بات سخت نظر نہیں ڈال سکا تھا، اس پر وہ دیکھنے میں ہی کتنی نازک تھی، جیسے کانچ سے بنی ہو بلوریں کانچ سے، جو ذرا سی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا۔

''اگر کسی سے ملنا پسند نہیں محترم کو تو پھر خود آپ سے کیوں ملتا تھا؟ اور اتنا جانتی ہیں آپ اسے؟'' معاذ کو شرارت سوجھ گئی تھی، ژالے نے گھبرا کر اسے دیکھا ایک لمحہ لگا تھا اس کی ہراساں آنکھیں چھلکنے جانے میں معاذ کو فی الفور اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

''سوری آپ نے مائینڈ کیا تو، ویسے جے کو مجھ پہ اعتماد ہے، کم از کم میرے حوالے سے وہ آپ کو کچھ نہیں کہے گا ڈونٹ وری۔'' معاذ نے اسے تسلی سے نوازا پھر اس سے چائے یا کافی کے متعلق پوچھنے لگا۔

''نہیں، مجھے کچھ طلب نہیں، اب مجھے جانا چاہیے۔'' وہ گڑبڑا کر اٹھنے لگی تو معاذ نے ہاتھ اٹھا

کراسے روکا تھا۔
"آپ بیٹھیں پلیز، مجھے آپ سے جو بات کرنی تھی وہ ابھی نہیں کی۔"
"ک...... کیا بات؟" وہ سخت وحشت زدہ نظر آنے لگی، معاذ نے گہرا سانس کھینچا۔
"آپ گھبرائیں نہیں، بس مجھے یہ بتا دیں آپ نے سلیپنگ پلز کیوں خریدی ہیں؟" اور ژالے کو لگا تھا کسی نے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو، اس کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔
"میں اندر آتے ہی آپ کے ہاتھ میں وہ دیکھ چکا تھا، کیا میرا اندازہ درست ہے کہ آپ کچھ غلط کرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔" معاذ کا دھیما لہجہ بے حد یقین لئے ہوئے تھا، ژالے کچھ کہے بغیر پھر آنسو بہانے لگی زار و قطار، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا تھا۔
"حالات جیسے بھی کٹھن ہوں، زندگی سے پیچھا چھڑانا صرف مایوسی اور بزدلی ہی کہلا سکتا ہے۔"
"آپ کو نہیں پتہ میں کن مسائل میں گھر گئی ہوں، مجھے اب زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے، میں ہرگز بھی وہ اذیتیں نہیں سہہ سکتی جو میرے نصیب میں لکھ دی گئی ہیں۔" وہ یونہی بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی، معاذ نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔
"اس کے باوجود کہ جے آپ کی زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔" معاذ نے اسے حیران نظروں سے دیکھا، ژالے نے کچھ کہے بغیر دوپٹے سے اپنا چہرا صاف کیا تھا، اس کی خاموشی نے معاذ کو صاف جتلایا کہ وہ کھلنا اور مزید بولنا نہیں چاہتی۔
"میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا بھابھی کہ یہ سلیپنگ پلز مجھے دے دیں میں جانتا ہوں اگر آپ ایسا کر بھی لیں تو کہیں اور سے اپنی ضرورت پوری کر سکتی ہیں، میں آپ سے یہ کہوں گا، زندگی سے منہ موڑنا حالات کا مقابلہ نہ کرنا اور خدا سے مایوس ہو جانا سب کے سب خسارے کے سودے ہیں، زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا سیکھیں، حالات غیر موافق ہیں تو انہیں اپنے موافق کریں، بی بریو، گاڈ بلیس یو۔" اسے وش کرتے ہوئے وہ جاندار انداز میں مسکرایا تھا، اس وقت یہ وہ معاذ نہیں تھا جو جذباتی کھلنڈرا اور بے پرواہ ہوا کرتا تھا، یہ معاذ حسن کا وہ روپ تھا، جو ایک ڈاکٹر ایک مسیحا معاذ حسن کا تھا، دکھی انسانیت کی خدمت جس کا شکار تھا اور خدمت کا رنگ ایک تھوڑی ہی ہے کہ دوا دے دی چیک اپ کر لیا، خدمت کا یہ انداز بھی ہے، مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیوں سے کسی کو امید کا جگنو تھمانا اسے راستہ دکھانا اور منزل کی نشاندہی کر دینا۔
ژالے کچھ دیر تلک حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر بہتے آنسو پونچھتے ہوئے مسکرا دی۔
"تھینکس بھائی، میں آئندہ خیال رکھوں گی۔" اس کے آنسوؤں سے دھلے چہرے کی شادابی میں زندگی کی سرخی شامل ہو گئی تھی اور اس کے نرم نقوش میں مسکراہٹ کی چاندنی بکھر گئی تھی۔

☆☆☆

گھر پہنچتے ہی اس کا موڈ بری طرح غارت ہو گیا یہ سن کر کہ پرنیاں یہاں سے جا چکی ہے، کہاں یہ راز تو بس وہ جہان سے ہی اگلوا سکتا تھا جو ابھی اس کے ساتھ ہی لاہور سے واپس لوٹا تھا، وہ دوبارہ اس کے سر پہ جا کر سوار ہو گیا۔

"معاذ پلیز اب مجھے مزید کچھ مت سمجھانا میں بہت بے زار ہوں آل ریڈی۔" جہان نے اسے دیکھتے ہی کچھ ایسی عاجزی اور منت سے کہا تھا کہ معاذ قہقہہ لگائے بغیر نہیں رہ سکا۔
ژالے سے ملنے کے بعد سے وہ مسلسل اسے ژالے کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا تھا اور با قاعدہ قائل کرنے کو دلیلیں دیتا رہا تھا جنہیں جہان نے ضبط سے سن ضرور لیا تھا مگر ماننے یا ان پہ عمل کرنے کا ہرگز بھی ارادہ نہیں تھا اور یہ بات معاذ نے اس کے تاثرات سے ہی پالی تھی جبھی اس کا موڈ بگڑنے کو لمحہ بھر سے زیادہ ٹائم نہیں لگا تھا۔
"تمہارا کیا خیال ہے جے میں بکواس کر رہا ہوں؟" وہ ہتھے سے اکھڑنے لگا۔
"میں نے کب کہا؟" جہان نے معصومیت کا تاثر دیا، معاذ نے اسے گھونسا دے مارا تھا۔
"یار قسم سے ژالے واقعی معصوم ہیں، انتہائی سادہ اور بے ریا...... سب سے بڑھ کر تم سے محبت بہت کرتی ہیں ان کی بدنصیبی یہ ہے کہ انہیں ماں اچھی نہیں ملی۔" جہان نے ان سنی کرنا مناسب سمجھا، وہ بہر حال معاذ کے خیالات سے متفق نہیں ہو سکتا تھا، وہ کیسے اسے بتاتا کہ ژالے کی اسی معصومیت نے اسے بھی جال میں پھانسا تھا، وہ توقع تک نہیں کر سکتا تھا کہ ژالے اس کے ساتھ ایسا گھٹیا کھیل بھی کھیل لے گی، معاذ بھی اس کی اس معصومیت سے متاثر ہو رہا تھا، دونوں نے اپنے اپنے پوائنٹ آف ویو سے ایک دوسرے کا خوب ہی دماغ صاف کیا تھا اور دونوں اپنی اپنی جگہ پہ ڈٹے رہے تھے۔
"مجھے معاف کر دو معاذ میں تم سے اس بات پہ بھی معافی مانگ لیتا ہوں کہ میں نے تمہیں پرنیاں بھابھی کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی تھی، اگر تم اس کا بدلہ چکا رہے ہو تو......" وہ واقعی اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا، معاذ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔
"تم سمجھتے ہو تم وہ غلط کر رہے تھے؟ تم نے وہ بالکل صحیح کیا تھا، وقت نے اس بات کو ثابت کر کے دکھا دیا بالکل اسی طرح......"
"معاذ وقت کو آنے دو، ابھی مجھ سے زبردستی مت کرو، وقت یہاں بھی ہر سچائی اور جھوٹ کو عیاں کر دے گا۔" جہان کی بات نے معاذ کو ساکن کر دیا تھا، اسے یاد آیا تھا اس کی بھی کسی دہائی پہ معاذ نے خود کوئی کان نہیں دھرا تھا اور زبردستی کسی کو دھکے سے کچھ منوایا بھی تو نہیں جا سکتا، اس میں اصلاح نہیں بلکہ بگاڑ کے چانس زیادہ ہوتے ہیں۔
"او کے فائن! میں اب تم سے کچھ نہیں کہوں گا جے، اللہ سے بہتری کی دعا کروں گا، اس لئے کہ مجھے واقعی ژالے بھابھی بے قصور اور معصوم لگی ہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا تھا اور یوں بات ختم ہو گئی تھی مگر اب اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر جہان کو پھر سے تشویش نے گھیر لیا تھا۔
"کم آن یار میں تیری نہیں اپنی والی کی وجہ سے آیا ہوں تیرے پاس، اپنی اپروچ استعمال کر اور مجھے پتہ کر کے بتا پرنیاں کہاں ہے، راز داری شرط ہے میں کسی کو شک میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا ورنہ خود پوچھ لیتا۔" اس کا مطالبہ سن کر جہان نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔
"او کے فائن، تم فریش ہو جاؤ میں بتاتا ہوں تمہیں۔"

”بھلے کال کر کے بتا دینا مگر جلدی پلیز۔“ معاذ نے کہا تھا اور الٹے قدموں واپس آ گیا، کمرے میں آ کر اس نے اپنا لباس نکالا تھا، وہ جانتا تھا ابھی اسے پھر کہیں جانا ہے، وہاں جہاں پرنیاں تھی، جبھی اس لحاظ سے ڈریسنگ کی تھی، یہ جاتی گرمیوں کے دن تھے، اس نے بلیک جینز کے ساتھ ہاف سلیو بلیک ہی ٹی شرٹ منتخب کی تھی، جس وقت وہ باتھ لے کر نکلا اس کے سیل پہ جہان کی کال آ رہی تھی، اس نے لپک کر فون پک کیا تھا۔

”بول شہزادے!“ وہ چہکا تھا۔

”حسان کے ساتھ بھابھی فارم ہاؤس گئی ہیں، وہاں کچھ عرصہ قیام کیا تھا انہوں نے، ان کی ضرورت کی کچھ چیزیں وہاں تھیں اسی سلسلے میں گئی ہیں۔“

”او کے فائن، تم ایسا کرو جے کہ کسی بہانے سے حسان کو واپس بلا لو، پرنیاں کو میں خود لیتا آؤں گا۔“ معاذ نے اگلا آرڈر جاری کیا تھا جہان تو ہونق ہو کر رہ گیا۔

”کیا مطلب ہے معاذ؟ اب تم وہاں جاؤ گے؟ دماغ ٹھیک ہے۔“

”تمہاری بہن کے ساتھ کچھ وقت رنگین کرنے اور ڈیٹ شیٹ مارنے کا موڈ ہے، سمجھ رہے ہو؟“ اس نے دانت نکالتے ہوئے وضاحت کی تھی، جہان اس کی بات پہ ٹھنڈا سانس ہی بھر سکا، معاذ نے گنگناتے ہوئے سیل بیڈ پہ اچھالا اور خود پہ دل کھول کر پرفیوم چھڑکاؤ کرنے میں مشغول ہو گیا۔

☆☆☆

پرنیاں نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا، سورج واپسی کا سفر شروع کر چکا تھا، سرسبز فارم ہاؤس پر اس کی نارنجی شعاعوں کا عکس سونا بکھیر رہا تھا، فارم ہاؤس سے باہر بھی ہر سو دلکشی اور سبزہ بکھرا ہوا تھا، سامنے ایک لمبی پگڈنڈی تھی جس کے دونوں اطراف رنگین بے تحاشا خوبصورت پھول کھلے گویا مسکرا رہے تھے، قریب ہی شفاف پانی کا نالا تھا جو کھیتوں کو سیراب کرتا گزر رہا تھا، جس کا آغاز ٹیوب ویل سے ہوتا تھا جس کے حوض میں پانی کا ایک کھلا اور موٹا پائپ زوردار آواز کے ساتھ پانی گراتا تھا، باہر کے موسم کی تمام دلکشی و رعنائی اور حسن جکڑ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا، وہ دس بجے پہنچی تھی اور حسان کے ساتھ چائے پینے کے بعد خود کمرے میں آ کر سو گئی تھی، جبکہ حسان فارم ہاؤس میں گھومنے پھرنے چلا گیا تھا ہنڈی کیم اس کے پاس تھا اور تصویروں کا بے حد شوق، پرنیاں کے یہاں آنے کا تو ایک بہانہ تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ معاذ سے بچ کر یہاں آئی تھی، جانتی تھی ہاسٹل میں بھی امان نہیں ملے گی، وہاں بھی وہ اس کے سر پہ پہنچ جائے گا، پپا گو کہ اب کسی صورت اسے فارم ہاؤس آنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے مگر اس نے ان کی منت سماجت کر کے قائل کر لیا تھا۔

”بی بی جی صاحب آپ کو ادھر پچھلے باغ میں بلا رہے ہیں۔“ وہ اپنے خیالوں میں مگن تھی جب کشمالہ نے آ کر اسے چونکایا، اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”حسان ابھی تک وہیں گھوم رہا ہے؟ کشمالہ آپ نے اس سے کھانے کا بھی نہیں پوچھا؟“ پرنیاں کو عجیب سی خفت نے آن لیا تھا، کیا سوچتا ہو گا حسان بھی

”بی بی جی چھوٹے صاحب تو اسی وقت واپس چلے گئے تھے، کہہ رہے تھے ضروری کام ہے۔“ پرنیاں بھونچکی رہ گئی۔

”واٹ واپس چلا گیا، مجھے چھوڑ کر، ایسا کون سا ضروری کام تھا۔“ اس کی حیرت کا کوئی انت نہیں تھا۔

”پتہ نہیں بی بی جی، انہیں کوئی فون آیا تھا، کہہ رہے تھے آپ کے موبائل پہ بھی میسج چھوڑا ہے کہ کیوں جا رہے ہیں اچانک۔“ کشمالہ کی بات کے جواب نے اسی تحیر آمیز کیفیت میں پلٹ کر ٹیبل پہ رکھا اپنا سیل فون اٹھایا، حسان کا ٹیکسٹ موجود تھا، اس نے عجلت میں کھولا تھا۔

”سوری بھابھی میں آپ کو بنا بتائے جا رہا ہوں، کشمالہ نے بتایا ہے آپ سو رہی ہیں، اینجو ئیلی جہان بھائی کی کال آئی ہے انہیں مجھ سے کچھ ضروری کام تھا، پھر کہہ رہے تھے آپ فکر نہ کریں، وہ خود شام تک آپ کو یہاں سے پک کر لیں گے۔“ میسج پڑھ کے پرنیاں قدرے ریلیکس ہوئی تھی۔

فارم ہاؤس کے پچھلے لان میں جانے سے قبل وہ کشمالہ کے ساتھ کچن میں آئی تھی، کھانا وہ اور اس کی ماں تیار کر چکی تھیں مگر ان کے انتظار میں کھایا نہیں تھا، پرنیاں نے انہیں کھانا کھانے کی تاکید کی تھی اور کباب کے ساتھ ساتھ ٹرائفل کا اضافہ بھی کروایا تھا۔

”آپ لوگ اس کی تیاری کریں مطلب، مصالحہ جات اور دودھ وغیرہ نکال کر رکھیں میں ابھی آ کر ساتھ ہیلپ کراتی ہوں۔“ کشمالہ اور اس کی ماں کو ہدایات دینے کے بعد وہ اپنا بلیو آنچل سنبھالتی ہوئی پچھلے لان کی سمت آ گئی، یہاں چہار دیواری زیادہ بلند نہیں تھی، گھاس لمبی تھی یہ تقریباً دو ایکٹر رقبہ پر پھیلا ہوا میدان تھا جہاں صنوبر دودار اور سفیدے کے درختوں کی بہتات تھی، پرنیاں اپنے قیام کے دوران صرف ایک بار وہاں آئی تھی تب کشمالہ نے اسے بتایا تھا کہ اسی لان کے مغربی جانب اصطبل تھا جہاں اعلیٰ نسل کے گھوڑے موجود تھے جن کی دیکھ بھال کر سائیں مامور تھا، پرنیاں کو نہیں معلوم تھا شاہ ہاؤس میں رائیڈنگ کا شوق کس کا تھا، شاید جہان کا ہی تھا جو وہ آتے ہی یہاں آ گھسا تھا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی، تیز ہوا کے جھونکے بیک وقت اس کا آنچل اور لمبے بال اڑانے لگے، اس نے جہان کی تلاش میں نگاہوں کو دوڑاتے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں جکڑنا چاہا تو یاد آیا سونے سے قبل کیچر اتار کر اس نے اپنے سرہانے رکھا تھا جو بعد میں لگانا بھول گیا، اب بال یونہی پشت پہ بکھرے ہوئے تھے، اس نے بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر پرے اوڑھا تب ہی اس کی نگاہ سامنے اٹھی تھی، سفید گھوڑے کی پشت پہ سوار وہ جہان نہیں معاذ حسن تھا، سیاہ لباس میں آنکھوں پہ گلاسز چڑھائے وہ شہزادوں کی سی آن بان شان کے ساتھ اسے ششدر کر کے رکھ گیا تھا، ابھی وہ اس حیرانی سے ہی نہیں نکل سکی تھی کہ اسے ایک اور دھچکا لگا، معاذ گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اس کے نزدیک لایا تھا اور لگام میں ایک ہاتھ میں پکڑ کر دوسرے ہاتھ کو پھیلاتے ہوئے وہ ذرا سا جھکا تھا اور اگلے لمحے زمین پرنیاں کے قدموں سے چھوٹ گئی تھی، اس کا وجود زمین و آسمان کے درمیان فضا میں معلق تھا اور وہ خوف اور دہشت کے احساس سمیت بے ساختہ چیختی چلی گئی تھی۔

(جاری ہے)

عابی ناز

آپ لوگ ایک عرصہ سے اپنے موسٹ فیورٹ ڈائجسٹ ''حنا'' میں ایک مستقل سلسلہ ''کس قیامت کے یہ نامے'' پڑھتے آئے ہیں، تو ہم نے سوچا کہ اس بار ہم اپنی کہانی کا نام ''کس محبت کے یہ نامے'' ہی رکھیں، چونکہ ہم بھی حنا کے بہت بڑے فین اور عاشق ہیں، (بھئی غلطی مت کیجئے سمجھنے میں، ہم اپنی کزن حنا ریاض کی نہیں بلکہ لولی اور ونڈر فل سے ماہنامے ''حنا'' کی بات کر رہے ہیں، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں کی زینت بنا ہوا ہے، اس بار ہمارے ''فائیو سٹار گروپ'' میں ایک اور دھما کہ ہوا ہے تو اسے شیئر کرنے کے خیال میں جھٹ کاغذ قلم اٹھایا اور پٹ سے یہاں دوڑی چلی آئی، اس بار جو محبت نامہ زیر نظر ہے اس کی مین ہیروئین کا کردار ماہ دولت کا ہی ہے، پچھلی بار اپنی تحریر میں، میں نے آپ لوگوں سے خصوصی دعا کی التماس کی تھی تا کہ کسی شہزادہ گلفام کو ہماری حالت ناساز گار پہ بھی رحم آ جائے تو اللہ ہی جانے آپ میں سے کس کی مبارک زبان کے الفاظ اللہ تعالیٰ نے اتنے قریب سے سنے اور انہیں شرف قبولیت بخش دیا، دعا گوئی کے لئے شکریہ۔

جی تو کہانی کچھ یوں شروع ہوتی ہے کہ۔

پیر کی صبح حسب معمول اور حسب حال میری باقی چاروں فرینڈز میری ذرا سی تاخیر پر بے وفائی کرتے ہوئے مجھے ہاسٹل روم میں چھوڑ کر خود کلاس روم میں پہنچ گئیں جبکہ میں آنکھیں موندے لمبی لمبی سی جمائیاں لیتی انہیں ملامت کرتے واش روم میں گھس گئی۔

''ارے سنڈی کبھی ٹینشن یونہی تو نہیں دن کیے جاتے اور اگر جو ہم تم سے یہ بے وفائی نہ کیا کریں تو تم سنڈی میں ہم سے آگے نکل جاؤ تمہارا ''رٹا'' سٹرونگ ہے ہم سے۔''

سمری نے میرے جواب میں کہہ کر اور چھپاک سے غائب ہو گئی تھی اس کی بات سو فیصد ٹھیک تھی کہ ہمارا گروپ ''فائیو سٹار گروپ'' اپنی ذہانت، انٹیلی جنیسی محنت اور قابلیت کی وجہ سے ہی سکول اور اب کالج میں خوب خوب نام کما رہا تھا، ہمارے گروپ کا نام ہم نے نہیں بلکہ ہمارے ٹیچرز اور کلاس فیلوز ہی رکھا تھا، کلاس فیلوز سے الگ ہمارے گروپ کی فرینڈ سٹڈی میں دوسری سے بڑھ کر اپنی جیت کی خواہاں ہے تبھی تو کبھی ٹینشن تف رہتا ہے اور مزہ بھی تب ہی آتا ہے اپنی ہاؤ بند آنکھوں پر پانی کے پانچ، چھ چھینٹے مار کر بال سمیٹتی لپک جھپک سے ہی میں کلاس روم میں پہنچی تو اپنی فرینڈز کے درمیان موجود اپنی چیئر پر کسی برقعہ پوش بلکہ نقاب پوش حسینہ کو دیکھ کر میں ٹھٹکی۔

''او ہیلو میم آپ شاید غلطی سے میری سیٹ پر بیٹھ گئی ہیں۔'' میں نے براہ راست اس نقاب پوش کو مخاطب کر ڈالا، مگر اس نے کوئی بھی جواب دیئے بغیر اپنی لمبی دارز پلکیں جھپک جھپک کر مجھے گھورنا شروع کر دیا۔

''دیکھئے آپ شاید نئی آئی ہیں کلاس میں اس لئے آپ کو پتہ نہیں ہو گا اور میری ان ڈفر دوستوں نے بھی آپ کو بتایا نہیں ہو گا لیکن اب تو آپ کو پتہ چل گیا ہے نا کہ یہ میری سیٹ ہے آپ پلیز کسی اور چیئر پر بیٹھ جایئے۔'' میں نے بڑی شرافت اور متانت سے مدبرانہ انداز اپنایا اور بات کے اختتام پر مفت مشورہ بھی دے دیا۔

''بتایا تھا آپ کو دوستوں نے مجھے، مگر میں تو اسی سیٹ پر بیٹھوں گی، کیونکہ نہ تو یہ چیئر آپ اپنے گھر سے لائی تھیں اور نہ ہی اس پہ مجھے آپ کے نام کی کوئی ''چٹ'' نظر آ رہی ہے، چونکہ میں پہلے کلاس میں آئی تھی لہٰذا یہ سیٹ میری ملکیت
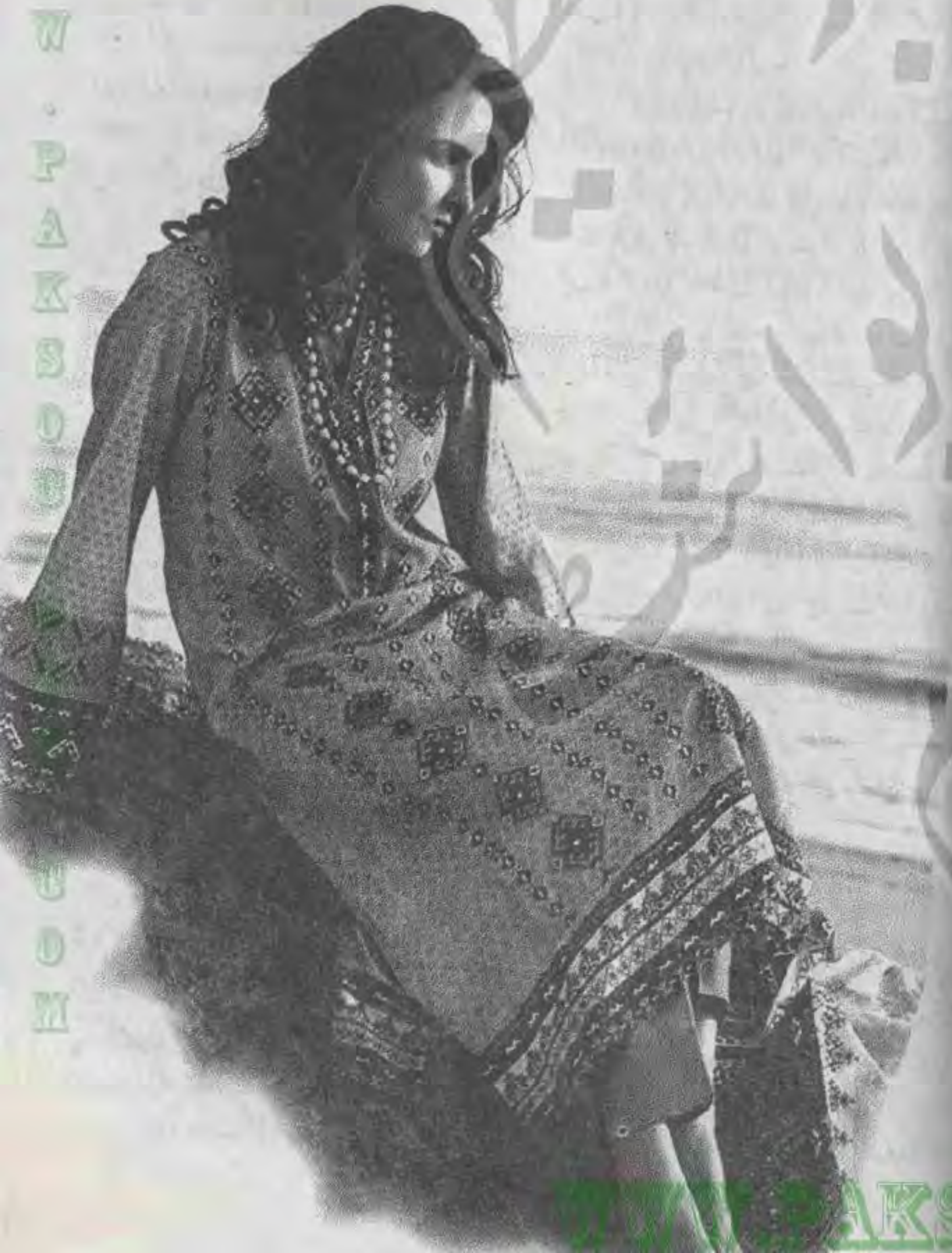
ہے اب۔'' مدمقابل حسینہ کا لہجہ مجھے اس کے الفاظ سے بھی زیادہ تپا گیا، میرے تو مانو ''تلووں لگی اور سر پہ بجھی'' میں نے انیتا اور عائشہ کی طرف بے یقینی سے دیکھا تو وہ بے چاریاں میرے انداز سمجھتے ہوئے کندھے اچکا کر رہ گئیں۔

''ایکسکیوزمی، آپ شاید مجھے جانتی نہیں۔'' میں نے اس محترمہ کو دھمکایا۔

''اور میں آپ کو جاننا چاہتی بھی نہیں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر ہنوز ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کیا تو میرا پارہ چھوڑ کے بی پی (بلڈ پریشر) بھی ہائی ہوگیا۔

''دیکھو شرافت سے میری جگہ چھوڑ دو ورنہ میرے اندر کا ہٹلر بیدار ہو گیا نہ تو تیری خیر نہیں۔'' میں اپنی آئی پہ اتر آئی تھی سو ٹون اپنے آپ بدل گئی انداز جارحانہ ہوگیا تھا۔

''چل نی بڑے ویکھے نیں تیرے جئے ہٹلر۔'' وہ بھی کوئی اپنے نام کی ایک ہی تھی، ڈھیٹ چھوڑ کر مہا ڈھیٹ، منی، شیلا اور بپاشا سمیت سمری کی کھی کھی نکلی تو میری شریانوں میں خون کی روانی اور تیز ہوگئی اس سے پہلے کہ میں اس ''نقابی حسینہ'' کا ''بودا'' نوچتی میں نے ایک نظر کلاس روم کے دروازے کو دیکھا مبادا سر زیدی انٹری نہ دے چکے ہوں پر صد شکر کہ ابھی سر زید کا نام و نشان تک نہ تھا، موقع پاتے ہی سب سے پہلے میں نے اپنے چاروں نمونوں یعنی گروپ فرینڈز کو گھرکا۔

''مدمقابل کے ساتھ مل کر دانت دکھاتے شرم نہیں آتی؟ میرا پلہ بھاری کرنے کی بجائے اس کا ساتھ دے رہی ہو؟ آفرین ہے تم دوستوں پہ۔'' میری ملامت نے ان پر اثر دکھایا تو وہ فوراً میرے ساتھ کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جی تو جناب محترمہ نقاب پوش صاحبہ اب آپ بتائیں کہ میری سیٹ شرافت سے واپس کریں گی یا پوری کلاس کے سامنے مجھ سے گتھم گتھا ہوتی اپنا تماشا بنوا کر کشتی لڑ کر ہارتی ہوئی سرپٹ دوڑ لگانا چاہیں گی۔'' میں نے بھنوؤں کے ساتھ ساتھ اپنی قمیض کی آستینیں بھی چڑھانی شروع کیں، گویا ابھی میدان کارزار میں کود رہی ہوں یا پھر مقابل کو اپنے ''ڈولے'' (مسلز) دکھا کر متاثر کرنا چاہ رہی تھی۔

''ویسے ایک بات پہلے ہی بتا دوں تمہیں کہ اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ کوئی آ کر تمہیں چھڑوا لے گا ہم سے تو یہ محض تمہاری خام خیالی ہے، یہاں سب مزید ''بلہ شیری'' دے کر پٹوانے والے ہیں کہ کس کی ''جونڈی'' (چٹیا) کب کھینچی جائے اور کس کی ہیل کس کے سر پہ کب برسے گی۔'' اپنی فرینڈز کی سپورٹ دیکھ کر میں نے پھیلتے ہوئے بڑی ادا سے ٹیبل پہ انگلیوں کی مدد سے ساز بجاتے ہوئے آنکھیں مٹکاتے ہوئے ریلیکس ہونے اور اسے فل ڈرانے کی اوورایکٹنگ کی (جو شاید کچھ زیادہ ہی اوور غنڈوں والی ہوگئی تھی)، خیر میری ایکٹنگ کام کر گئی اور اس حسینہ نے فوراً رنگ بدلتے ہوئے سرینڈر کر دیا۔

''اوکے ٹھیک ہے لڑنے لڑانے کا کوئی فائدہ نہیں چار دن کی زندگی ہے۔'' اس نے محاورہ استعمال کرتے ہوئے مزید کچھ کہنا چاہا پر میرا تو منہ اسی جملے پر کھل گیا تھا۔

''ہائے ہائے تو کیا تم یہ چار دن اسی چیئر پہ بیٹھ کر گزار دو گی؟''

میں نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھ لیا، تو پیچھے کھڑی میری فوج میں سے ایک سپاہی نے میری کنپٹی پر اپنی انگلیوں سے وار کیا جبکہ باقی تینوں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے گویا میری عقل کا ماتم منایا، میرے بدکنے اور پھر روہانسی

شکل کو دیکھ کر پچھلی رو میں بیٹھے لڑکے لڑکیوں کی ٹولی بے وجہ ہی دانت دکھانے لگی۔

''ایسا کوئی ارادہ تو نہ تھا پر آپ اصرار کرتی ہیں تو چلیں گزار لوں گی یہ چار دن اسی کرسی پر۔'' وہ محترمہ بڑی بے چارگی سے کہتی ہوئی دوبارہ سیٹ پر ڈھے گئیں۔

''ہیں ہیں......؟ چل نی اٹھ ایتھوں نکل دی ہو۔'' میں اس کی اداکاری سمجھ چکی تھی تبھی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا پر وہ ''بھینسا'' ٹس سے مس نہ ہوئی، پتہ نہیں یہ کس بھینس نے برقعہ پہن رکھا تھا، لڑکی تھی کہ سانڈ؟ میرے بارہا کھینچنے، گھسیٹنے پر بھی ہل کر نہ دی اپنی جگہ سے۔

میں نے پلٹ کر دوستوں کی مدد طلب نظروں سے دیکھا تو اس نقاب والی ''نازک دوشیزہ'' کو شاید مجھ پر رحم آ گیا تبھی میری سیٹ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے میں آپ کی جگہ سے ہٹ جاتی ہوں مگر ایک شرط پر۔''

''ہائیں یہ شرط کیسی اب......؟'' اسے اٹھاتے اٹھاتے میرے تو دانتوں پسینہ آ گیا تھا اور کہاں اب ایک اور نیا شوشہ؟ میری حالت اس وقت دیکھنے لائق تھی۔

''کیا شرط ہے بھئی۔'' سمری نے تڑخ کر کہا تو وہ نازنین نقاب کے پیچھے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''شرط یہ ہے کہ آپ لوگ اب اپنا غصہ تھوک دیں گی اور میرے گلے لگ کر صلح کا جھنڈا لہرائیں گی۔'' غصے کا تو پتہ نہیں البتہ ہم سب نے باری باری تھوک ضرور دیا تھا، وہ بھی اس کی طرف منہ کر کے۔

''ہاں جی تو اب رہا گلے مل کر صلح کرنے کا سوال تو ٹھیک ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' میں نے لاپرواہی سے کاندھے اچکائے اور اس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ کلاس میں موجود تمام لڑکے اور لڑکیوں کی ہوٹنگ پر ٹھٹک کر رک گئی۔

''اوئے ہوئے، کیا بات اے وائی، کمال ہو گیا کمال، شعلے، شعلے، شعلے۔'' (یہ لفظ ''شعلے'' ہماری کلاس کے لڑکوں کے مخصوص لفظ ہے جو وہ ٹوٹنکی کے دوران استعمال کرتے ہیں) اتنی آوازوں اور ان لڑکوں کے انداز اور الفاظ پر ہم سب کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو ضرور دال میں کہیں کچھ کالا ہے، عاشی نے جھٹ سے میرا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کھینچا تو ہم نے دز دیدہ نظروں بلکہ خوب گاڑھی نظروں سے اس برقعے میں ملبوس ''شے'' کا جائزہ لینا شروع کیا۔

''ہڈ پیر تے ایہدے کڑیاں والے نئیں لگدے۔'' (ہاتھ پاؤں تو اس کے لڑکیوں جیسے ہیں) یہ انیتا تھی جو میرے کان میں منہ گھسیڑے انکشاف کر رہی تھی۔

''آواز توں وی پاٹا سپیکر ای لگدا اے کوئی یعنی گڑبڑ اے کوئی۔'' (آواز سے بھی پھٹا سپیکر ہی لگ رہا ہے کوئی، کچھ تو گڑبڑ ہے)، زیبی نے بڑبڑاہٹ کے ساتھ اپنی چھوٹی چھوٹی سی آنکھیں مزید چھوٹی کر کے گویا دوربین یا خوردبین بنائی جس سے برقعے کے آر پار جھانک سکتی ہو۔

''جسامت تے ''دیو'' جیسی اے۔'' عاشی کی دریافت بھی اسی کی طرح عجیب تھی (فرق تے بندہ چج دا لبھے) یعنی کوئی مین ڈفرنس تو ہونا چاہیے۔

''چلئے جی بسم اللہ کیجئے سب سے آگے تو آپ ہی کھڑی ہیں نیک کام میں دیر نہیں کرتے گلے مل کر صلح کیجئے شاباش۔'' شاید اپنی پول کھلنے کے ڈر سے اس دوشیزہ نے مجھے پکڑ کے اپنی طرف کھینچا تو ایک دم سمری کی ''چھت پھاڑ'' چیخ

بلند ہوئی۔

''اوئے پینٹ دیکھو اسی کی اور اتنے بڑے بڑے بوٹ۔'' سمری با قاعدہ انگلی اٹھا کر ہاتھ سے اس برقعے میں ملبوس دوشیزہ کے 55 نمبر کے شوزوں کی طرف توجہ کر چکی تھی سب کو، اس برقعے کے نیچے پینٹ اور بڑے بڑے مردانہ شوز جو ابھی تک ٹیبل کے پیچھے کھڑے ہونے کی وجہ سے ہمیں نظر نہ آئے تھے سبھی نے دیکھ لئے، اتنے میں، میں نے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے پھرتی سے جھپٹ کر اس کا نقاب الٹ دیا۔

''دانیال فاران؟'' برقعے میں لپٹے دانیال کے چٹے سفید ''بوتھے'' کو دیکھ کر ہم سب کورس میں چلائیں، تو دانیال نے آئی شیڈز سے بھری ہوئی اپنی موٹی موٹی آنکھیں یوں پٹپٹائیں گویا دنیا جہان کی شرمیلی ترین لڑکی وہی ہو۔

''اووووو...... اوہو...... شٹ یار...... آئے ہائے۔'' لڑکوں اور لڑکیوں کی ملی جلی آوازوں سے پورا کلاس روم گونج اٹھا کچھ تو با قاعدہ اٹھ کر خوشی سے تالیاں پیٹنے لگے جبکہ باقی ماندہ تو سر ہی پیٹ کر رہ گئے، (کیونکہ ان ٹھرکیوں کو ایک اچھا سین دیکھنے کو نہیں مل سکا تھا) سب کلاس فیلوز اور خود دانیال کو دانت نکوستے دیکھ کر بھی ہماری کچھ سمجھ میں نہ آیا تو ہونقوں کی طرح بلکہ ''ڈن اور شوشے'' کی طرح منہ دیکھنے لگیں۔

''یہ سب کیا بکواس ہے۔'' زیبی بم بلاسٹ کی طرح اچانک پھٹی۔

''اپریل فول۔'' پوری کلاس نے مل کر جواب دیا تو ہم سب کو احساس ہوا کہ آج یکم اپریل ہے اور ہم ''اپریل فول''۔

☆☆☆

''کھوتے، ڈنگر، ڈفر، الو دے پٹھے۔'' میرے اندر رہ رہ کر ابال اٹھ رہے تھے، ہاسٹل روم میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتے ہوئے ہم سبھی جلے پیر کی بلی بنی ہوئی تھیں۔

''ہمت کیسے ہوئی ان لوگوں کی ہمیں بیوقوف بنانے کی ہائے ہائے۔'' انیتا نے جلتے کڑھتے ہوئے بڑی بوڑھیوں کی طرح ہاتھ مسلے۔

''ہمیں کیا سمجھ کر ایسا مذاق کرنے کی جسارت کی انہوں نے؟'' زیبی کا بھی کلیجہ سسٹر رہ تھا۔

''ایکسکیوزمی...... ایکسکیوزمی لیڈیز۔'' سمری بھنے ہوئے چنے اطمینان سے ختم کرنے کے بعد اپنی جگہ سے ہاتھ جھاڑتی اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اب دونوں ہاتھ اٹھائے ہمیں متوجہ کر رہی تھی، ہمارے دیکھنے پر بولی۔

''جن القابات سے عابدہ پروین سوری انجلینا جولی صاحبہ ان لوگوں کو یاد فرما رہی ہیں یعنی کھوتے، ڈنگر، ڈفر اور الو دے پٹھے تو جناب یہ سب القابات اس وقت ان پر نہیں ہم پر فٹ ہوتے ہیں دوسری بات یہ کہ انیتا جی یعنی کہ بیاشا جی ان لوگوں نے ہمت نہیں عقل استعمال کی تھی جو ہمارے پاس مفقود ہے اور تیسری بات جو کہ زیبی (شیلا) جی فرما رہے ہیں کہ انہوں نے ہمیں کیا سمجھ کر ایسی جسارت کی تو ڈیفینیٹلی انہوں نے فول سمجھ کے ہی ایسا کیا، جو کہ ہم آل ریڈی ہیں۔''

تاؤ تو ہمیں پہلے ہی بہت آ رہا تھا رہی سہی کسر سمری کی بات نے پوری کر دی۔

''شٹ اپ ان لوگوں کو ناکوں چنے نہ چبوائے تو میرا نام بدل دینا۔'' میں نے جوش میں آ کر بہت زور کا گھونسہ ٹیبل پر مارا مگر اگلے ہی پل عاشی کی بے ساختہ چیخ سے اندازہ ہوا کہ وہ گھونسا ٹیبل پر نہیں بیڈ پر الٹی سوئی ہوئی عاشی کی کمر پر پڑا ہے، (چونکہ اس وقت میرے نزدیک ٹیبل نہیں وہ ہی تھی)۔

''تیرا بیڑا ہی غرق، کلاس کا غصہ مجھ غریب اور معصوم پہ کیوں نکال رہی ہو؟'' وہ ہڑ بڑائی کمر کو سہلاتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تو تمہیں اس وقت کیوں سہانے سپنے دیکھنے کی پڑی ہے جبکہ ہم سب اتنے اہم مسئلے پر گفتگو کر رہے ہیں۔'' میں خود بھی چڑی بیٹھی تھی سو اس کو بھی مزید چڑایا۔

''تم اور تم لوگوں کے معاملے ہونہہ، اللہ کی پناہ، میں تو جا رہی ہوں، ابوبکر کی کال آنے والی ہے ہٹو پیچھے۔'' منی (عاشی) موبائل ہاتھ میں پکڑ کر بیڈ سے اترنے لگی تو میں نے اس کا موبائل چھین کر سوئچ آف کیا اور دور قالین پر پھینک دیا۔

''جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا کوئی کسی سے بات نہیں کرے گا، آج تک ہم سے کسی نے اس طرح کا مذاق کرنے یا بے وقوف بنانے کی کوشش نہیں کی تو پھر اس بار یہ سب کیوں؟''

''مجھ سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔''

''ہائے اگر میں واقعی اس کے گلے مل لیتی تو...... اف۔'' سوچ کر ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''تو کیا؟ اس کے وارے نیارے ہو جاتے۔'' انیتا نے آنکھیں اور بھنوئیں نچاتے ہوئے کمینگی سے کہا تو باقی سب بھی ہنسنے لگیں میں نے گھورا۔

''شاپ اٹ چھوڑوں گی نہیں میں اس دانیال کے بچے کو۔''

''لو جی ایک اکیلا دانیال سنبھالا نہیں جا رہا اوپر سے محترمہ اس کے بچے کی بھی ذمہ داری اٹھانے کا سوچ رہی ہیں۔'' سمری کی زبان میں پھر سے کھجلی ہوئی، جبکہ میں نے اس کی بات پر آؤ دیکھا نہ تاؤ قریبی کشن اٹھا کر دھنا دھن اس کی دھلائی کرنے لگی، باقی تینوں نے بھی اس کام کو اہم فریضہ سمجھتے ہوئے پوری ایمانداری سے میرے ساتھ دیا۔

☆☆☆

''دانیال جی مجھے دو منٹ کے لئے آپ سے بات کرنی ہے۔'' کل ہاسٹل کے بند کمرے میں ہمارے گروپ کی جو خفیہ میٹنگ ہوئی تھی اس میں پکنے والی کھچڑی آئی مین پلان کے مطابق میں اس وقت دانیال فاران کے سامنے کھڑی اس سے مخاطب تھی۔

''جی جی زہے نصیب فرمائیے۔'' مجھے دیکھ کر اس کی باچھیں کانوں تک چڑ گئیں، شاید کل والا واقعہ یاد آیا تھا۔

''یہاں نہیں باہر چلتے ہیں لان میں۔'' پلان کے مطابق میرا کام اسے اس کی سیٹ سے اٹھانا تھا باقی کا کام دوسرے ایجنٹس کا تھا۔

''تو ٹھیک ہے جناب! جہاں آپ لے جانا چاہیں، آپ کے ساتھ تو کنویں میں بھی کود لیں گے۔'' وہی چھچھورے لڑکوں والی خباثت۔

''اچھا رہنے دیں ہم یہیں کھڑے کھڑے دو منٹ بات کر لیتے ہیں۔'' وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ ٹیبل ہٹا کر باہر نکلتا میں نے اسے وہیں اس کی جگہ پر ہی روک دیا، مبادا وہ پیچھے پلٹ کر نہ دیکھ لے، اس کے کھڑے ہوتے ہی میرے گروپ کے باقی کارکنوں نے جھٹ پٹ اپنا کام شروع کر دیا ت، عاشی نے ہاتھ میں پانی سے لبالب بھرا شاپر پکڑ رکھا تھا، وہ سب دانیال کی پشت پر اس کی چیئر کے پیچھے کھڑی تھیں، جونہی دانیال نے اپنی کرسی چھوڑی عاشی نے پانی سے بھرے شاپر کو

ہلکی سی گرہ لگا کر کچھ اس طرح اس کی چیئر پہ رکھا کہ ذرا سا دباؤ پڑنے پر پاتو وہ گرہ کھل جاتی یا شاپر پھٹ جاتا اور سارا پانی کرسی اور کرسی والے کے ساتھ ساتھ فرش بھی بھگو دیتا۔

''وہ آپ کی جنرل نالج کی اسائمنٹ کمال کی تھی کہ کیا وہ مجھے مل سکتی ہے آج؟'' میں نے اسے دو منٹ کھڑا رکھنے کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا سو اپنا فرض پورا کرنے کو بات چھیڑی، اتنے میں عاشی نے شاپر کو احتیاط سے فٹ کر کے مجھے اپنی دو انگلیوں کی مدد سے وکٹری کا سائن دیا جبکہ زیبی، انیتا اور سمری مسلسل چاروں طرف پچھلی کلاس فیلوز کی ٹولیوں کو آنکھیں دکھا دکھا کر اور اپنے موٹے موٹے ہونٹوں پر انگلی رکھ رکھ کر زبردستی خاموش رہنے کا اشارہ کرتی رہیں، یوں بھی ہم جیسی ''پٹھے دماغ والی'' لڑکیوں سے پنگا کون لیتا؟ سو کلاس میں سے کسی نے کوئی گڑبڑ نہ کی۔

''چلیں ٹھیک ہے پھر آج نہیں تو کل سہی آپ وہ اسائمنٹ لا دیجئے گا۔'' ٹھیک دو منٹ بعد جب وہ چاروں اپنا کام کر کے بلکہ کام تمام کر کے اپنی اپنی سیٹیں سنبھال چکیں تو میں بھی بیسٹ آف لک کہتی اپنی سیٹ کی طرف بڑھی جب میں اپنی چیئر تک پہنچی تو پہلے ''ٹھاہ......'' اور پھر ''شررر'' کی آواز پہ پوری کلاس میں کھلبلی سی مچ گئی، کھی کھی، لڑکیوں کی دبی دبی سی ہنسی جبکہ لڑکوں کے جاندار قہقہے ابلے، ہم پانچوں اپنی اپنی جگہ پر کھڑی پیٹ بلکہ ''پیٹوں'' پہ ہاتھ رکھے ہنس ہنس کر دوہری ہوتی دانیال کو ''گیلی پینٹ'' سمیت اپنی جگہ سے اٹھتا دیکھ رہی تھیں، اس کے اٹھنے پر پیروں تک گیلی ہوتی پینٹ کی حالت اور ایسا دلکش نظارہ دیکھ کر قہقہوں کی آواز کچھ اور بلند ہوئی، اتنے میں آس پاس کے کچھ لڑکے اس کی مدد کے لئے اٹھ گئے۔

ساڈے نال لیں گا پنگا
تے انج ای رہویں گا ننگا
(ہمارے ساتھ لو گے پنگا)
(تو ایسے ہی لٹکے رہو گے)

ہم سب یعنی پانچوں نے یک زبان کہنے کے ساتھ ہی اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو نچا کر وارننگ دی، حساب برابر ہو چکا تھا۔

☆☆☆

ساڈا کی اے آپاں تاں
دند کڈی جانے آں

فل والیوم میں گانے کا ستیاناس مارتے ہوئے میں نے زیبی کی کمر پر دھپ رسید کی۔

''دیکھا پھر؟ کیسا حال ہوا ہمارے جانی دشمن کا؟'' میں نے آنکھ دبا کر احمقوں کی طرح دانت دکھائے۔

''ہاں جی گرو جی دیکھا ہے۔'' اس نے کمر سہلاتے ہوئے دانت کچکچائے، اگر میں اس کے جبڑوں میں ہوتی تو پس جاتی۔

''روندی منہ نوں کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے سب کچھ تم نے اکیلی نے کیا ہے۔'' عاشی اپنے حصے کے نمبر میرے حصے میں آتے کہاں دیکھ سکتی تھی جھٹ سے کود پڑی۔

''اچھا ٹھیک ہے یار ٹھیک ہے میں کب کہہ رہی ہوں کہ میں نے اکیلی کیا ہے۔'' اس کے خطرناک تیور دیکھ کر میں نے فوراً شرافت کا لبادا اوڑھتے ہوئے مسکین سی شکل بنائی گویا بھیگی بلی بن گئی۔

''تو پھر آئندہ شو مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے پھر سے انگلی دکھائی، پتہ نہیں کتنی تپ چڑھ گئی تھی اسے۔

''جو حکم سرکار۔'' میں فرمانبردار بنی۔

''اوئے اگر اس دانی کے بچے نے شکایت کر دی تو؟'' انیتا ڈرپوک بن کر دبو صورت بنا کر بولی۔

''افوہ یار ایک تو تم لوگوں کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آئی کہ دانیال کا ابھی تک کوئی بچہ نہیں ہے۔'' سمری نے پھر ٹانگ گھسیٹری اور ساتھ ہی انیتا کی عقل پہ ماتم کرتے ہوئے اپنا ماتھا پیٹ ڈالا۔

''اگر اس نے شکایت کی تو ہم بھی کل والی رام کتھا سر کے گوش گزار کر دیں گے اٹس ویری سمپل۔'' میں نے کندھے اچکاتے ہوئے ناک پر سے مکھی اڑائی، جو میرے منہ شریف میں گھسنے کی ناکام سی کوشش میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

''ویسے یار ماننا پڑے گا تم سب کو کہ میرا آئیڈیا کمال کا تھا۔'' عاشی (منی بدنام) نے اپنے فرضی کالر کھڑے کیے۔

''ہیں......؟ یہ کمال تمہارا کیا لگتا ہے جس کے آئیڈیے تم ہمیں دیتی پھر رہی ہو؟'' انیتا نے دانتوں میں انگلی دباتے ہوئے نہایت تفکر سے پوچھا تھا تو ہماری ہنسی چھوٹ گئی (یہ ہنسی ایسی چھوٹی کہ اگلے دس پندرہ منٹ اس کے پیچھے بھاگ بھاگ کر پکڑ کر واپس لانے میں ویسٹ ہو گئے)۔

''ابو کی کال ہے یار۔'' اپنے موبائل پہ ابو جان کا نمبر و دنیم جگمگاتے دیکھ کر میں نے زیبی اور سمری کے ہاتھوں پیروں کو دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر پرے جھٹکا جو اس وقت بیڈ پر نہیں بلکہ گویا میری گود میں چڑھی بیٹھی تھیں میرا دھکا نہ سہارتے ہوئے وہ دونوں ایک ساتھ فرش پر لڑھکتی چلی گئیں۔

''السلام علیکم ابو جان!'' ان کی بے ہنگم صداؤں اور دہائیوں کی پرواہ کیے بغیر میں کال اٹینڈ کرتی ہاسٹل روم سے باہر نکل آئی، چند منٹ کی کال کے بعد جب میں دوبارہ روم میں انٹر ہوئی تو ان کی کراہیں ابھی بھی نقطہ عروج پر تھیں، (ڈرامے باز کہیں کی)۔

''اے کیا ہوا؟ یہ مرے ہوئے لومڑ جیسی شکل کیوں بنا لی؟ کہیں پاگل خانے والے پھر سے تجھے ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک تو نہیں آ گئے؟'' سمری نے میری رونی صورت دیکھ کر جوک مارتے ہوئے خود ہی بتیسی دکھائی۔

''جی ہاں ایسا ہی ہے۔'' میں نے بدستور منہ لٹکائے ہوئے کہا۔

''واٹ؟'' ان سب نے ٹکر ٹکر مجھے گھورنا شروع کر دیا۔

''اور اب مجھ اکیلی بے چاری کو یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ اپنی ان چار عدد گھامڑ دوستوں کو کہاں اور کیسے چھپاؤں ان پاگل خانے والوں سے۔'' میں نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے ان پر بھرپور وار کیا تو وہ سلگ سلگ گئیں۔

''چل اوئے پاگل ہوئے گا تیرا ''گھر والا۔'' عاشی نے فل لڑاکا عورتوں کی طرح ''تڑی'' دی، (آخر پتہ لو لگ ہی جانا تھا کہ یہ شادی شدہ ہے)۔

''انکل نے کیا کہا فون پہ۔'' میری شکل جوں کی توں لٹکی دیکھ کر انیتا کو ہی خیال آیا بلکہ خیال کیا آیا یوں کہیے کہ انیتا کو ہی شرم آئی باقی تو سرے سے ہی بے حس اور بے حیا ہیں، (مجھے نکال کر آئی مین میرے علاوہ)۔

''مجھے کل گھر جانا ہو گا۔'' میں نے دھماکا کیا۔

''کیا؟ کیوں؟ خیریت؟ گھر پہ سب ٹھیک تو ہے، اتنا ارجنٹلی کیوں؟'' انہوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تو میں نے بے ساختہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے کشن کے پیچھے پناہ لی۔

"بول نا، کہیں تیرے رشتے وشتے والے تو نہیں آ گئے جو یوں شرما رہی ہو؟" انہوں نے میری گھبراہٹ کو شرماہٹ سمجھا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" میں نے جھٹکے سے کشن پٹخ دیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو تم لوگ؟ میری پھپھو کے بیٹے کی شادی ہے ملتان اور پھپھو نے بہت اصرار کر کے مجھے بلوایا ہے خاص طور پر اس لئے کل گھر والوں کے ساتھ مجھے بھی جانا پڑے گا۔" میں نے ایک ہی سانس میں کسی ریکارڈر کی طرح بجنا شروع کر دیا۔

"نہیں یں یں یں یں......" سمری نے کانوں پہ ہاتھ رکھ کے نہیں کو بہت ہی لمبا کھینچ دیا۔

"ارے کوئی تو منہ بند کرواس کا۔" عاشی جو اس کے منہ کے بالکل آگے جھکی بڑے غور سے میری بات سن رہی تھی اس اچانک افتاد پر بوکھلاتے ہوئے پیچھے ہٹی، اب وہ چار قدم کی دوری پہ کھڑی اپنا کان سہلا رہی تھی۔

"تیرا خانہ اِی خراب یہ کیا تھا؟" جب سمری نے ذرا سانس لیا تو زیبی نے اس کے دھموکا جڑا۔

"میری فرینڈ کی دوری مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گی، یہ ظلم نہ کرو جہاں والو، ہم جدا ہو کر جی نہ پائیں گے۔" سمری میں کسی پرانی ہیروئن کی روح سما چکی تھی، وہ باقاعدہ ایک ہاتھ کی پشت ماتھے پر رکھے دوسرے بازو کو پیچھے کی جانب بالکل سیدھا کیے بند آنکھوں سے ایکٹنگ کر رہی تھی، اس کی شرارت سمجھتے ہوئے میں نے ایک بار پھر کشن مضبوطی سے تھام لیا، باقیوں کے ارادے بھی اس کے لئے کچھ نیک نہیں تھے، وہ جو مجسم ہیروئن بنی کھڑی تھی اس کی ایک بار پھر ہم سب سے شامت آئی۔

☆☆☆

کیا یہی تھی تیری دوستی؟
دو قدم بھی نہ تو چل سکی
جھوٹی رسموں سے
جھوٹی قسموں سے
تو نے رسوا زمانے میں پیار کیوں کیا؟
تیرے وعدوں کا میں نے اعتبار کیوں کیا؟

گھر والوں کے ساتھ میں ملتان آ تو گئی تھی مگر اب پچھلے دو گھنٹوں سے منہ بسورے بیٹھی مکمل بور ہو رہی تھی، موبائل پہ ان فول سے رابطہ کرنا چاہا تو انہوں نے نو انٹری کا سائن دے دیا، (شاید وہ سب کلاس میں ہیں اور پڑھ پڑھ کر وہ مجھ سے آگے نکل جائیں گی یہی سوچ مزید کڑھنے پر مجبور کر گئی) میں نے یہ سونگ فوراً میسج میں ٹائپ کر کے بھیجا تو سمری کا Reply آیا۔

"اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

مجھے پتہ تھا وہ سب ناراض ہیں کیونکہ کتنی ہی منتیں کی تھیں انہوں نے میری کہ میں اس شادی میں نہ آؤں مگر یہ میں ہی تھی جو سب چھوڑ چھاڑ بھاگ آئی تھی اور اب بیٹھی آتے جاتے لوگوں کا منہ دیکھ رہی تھی، چونکہ ہماری ساری کزنز عمر میں ہم سے بہت بڑی ہیں چنانچہ ان سے مذاق بدتمیزی کے زمرے میں آتا ہے۔

"عابدہ ادھر آؤ بیٹا۔" ابو جان کی آواز پر میں مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق اٹھ کر ان کے پاس چلی آئی۔

"ماشاءاللہ، ماشاءاللہ، اللہ نظر نہ لگائے یہ تو بہت بڑی ہو گئی ہے۔" اس سے پہلے کہ ابو کچھ بولتے ان کے ساتھ بیٹھی ادھیڑ عمر کی بھاری بھرکم وجود کی خاتون نے ایکسٹرا خوش اخلاقی کا مظاہرہ

کرتے ہوئے کہا، جس طرح انہوں نے بہت بڑی پر زور دیا تھا مجھے لگا میں "عالم چنا" بن چکی ہوں شاید۔

"عابدہ یہ میری ماموں زاد بہن ریحانہ ہے، اپنی فیملی سمیت آئی ہیں کراچی سے۔" ابو جان نے تعارف کروایا تو میں نے نہایت ادب کے ساتھ سلام دعا کی، ان کے ساتھ ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا اس شادی میں آئے تھے، بیٹیوں سے تو اسی وقت شرف ملاقات حاصل ہو گیا، البتہ بیٹا نظر نہ آیا۔

"بھائی کو کب سے پھولوں کے گجرے لانے کے لئے بھیجا ہے نجانے وہ کہاں پھنس گئے ہیں۔" آنٹی ریحانہ کی بڑی بیٹی عمارہ اپنے بھائی کو دیکھنے کے لئے اٹھ کر چلی گئی کیونکہ اگلے چند منٹ میں مہندی سٹارٹ ہونے والی تھی، میں نے اس وقت بھی منہ موبائل میں گھسایا ہوا تھا جب اچانک کسی "بلا" نے پیچھے سے حملہ کر دیا، میری چیخ حلق میں ہی گھٹ گئی کیونکہ "بلا" نے سیدھا میری آنکھوں پر وار کیا تھا اور مجھے لمحوں میں اندھا بنا ڈالا تھا۔

"جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو، او کھے ویلے نال تو۔" میں نے ورد شروع کر دیا، مگر میرے ساتھ بیٹھی عمارہ کی چھوٹی بہن اقصیٰ نے اس بلا کو شاید دیکھ لیا تھا جبھی مسلسل دھاڑے جا رہی تھی۔

"شی شی چپ چپ کرو۔" کوئی مرد ہمیں چپ کروانے کی کوشش کر رہا تھا، بالآخر اقصیٰ کی چیخیں تو تھمتے تھمتے تھم گئیں، مگر میرا ورد زور و شور سے جاری تھا۔

"ارے یار کیا کرتی ہو تم لوگ، میں نے سوچا تم دونوں کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے تمہیں Guess کرنے کا کہوں گا مگر تم نے تو بھرے مجمع میں میری ایسی کی تیسی کر دی۔" ہاتھ ہم دونوں لڑکیوں کی آنکھوں سے ہٹائے کوئی پیچھے کھڑا کہہ رہا تھا۔

صد شکر کہ میری بینائی مجھے واپس مل چکی تھی، میرے لئے یہی کافی تھا، کہ وہ انسان جو کوئی بھی تھا بلا نہیں۔

"بھائی آپ؟" اقصیٰ کی آواز ابھری۔

"جی ہاں میں، تم نے آج مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی وہ تو شکر ہے کہ آس پاس کوئی ہے نہیں سب مہندی کے لئے لان میں جا چکے ہیں ورنہ تم دونوں بہنیں تو اپنے ہی بھائی کو کڈنیپر ثابت کر کے پٹوا دیتی۔"

"دونوں بہنیں؟"

"ایکسکیوزمی مسٹر......" میں دہکتی ہوئی اپنے اندر کی آگ انڈیلنے کو جونہی اٹھ کر پیچھے مڑی تو وہاں موجود شخص کو دیکھ کر "گونگی" ہی ہو گئی۔

"دانیال فاران؟" چند لمحے بعد میرے حلق سے بے اختیار برآمد ہونے والی حیرت انگیز چیخ بالکل ویسی ہی تھی جیسی کلاس روم میں اسے برقعے میں لپٹا دیکھ کر نکلی تھی فرق صرف اتنا تھا کہ اس بار چیخنے والی میں اکلوتی تھی۔

"تم یہاں؟" وہ بھی مجھے وہاں دیکھ کر یقیناً 420 وولٹ کے جھٹکے کے زیر اثر بولا بلکہ دھاڑا۔

"آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" اقصیٰ نے انتہائی احمقانہ سوال کیا۔

(بھئی ظاہر ہے جانتے ہیں تو ہی ایسے ری ایکٹ کر رہے ہیں)۔

"جی نہیں میں انہیں بالکل بھی نہیں جانتی۔" میں نے ڈھیٹ پن سے بیگانگی و لاتعلقی کے سارے ریکارڈز توڑتے ہوئے کہا اور گم شدہ گائے کی طرح منہ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

یہاں وہاں کیا ڈھونڈ رہی ہیں؟ مٹھائی کا ڈبہ؟ یہ لیجئے آپ کے لئے حاضر خدمت ہے۔

دو لہے کو مہندی لگاتے وقت سامنے رکھا جانے والا لذیذ رس گلوں کا جو ڈبہ پچھلے پورے گھنٹے سے میری نظر میں تھا اور جسے دیکھ دیکھ کر میں نے منہ میں بھر بھر آنے والے بے تحاشا پانی کو زہر کے گھونٹوں کی طرح پیا تھا وہ اس وقت دانی کے ہاتھ میں تھا۔

''اے چو چو کے کچھ لگتے اپنی چوں چوں بند رکھو ورنہ ابھی سب لوگ تمہاری چاں چاں سن رہے ہونگے۔'' میں نے دبی آواز میں اسے خبردار کیا، تو وہ مزید پھیل کر میرے سامنے والی خالی کرسی پر ہی بیٹھ گیا۔

''اجی اب تو آپ کچھ بھی کہیے، ہم تو بدلہ لے کر ہی رہیں گے۔'' اس کی ہنسی اور بات نے میرے اندر کی نازک اور کمزور دل والی ناری کو سہما دیا، مگر اوپر سے میں وہی کڑک اور بہادر ہٹلر بنی رہی، (اس وقت میرا گروپ نہیں تھا ورنہ اس کو تو ابھی مزہ چکھا دیتی)۔

''مجھ سے تم نے اس بار کوئی گیم کھیلنے کی کوشش بھی کی تو ایک کی چار سہنی پڑیں گی تمہیں۔'' (آخر کو بجو آنا تو کلاس میں ہی ہے نا؟) میں نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی۔

''وہ تو وقت آنے پہ دیکھیں گے جناب، خیر میری فیملی سے ملیں تم؟'' اس نے موضوع بدلا۔

''ہاں جی سبھی سے مل چکی ہوں۔'' میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''ویسے مجھے نہیں پتہ تھا کہ ہمارے دور پار کے رشتہ داروں میں کوئی ہٹلر، چنگیز خان یا ہلاکو خان بھی ہو گا۔'' اس نے پھر سے کہا ساتھ ہی ساتھ وہ رس گلوں کا صفایا بھی کرتا جا رہا تھا، اس کے منہ میں جاتے ہوئے ہر رس گلے کے عوض میرے دل سے ایک گالی نکل رہی تھی اس کے لئے۔

''اب تو پتہ چل گیا ناں؟ سوچ کے رہنا اب۔'' رس گلوں کے ڈبے کا کباڑا دیکھنا میرے بس کی بات نہ تھی اس لئے ایک بار پھر اسے وہیں چھوڑ کر کلستی ہوئی دوسری طرف چل دی، اپنے گروپ ممبرز کو اس عظیم الشان سانحے کی خبر بلکہ ایک ایک بات کی رپورٹ With ایکسٹرا مرچ مصالحہ میں ساتھ ہی ساتھ بھم پہنچا کر ان کے مفید اور مفت مشوروں سے مستفیض بھی ہو رہی تھی، وہاں ان کی کھچڑی الگ پک رہی تھی جبکہ یہاں میری جان پر الگ بنی ہوئی تھی کہ کہیں وہ ابو یا باقی گھر والوں کو کچھ بتا ہی نہ دے (کہ ان کی بیٹی کلاس میں یہ کرتی ہے) اپنی فیملی کو تو نہ جانے کیا کیا بتایا ہو گا اس نے میرے بارے میں، (خیر اس کی فیملی سے مجھے کیا لینا دینا) میں نے سر جھٹکا اور اپنی پھپھو کے پاس چلی گئی، شکر خدا کا کہ رات تو آرام و سکون سے گزر گئی اگلی صبح بھی کافی دیر تک اس کی شکل دکھائی نہ دی، ہاں البتہ عمارہ اور اقصیٰ آتے جاتے مجھے اسپیشلی نوٹ کرتیں زیادہ وقت وہ میرے اردگرد ہی منڈلاتی رہیں، بارات جانے کے وقت پر جب میں تیار ہو کر نیچے پہنچی تو سبھی گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے۔

''ماشا اللہ چشم بد دور۔'' دونوں ہاتھوں میں بڑے بڑے ڈبے پکڑے وہ لدا پھندا نجانے کہاں سے برآمد ہوا تھا، مجھ پر نظر پڑتے ہی زبان میں خارش ہوئی، جبکہ میری تیوریاں اس قدر چڑھ گئیں کہ ماتھے پر لگا ٹیکہ (بندیا) تک اوپر کو ابھر آئی۔

''عابدہ آپ ہمارے ساتھ آ جاتیں ہماری گاڑی میں۔'' عمارہ نے آفر کی، تو میں نے فوراً نا

محسوس انداز میں نظروں کے ساتھ ساتھ رخ بھی پھیر لیا، جیسے کہ سنا ہی نہیں، (ہونہہ اچھی طرح جانتی ہوں میں بھائیوں کو سپورٹ کر کے دوسروں کو پھسانے والی لڑکیوں کو) مر جاؤں گی پر ان کی گاڑی میں نہیں جاؤں گی، مجھ سے بدلہ لینے کے لئے یہ کسی حد تک بھی جا سکتا ہے، ابھی میں بھنویں اچکا اچکا کر سوچ ہی رہی تھی کہ وہ سامان گاڑی میں رکھ کر ہاتھ جھاڑتا ہوا پھر مجھ تک پہنچ گیا۔

''جنہیں ہم آج تک سادہ گلاب سمجھتے رہے ہیں وہ آج کیل کانٹوں سے لیس ہو کر نکلے ہیں خدا خیر کرے۔'' اس کی بات پر میرے جبڑے مزید نمایاں ہونے لگے، بس نہیں چل رہا تھا کہ اس لفنگے کو کچا چبا جاؤں (کیا تھا اگر جو اللہ تعالیٰ مجھے بھی ڈریکولا بننے کی صلاحیت سے نواز دیتا)۔

''دیکھو دانی، اپنے یہ بکواس اور چھچھورے طریقے اپنے پاس ہی رکھو، بدلہ لینا ہے تو سیدھی طرح مرد بن کر لو نا؟''

''اف خدایا یہ میں نے جلدی میں کیا کہہ دیا۔'' اپنی بات کی گہرائی جان کر میں خود ہی لال پیلی بلکہ ہری نیلی بھی ہو گئی۔

''اچھا تو تم چاہتی ہو کہ مرد بن کر تم سے بدلہ لوں؟'' وہ میری بات دہراتے ہوئے خباثت سے ہنسا۔

''میر...... میرا مطلب ہے کہ براہ راست میدان میں آ کر لڑو، یہ بھونڈی ترکیبیں مجھ پر اثر انداز ہونے والی نہیں ہیں۔'' میں نے پھرتی سے بات سنبھالی۔

''اچھا تو بتائیے ذرا آپ پر کون سی ترکیبیں اثر انداز ہوتی ہیں۔'' وہ مجھے قل تپانے کے موڈ میں تھا۔

''کوئی بھی نہیں اور ایک بات یاد رکھو، مجھ جیسی شہد کی مکھی کو عام مکھی مت سمجھنا۔''

(بیڑا اہی غرق، یہ کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کیا الٹی سیدھی بکواس کر رہی ہوں، اپنے بارے میں مثال تو کوئی اچھی دینی چاہیے تھی)۔

دانیال کے بے ساختہ بلند و بانگ قہقہے پر خود کو کوستی میں دھم دھم چلتی دوسری گاڑی میں جا بیٹھی اپنی باقی ماندہ فیملی کے ساتھ وہاں پر بھی بارات سے واپسی تک وہ سارا وقت کسی بوتل کے جن کی طرح میرے سر پہ سوار رہا، مجھے تو رہ رہ کر غصہ اس لئے بھی آ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے میں ٹھیک سے پیٹ پوجا بھی نہیں کر سکی۔

وہ منحوس واقعی اپنا بدلہ پورا کر رہا تھا۔

''انکل ہم دونوں بہت اچھے کلاس فیلوز اور فرینڈز ہیں آپ کو پتہ ہے آپ کی بیٹی بہت ذہین ہے۔'' وہ ابو کو بتا رہا تھا ان دو دنوں میں وہ ابو جان اور میرے باقی گھر والوں سے کچھ زیادہ ہی فرینک ہو گیا تھا، جو میرے لئے خطرے کا الارم تھا۔

''مر جانیو، ٹٹ پینیوں کتھے رہ مر گیاں او مینوں کلی نوں پھنسا کے۔''

''میں ایک اکیلی جان بلکہ ''جند نمانی'' کیا کیا سنبھالوں اب؟'' میسج پر ان سے لڑتے ہوئے میں باقاعدہ رو پڑی، اگلا دن میں نے کیسے گزارا وہ میں ہی جانتی ہوں یا میرا خدا، اب آپ کون کون سا دکھڑا سناؤں بس معزز قارئین آپ میرے دل کے زخم نہ ہی کریدیں، اف۔

☆☆☆

''کمینہ، سالا، بدھو، ''، کانگڑی پہلوان خود کو سمجھ کیا رہا تھا وہاں شادی پر، جیسے کبھی دوبارہ میرے ہاتھ آئے گا ہی نہیں، اس کی تو میں بوٹی بوٹی کر دوں گی، سارے بال نوچ کے ''ٹینڈ'' بنا دوں گی، اس کی۔'' میں تاؤ کھا کھا کر اپنا کم از کم

ڈیڑھ کلو خون جلا چکی تھی، جب سے ہاسٹل میں پہنچی تھی اپنا سامان پھینکتے ہی منہ سے شعلے، انگارے اور پتہ نہیں کیا کیا اگل رہی تھی۔

''بیچ بیچ ریلیکس میری جان، ٹھنڈی ہو جا Cool down۔'' زیبی نے پالتو جانور کی طرح میری کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مجھے پچکارا اور ٹھنڈا ہونے کا کہا جبکہ میں تو مزید بھڑک گئی۔

''ہاتھ مت لگاؤ مجھے تم لوگ بے وفا سنگدل۔''

''ارے اب ہم نے کیا کر دیا؟'' عاشی نے منہ کھولا۔

''کچھ کیا ہی تو نہیں تم لوگوں نے، لے دے کے پھنسوا دیا مجھ اکیلی کو۔''

''لو جی تو کیا ہم نے کہا تھا کہ وہ اس شادی پہ جائے؟ یا تمہیں زبردستی بھیجا تھا؟ تب تو اتنی منتیں کی تھیں تمہاری کہ ''ابھی نہ جاؤ چھوڑ کر'' پر تب تم نے ہماری ایک نہ سنی، اب لے لیا اکیلی ہونے کا مزہ؟''

''مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ ہمارا ہی کہیں نہ کہیں سے رشتے دار نکل آئے گا۔'' میں نے تھوبڑا لٹکایا۔

''تو کیا ہم ولیوں کی لڑی سے ہیں جو ہمیں الہام ہو جاتا؟'' سمری بھی پھٹ پڑی تو ناچار مجھے سرف کے جھاگ کی طرح بیٹھنا ہی پڑا۔

''چل چھڈ دے میری لالو، جو ہونا سی ہو گیا ہن صبر کر میری بچی، حوصلہ، حوصلہ۔'' انیتا نے میری ماں بننے کی کوشش کی میرے سر پر ہاتھ پھیرنے کا انداز ایسا تھا کہ میری ہنسی نکل گئی۔

''او شاباش یہ ہوئی نا بات، لیاؤ کوئی کولڈ ڈرنک شولڈرنک پلاؤ میری لاڈو رانی نوں۔'' اس نے بھی ہنستے ہوئے کہا تو عاشی جھٹ سے کولڈ ڈرنک منگوانے بھاگی مبادا میرا پارہ پھر نہ چڑھ جائے اور انیتا کے پلے سے کولڈ ڈرنک پینے کا سنہری موقع جاتا رہے۔

☆☆☆

''نہیں یں یں...... یہ نہیں ہو سکتا۔'' میری لاشعوری طور پر بلند ہونے والی صدا پورے نہیں تو کم از کم آدھے ہاسٹل نے تو ضرور سنی ہو گی، (ہائے ہائے کیا ہو گیا؟ اوئے کیا ہو کیا گیا ہے)

''ہائے ہائے کی ہو گیا، دے کی ہو کہیہ گیا جے۔'' انیتا، عائشہ، سمیرا اور زیبا چاروں کی چاروں میری چیخ پر دہلتی ہولتی گھبرائی میرے سر پہ آن پہنچی۔

''کچھ پھوٹ بھی دو اب کیا قیامت گزر گئی۔'' چند منٹ میرے بولنے کا انتظار کر کے آخر وہ جھنجھلائیں۔

میں صدمے سے گنگ موبائل کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھور رہی تھی۔

''یار ایسا کیا کہہ دیا کسی نے موبائل پہ کچھ بول بھی دے۔'' وہ پھر سے مجھے جھنجھوڑ رہی تھیں۔

''مجھے ملتان شادی سے واپس آئے کتنے دن ہوئے ہیں۔'' میں نے بت بنے ہی پوچھا۔

''دس دن کیوں؟'' عاشی نے انگلیوں پہ گنتے ہوئے پورے پندرہ منٹ ضائع کر کے بالآخر مجھے بتایا اور ساتھ ہی سوال بھی کر ڈالا۔

''اس نالائق، نا ہنجار نے ایسا سوچا بھی کیسے؟'' میں منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

''یار ہمیں بھی کچھ بتائے گی کہ یونہی خود ہی بکتی جھکتی رہو گی۔'' زیبی کو تو چڑھ غصہ گیا۔

''اس دانیال کے بچے نے اپنی فیملی کو میرے گھر بھیجا ہے کل اپنا پرپوزل دے کر، جبکہ میرے گھر والے تو پہلے ہی اس پہ لٹو ہو گئے تھے،

ابو جان نے کہا ہے کہ آخری اور حتمی فیصلہ میرا ہی ہو گا پر وہ بھی اس پرپوزل سے بہت خوش ہیں، مجھے کل تک ابو جان کو سوچ سمجھ کر کوئی جواب دینا ہو گا، یہ ان کا آرڈر ہے۔'' میں نے جو ایک سانس میں بات شروع کی تو فل سپیڈ چھوڑ دی بات کے آخر تک میری سانس پھول گئی تھی، وہ چاروں منہ کھولے اور اپنی آنکھیں بڑی کیے ہقا بقا کھڑی رہ گئیں۔

''ہو نہ ہو یہ سب اس لوفر نے صرف مجھ سے بدلہ لینے کے لئے کیا ہے۔'' پہلی سوچ یہی ابھری ذہن میں جیسے میں نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر کہہ بھی دیا۔

''ہاں یار ورنہ وہ تو کبھی کسی لڑکی کو دیکھتا تک نہیں کلاس میں۔'' باقیوں نے بھی تائید کی۔

''ہاں اس نے کبھی ایسا کوئی خاص رسپانس نہیں دیا تمہیں اور نہ ہی کبھی ایسی کوئی بات کی تھی البتہ یکم اپریل سے اس کی سرگرمیاں کچھ مشکوک حیرت انگیز اور تبدیل شدہ ہیں پر وہ اس حد تک چلا جائے گا یہ تو دماغ کے کسی کونے کھدرے میں بھی نہیں تھا۔'' انیتا اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا رہی تھی (پر عقل ہوتی تو گھوڑے دوڑتے ناں)۔

''کیا شادی پہ ایسی کوئی بات یا حرکت کی تھی اس نے جس سے......'' اب کے سمری کی باری تھی جو انویسٹی گیشن چارج سنبھال کر مجھے زچ کر رہی تھی۔

''کچھ بھی نہیں ہوا تھا ایسا، وہ نامراد ساری شادی میں مجھے جان بوجھ کر پریشان کرنے کے لئے بودی اور بھونڈی حرکتیں ضرور کرتا رہا ہے مگر وہ سیریس نہیں تھا اور اب بھی یہ اس کی چال ہے جسے میں خوب سمجھ چکی ہوں۔'' میں نے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مکہ رسید کیا۔

''کچھ بھی ہو جائے میں اس کے دام میں ہرگز نہیں آؤں گی، Never منہ توڑ دوں گی میں اس بن مانس کا، مار مار کر بھرکس نکال دوں گی۔'' میرے انداز خوفناک حد تک جارحانہ بلکہ قاتلانہ تھے۔

''اے تم جو مار مار کر نکالو گی، وہ بھرکس ہو گا؟'' سمری نے قصداً مجھے چھیڑا۔

''شٹ اپ اس کا تو پتہ نہیں پر اس وقت تیرا قیمہ ضرور بن جائے گا میرے ہاتھوں۔'' میری دھاڑ تھی یا کسی شیرنی کی گرج (اف اتنی تعریف، اسے کہتے ہیں اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا) وہ چاروں سہم کر کونے میں جا لگیں جبکہ میں باؤلے کتے کی طرح منہ سے کف چھوڑتی پورے کمرے میں چکرا رہی تھی۔

''تم بات کیوں نہیں کر لیتی اس سے براہ راست۔'' انیتا منمنائی۔

''میں اور اس سے بات، امپاسبل، میں تو گھاس تک نہیں ڈالوں گی اس کو۔''

''ہیں دانیال گھاس کب سے کھانے لگا؟'' ان میں سے کسی نے کانا پھوسی کی۔

''میں ابھی کے ابھی ابو جان کو فون کر کے سختی سے منع کر دوں گی، صاف انکار کر دیتی ہوں انہیں، پھر نمٹوں گی دانیال سے۔'' میں نے موبائل ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا تو عین اسی وقت موبائل سکرین پر Unknown نمبر سے کال آنے لگی۔

''یہ کون ہو سکتا ہے؟'' شش و پنج میں مبتلا میں نے کال ریسو کر کے ہیلو کہا۔

''عابدہ بات کر رہی ہیں۔'' دوسری طرف سے مردانہ آواز ابھری۔

''آپ کون؟'' جواب کی بجائے سوال کیا، ان چاروں کے کان بھی کھڑے ہو چکے تھے۔

''میں دانیال فاران بول رہا ہوں۔''
''دانیال۔'' میں نے نام دہرا کر موبائل کو یوں بے یقینی سے گھورا گویا وہ کہہ رہا ہو کہ میں موبائل سے نکلنے لگا ہوں میں نے فوراً چیک کیا آیا میں نے اپنا ہی سیل پکڑا ہے (ہاں نمبر تو میرا ہی تھا) وہ چاروں بھی اس کا نام سنتے ہی دھکم پیل کرتی گرتی پڑتی بلکہ لپک جھپک مجھ تک آئیں، میں نے موبائل دوبارہ کان سے لگایا یا تو میرے موبائل کی دوسری طرف ان چاروں نے اپنا ایک ایک کان لگا دیا، پلک جھپکتے میں اتنے سارے سر ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے (کاش کوئی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک وار کرنے والا ہوتا)۔
''عابدہ جی آج یا کل میں آپ کو یہ اطلاع تو مل ہی جائے گی کہ میری فیملی آپ کے گھر آپ کا ہاتھ مانگنے آئی تھی۔'' وہ لجاجت سے بولا۔
''جی ہاں یہ اطلاح مجھے مل چکی ہے۔'' جواباً میں پھنکاری (کسی زہریلے سانپ نہیں سانپنی کی طرح)۔
''واؤ، دیٹس گریٹ، پھر کیا فیصلہ ہوا؟'' وہ چہک رہا تھا پر میں سلگ رہی تھی، (کوئی تے دو چار بالٹیاں پانی پاؤ میرے تے)۔
''فیصلہ یہی ہوا ہے کہ بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا (خاندان نہیں یہ کچھ زیادہ ہی بدتمیزی ہو جاتی، آخر وہ ابو کی رشتے دار تھیں) پوپوزل مجھے تمہاری ساری پلاننگ کا پتہ چل گیا ہے، It is immposible to make me fool. you got it?'' میں نے انگریزی میں رعب جھاڑا۔
''کیا پتہ چل گیا ہے تمہیں کیسی پلاننگ، کون سی پلاننگ؟'' وہ بڑا معصوم بننے کی اداکاری کر رہا تھا (کم از کم مجھے تو ایسا ہی لگا)۔
''تم مجھ سے بدلہ لینے کے لئے یہ سب کر رہے ہو؟'' آخر سانپ پٹاری سے باہر آ ہی گیا۔
''واٹ نوانسں ناٹ ٹریو یہ کوئی بدلہ نہیں ہے عابدہ، میں سچ مچ تمہیں Like کرتا ہوں، آج سے نہیں بہت پہلے سے، کلاس میں تمہاری ذہانت اور تم دوستوں کی دوستی کو دیکھ کے شروع سے ہی بہت امپریس رہا ہوں میں، اب باقی سب تو بک ہو چکی ہیں تو۔'' بدقسمتی سے تمہارے پورے گروپ میں ایک تم ہی ایسی بلی بچی ہو جو اب تک بنا گھنٹی کے آزادانہ پھرتی ہو تو میں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ یہ گھنٹی کوئی اور باندھے میں ہی کیوں نہ......''
''شاپ دس نان سینس، مجھے تمہاری کسی بات پر ٹرسٹ نہیں۔'' میں اڑیل گھوڑے کی طرح وہیں کی وہیں تھی۔
''او یار سچ کہہ رہا ہوں، جب سے تمہیں شادی پر تک سک سا تیار دیکھا ہے میری پسند کچھ اور بڑھ گئی ہے۔'' اس کی بات کا مجھ پر تو اثر نہیں ہوا البتہ تب سے کان لگائے کھڑی ان ''نااہلوں'' کو گدگدی ضرور ہوئی تھی، (مجھے ان کی کھی کھی سے اندازہ ہو چکا تھا۔)
''بہر حال میرا فیصلہ وہی ہے۔'' میں ان گھامڑوں کو کندھا مار کر پرے دھکیلتے ہوئے بولی کم غرائی زیادہ۔
''دیکھو پلیز مان جاؤ نا، کلاس میں جو ہوا وہ الگ بات ہے، میری فیملی اور خاص کر عمارہ کو بھی تم بے حد پسند آئی ہو، میرے ساتھ ساتھ تم نے تو اسے بھی دیوانہ بنا دیا ہے۔''
''ہونہہ ڈائیلاگ۔'' میں نے منہ بسورا۔
''میں مانتا ہوں کہ میں تمہارے جتنا لائق فائق اور خوبصورت نہیں (آہم یہ آہم میرے حلق سے برآمد ہوئی تھی) مگر جیسے میں کلاس میں تم سے پیچھے رہتا ہوں شاید اب ساری زندگی تمہارے

پیچھے رہنا پڑے۔''
''ناٹک باز، خود کو بڑا ہیرو سمجھ رہا ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں دو چار گالیوں سے نوازا۔
''آئی سوئیر (میں قسم کھاتا ہوں) عابدہ کہ میں واقعی تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، بنا کسی غرض یا دکھاوے اور دھوکے کے پلیز فیصلہ میرے حق میں کرنا، باقی کی باتیں تمہیں بعد میں بتاؤں گا فی الحال اتنا یاد رکھنا کہ تم میری خواہش ہو اور میری فیملی کی چوائس۔'' آخر میں سنجیدگی سے کہتا وہ فون بند کر گیا، جبکہ یہ چار عدد اجسام جو اس وقت سے کسی چھپکلی کی طرح میرے ساتھ چپکے کھڑے تھے یہاں تک کہ سانس لینے کی غلطی بھی نہیں کی تھی انہوں نے پوری کال کے دوران (جن کی آٹھ آٹھ گز کی زبانیں بھی کوئی روک ہی نہیں پایا اب سانس روکے کھڑی تھیں)۔
''او ہیلو...... مردہ تو نہیں ہو چکی تم سب؟'' میں نے جھنجھوڑ کر انہیں ہلایا اور پھر اپنا سیل بیڈ پر پٹخ دیا۔
''تو فکر نہ کر جانی، ابھی تیری جان کو چین نہیں لینے دیں گی ہم لیکن اس وقت ہم صرف سوچ وچار کر رہی ہیں۔'' عاشی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔
''سوچ وچار؟'' میں نے سوالیہ انداز اپنایا۔
''ہاں یار، دانیال کی کال اور اس کا لہجہ۔''
''چھوڑو بھی، اینویں بکواس کر رہا تھا۔'' میں نے زیبی کی بات چٹکیوں میں اڑا دی۔
''نہیں یار مجھے تو وہ سیریس لگا ہے دیکھ اس نے کلاس میں تماشا بنوانے یا کوئی چکر چلانے کی بجائے شریف لڑکوں کی طرح سیدھا سادا گھریلو راستہ استعمال کیا ہے، اگر اس نے تجھ سے بدلہ ہی

لینا ہوتا تو وہ کلاس میں لیتا یا پھر اپنے آپ لیتا اپنی یا تمہاری فیملی کو انوالو نہ کرتا۔" انیتا اتنی عقلمند تو نہ تھی مگر دور کی کوڑی لائی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے یہ اور جہاں تک بات ہے اس کی شخصیت کی تو He is a very handsome and beautiful buy (وہ بہت خوبرو اور خوش شکل لڑکا ہے)، تمہیں پتہ ہی ہے کلاس کی کتنی لڑکیاں ہیں اس کے پیچھے مگر وہ مڑ کر نہیں دیکھتا کسی کو، اگر وہ خود اپنے گھر والوں سے بات کر کے تم تک رسائی حاصل کر رہا ہے تو کچھ تو سچائی ہے ناں اس میں؟" دانیال کا ایک اور حمایتی اٹھ کھڑا ہوا بلکہ یوں کہیے اٹھ کھڑی ہوئی عاشی بی بی۔

"تیرے گھر والے بھی تو اسے جانتے ہیں، انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے پسند کیا ہو گا تمہارے لئے، انکار کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو۔" سمری بھی اس کی طرف داری کے لئے میدان جنگ میں کود پڑی۔

"لیکن آج تک تو اس نے ایسا کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ عابدہ کو پسند کرتا ہے، شادی سے واپس آنے کے بعد بھی نہیں پھر کیسے؟" زیبی بھی میری طرح شش و پنج کا شکار تھی۔

"خیر ہو سکتا ہے وہ چھپا رستم ہو، شادی کے بعد ہی ایسے معاملات کھولنا چاہتا ہو، آ آ آ میرا ووٹ، بھی اس کے حق میں ہے۔" اگلے ہی پل وہ گرگٹ کی طرح رنگ تو کیا پارٹی ہی بدل گئی تو وہ چاروں جھوم اٹھیں مگر میں ابھی بھی مطمئن نہیں ہوں۔

"اتنا اہم فیصلہ میں کیسے کرلوں، چنانچہ اسی کنفیوژن کو دور کرنے کے لئے جھٹ پٹ کاغذ قلم سنبھالتی آپ سے مشورہ لینے حاضر ہوئی ہوں، آپ ہی بتایئے ڈیئر قارئین کہ میں کیا کروں، اپنی فیملی، فرینڈز اور دانیال پہ بھروسہ کر لوں یا پھر خود تحقیقی کمیٹی قائم کروں، یا پھر یہ کہ بنا کسی جھنجھٹ میں پڑے سیدھا ہی صاف انکار کر دوں؟ اور اپنی پڑھائی پہ فوکس رکھوں، کیونکہ اگر میری بھی منگنی ہو گئی تو میں بھی اپنی ان چیٹر دوستوں کی طرح ہر وقت اسی کے خیالوں میں کھوئی یا اسی سے فون پر گپیں ہانکتی پائی جاؤں گی اور پڑھائی میں ان کی طرح دن بدن نالائق اور ڈل ہوتی جاؤں گی، (خیر اتنی بھی ڈل نہیں ہوئی ہیں یہ چلاکو ماسیاں فرسٹ پوزیشن پہ تو ابھی بھی اکیلی نہیں آنے دیتی پہ مجھے نقل کر کے ہمیشہ کوئی نہ کوئی ساتھ چلی ہی آتی ہے فرسٹ پوزیشن پہ میری پوشل (دم پکڑے ہوئے)۔"

(اللہ نہ کرے اگر انہوں نے (زیبا، سمیرا، عائشہ اور انیتا) میری یہ کہانی پڑھ لی تو اس سفید جھوٹ پہ جوتے مار مار کر میری تو گنج کر دیں گی وہ) اینی وے آپ پلیز میرے اس اہم مسئلے کو زیر نظر رکھتے ہوئے بذریعہ لیٹر میری مدد فرمایئے کہ اس صورتحال میں میں کیا کروں؟ Please i need your help اگر میں نے زیادہ دیر کر دی تو ہو سکتا ہے میرے فیصلے کی اہمیت نہ رہے اور وہ میری منگنی دانیال سے ہی کر دیں، آخر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی، ویسے آپ نیوٹرل ہو کر فیصلہ کیجئے گا کیونکہ دانیال فاران اتنا برا بھی نہیں ہے جتنی میں نے اس کی بدخوئیاں کی ہیں۔

☆☆☆

”اور بھائی احمد سناؤ آج کل ہمارے ملک کی سیاسی صورتحال کیا ہے، امتحانات ہو رہے ہیں اسی وجہ سے خبریں نہیں سن سکا، کوئی نئی خبر؟“ اشفاق صاحب نے اپنے دوست احمد سے پوچھا، آج وہ کافی دن بعد ان سے ملنے آئے تھے اشفاق صاحب سکول میں ٹیچر تھے۔

”نئی خبر کیا ہو گی اشفاق وہی کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال اور سیاستدانوں کے جلسے جلوس ہر روز کوئی نہ کوئی نئی تقریر اور ان میں ایک دوسرے پر الزام تراشی سب آگے نکلنے کی دوڑ میں ہیں، عوام کی تو کوئی فکر نہیں کسی کو۔“

”احمد! اس دفعہ ووٹ کس کو دینا ہے؟“ اشفاق صاحب نے اپنا پسندیدہ سوال پوچھا جو وہ آج کل ہر کسی سے پوچھتے تھے۔

”کیسا ووٹ بھائی؟ ہماری کسی کو کوئی فکر ہے جو ہم کسی کو ووٹ دیں ہر کوئی تو اپنا بینک بیلنس بنانے کی فکر میں ہے پھر ہمیں کیا ضرورت کہ ان کو ووٹ دیں اور پانچ سال کے لئے اپنے سر پہ بٹھالیں، کوئی فرض پورا کیا تھا پچھلی حکومت نے؟ نہ پہلے کبھی ووٹ دیا تھا نہ اب دیں گے۔“ احمد صاحب نے اپنی بات پوری کر کے خاموش ہو گئے مگر لاؤنج میں داخل ہوتی تحریم نے اپنے آئیڈیل پاپا کا جواب بے یقینی سے سنا تھا۔

اس کے پاپا نے آج تک ووٹ نہیں دیا یہ بات اسے ہضم نہیں ہوئی تھی اس کے محبِ وطن پاپا اپنے فرض سے اس طرح منہ موڑتے رہے یہ بات اسے بری طرح الجھا رہی تھی لیکن وہ بھی اپنی الجھن سلجھانے پہنچ گئی۔

”پاپا آپ ووٹ نہیں ڈالیں گے بلکہ نہیں یہ کہنا چاہیے کہ آپ ووٹ نہیں ڈالتے، میں نے غلط تو نہیں سنا نہ بولیں پاپا پلیز۔“

”نہیں بیٹا میں نے کبھی ووٹ نہیں ڈالا میرے ووٹ ڈالنے سے کیا ہو گا ہمارے مسائل ختم ہو جائیں گے کیا ہمارے ملک کو بچانے آئے گا کوئی؟ نہیں پھر سے ہمارے ملک میں وہی ہو گا جو اب تک ہوتا آیا ہے وہی مہنگائی، رشوت، دہشت گردی، خون خرابہ وغیرہ۔“

احمد صاحب جانتے تھے کہ تحریم ضد کی پکی ہے جو بات پوچھ لے اس کا جواب لئے بغیر نہیں ہٹتی اس لئے انہوں نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

”پاپا یہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ہمیشہ کہتے تھے کہ سسٹم بدلے گا ہمارے ملک کے حالات ٹھیک ہوں گے آپ تو اپنے ملک کے لئے کچھ کرنا چاہتے تھے آج جب کچھ کرنے کا موقع ملا تو آپ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔“

”تحریم نے کچھ نہیں جانتی ابھی تم چھوٹی ہو تم کیا جانو یہ سب باتیں؟“ احمد صاحب کو تحریم کی باتیں ناگوار گزر رہی تھیں۔

”جانتی ہوں پاپا زیادہ نہیں مگر تھوڑا بہت تو پتا ہے مجھے۔“ اشفاق صاحب، احمد صاحب اور تحریم کا بھائی اسد صرف اسے سننے پر مجبور تھے کیونکہ غلط بات پہ وہ بڑھ چڑھ کر بولتی تھی۔

”اور پاپا آپ ہی کہتے ہیں نا میں اب انیس سال کی ہو گئی ہوں اب تو میرا شناختی کارڈ بھی بن چکا ہے جو ثابت کرتا ہے کہ میں پاکستانی ہوں اس ملک کی شہری۔“

”کون سا پاکستان یہ جو آج کل تم دیکھتی ہو مسلمان ہی ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں دھماکے، چوریاں، رشوتیں، سفارشیں یہ ہے پاکستان ایسے ملک میں رہنے کا کوئی فائدہ ہے بھلا اور کیا دیا ہے اس ملک نے ہمیں بڑی آئی محبِ وطن شہری۔“

اسد کو اس کی جذباتیت کبھی اچھی نہیں لگتی تھی خاص کر کے ملک کے حالات پر اس کی

باتیں یوں بھی وہ آج کل باہر جانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

”آپ نے کیا دیا ہے اس ملک کو، اس ملک نے تو آپ کو MBBS کی ڈگری دی ہے آپ کو مسیحا کے عہدہ پر فائز کیا ہے۔“ تحریم کے برجستہ جواب پہ اسد کی زبان بھی گنگ ہو گئی تھی۔

”اور پاپا آپ تو ہمیشہ مجھے کہتے تھے کہ کبھی ناامید نہ ہونا ایک دن ہمارے ملک کے حالات ضرور بدلیں گے امید پہ دنیا قائم ہے، امید زندگی کی روح ہے یہی کہا تھا نہ آپ نے پھر آپ خود کیوں ناامید ہو گئے؟“

احمد صاحب بس چپ چاپ تحریم کو نان اسٹاپ بولتے دیکھ رہے تھے انہیں ان باتوں سے اتفاق بھی تھا اور اختلاف بھی۔

”یاد ہے پاپا جب ہم میچ دیکھتے تھے تو آپ کہتے تھے ایک آخری بال میچ کا رخ بدل سکتی ہے کھلاڑی چوکا یا چھکا بھی لگا سکتا ہے، آؤٹ بھی ہو سکتا ہے بال فری ہٹ بھی ہو سکتا ہے اور نو بال بھی جیت کے چانسز تو آخری گیند تک ہوتے ہیں کھلاڑی بھی تو آخری گیند تک کھیلتے ہیں چاہے انہیں، پہلے ہار کا علم ہو جائے پاپا آپ نے ہی کہا تھا کہ آخری گیند تک ناامید نہ ہونا آخری گیند میں کچھ بھی ہو سکتا ہے پھر جب آپ کو ووٹ کی صورت میں گیند مل رہی ہے تو ہم کیوں چوکا یا چھکا نہیں لگا سکتے کیوں فری ہٹ کے ذریعے خود کوئی شخص منتخب کر سکتے۔“

”تحریم یہ آج تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیسی باتیں کر رہی ہو، چلو فرض کیا ہم ووٹ ڈالتے ہیں مگر کیا گارنٹی کہ آنے والی حکومت اپنا فرض پورا کرے گی عوام کو سکون ملے گا ہمارے ملک میں امن ہو گا کوئی ہے ایسا جو اپنا فرض پورا کرنے کی سکت رکھتا ہو۔“ احمد صاحب کو بھی اب غصہ آنے لگا تھا، تحریم اشفاق صاحب کے سامنے ان کی سوچ پر سوال اٹھا رہی تھی۔

”کیا فرض پاپا، کس فرض کی بات کر رہے ہیں آپ؟ کیا آپ نے ووٹ دے کر اپنا فرض پورا کیا، کیا ووٹ ڈال کر ملک کے مستقبل کا فیصلہ کرنا ہمارا فرض نہیں ہے؟ اس بات کو چھوڑیں جب پانچ سال پہلے الیکشن ہوئے تھے تو ہمارے گھر میں ووٹ ڈالنے والے پانچ لوگ تھے، آپ مما، اسد بھائی، فاحد بھائی اور فاطمہ آپی مگر ہمارے گھر سے ایک بھی ووٹ نہیں ڈالا گیا آپ نے خود اپنا فرض پورا نہیں کیا تو کیوں امید لگائے بیٹھے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی اپنا فرض پورا کریں گے آپ کو ایک واقعہ سناؤں۔“

”ایک دفعہ ایک بادشاہ نے اپنی عوام سے کہا کہ فلاں تالاب میں سب لوگوں نے ایک ایک بالٹی پانی ڈالنا ہے تاکہ تالاب میں پانی جمع ہو جائے لیکن جب صبح بادشاہ تالاب پہ پہنچا تو تالاب خالی تھا وہاں پانی کے آثار بھی نہیں تھے کسی نے بھی پانی نہیں ڈالا تھا جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ ہر ایک نے یہی سوچا کہ باقی تمام لوگ تو پانی ڈالیں گے صرف اس کے پانی نہ ڈالنے سے کوئی فرق تھوڑی پڑے گا سب نے ایک دوسرے کے آسرے پر فرض پورا نہ کیا اسی وجہ سے تالاب سوکھا رہ گیا اگر ہر کوئی ایک بالٹی پانی کو اپنا فرض سمجھ کر پورا کرتا تو تالاب پانی سے بھرا ہوتا، پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عوام کو سکون نہ ملے گا، مہنگائی کم نہ ہو گی ہو گی ضرور ہو گی جب ہم ووٹ ڈال کر صحیح بندے کا انتخاب کریں گے اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کریں گے تب ہی ہمارے ملک کا مستقبل بدلے گا۔“

”بس کرو کب سے تقریر کیے جا رہی ہو کیا ہم یہ باتیں نہیں جانتے۔“ اس کو تحریم کی باتوں

بے غصہ آ گیا تھا جو مہمان کی موجودگی میں پٹر پٹر بولے چلی جا رہی تھی۔

''لیں بھائی آپ جانتے ہیں لیکن جان کر انجان بن رہے ہیں آپ بھی دیگر نوجوان نسل کی طرح پیسے کو اہمیت دیتے ہیں، معاف کیجئے گا بھائی جن ممالک میں ہمارے پاکستانی پیسہ کمانے جاتے ہیں مرنے کے بعد وہی ملک دو گز زمین بھی نہیں دیتے ان کی قبر کے لئے میں یہ نہیں کہہ رہی کہ باہر جا کر آپ کو ترقی کا حق حاصل نہیں؟ ہے بالکل ہے مگر جب آپ کو اس ملک نے تعلیم دی ہے تو آپ کو اس ملک کے بیمار لوگوں کی خدمت کرنا ہی آپ کا فرض ہے جانتے ہیں بھائی جب کوئی چیز ہمارے پاس ہوتی ہے نا تو ہمیں اس کی قدر نہیں ہوتی لیکن جب وہی چیز ہم سے دور ہو جائے تو ہمیں اس کی اہمیت کا اندازہ تب ہی ہوتا ہے اسی طرح ہمیں اپنے ملک کی قدر نہیں لیکن اس ملک کی اہمیت وہی جانتے ہیں جو اس ملک سے دور رہتے ہیں جو اس ملک کی آزاد فضاؤں میں سانس نہیں لے سکتے، جو اپنے دوستوں، رشتہ داروں اپنے اپنوں سے دور ہیں وہ جانتے ہیں اس انمول ملک کی اہمیت۔''

تحریم ایک جذب کے عالم میں بول رہی تھی اور اسد کو بھی ان باتوں کی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا۔

''لیکن یہ تو مانتی ہو نا کہ اس دور میں بے غرض لوگ ملنا مشکل ہے پھر ہم ووٹ کے لئے صحیح بندے کا انتخاب بھی کیسے کریں؟''

''مانتی ہوں پاپا لیکن ابھی تک اتنے مسائل کے بعد ہمارا ملک قائم و دائم ہے تو یقیناً اللہ کی رحمت سے اور اس کے چند نیک لوگوں کی وجہ سے آپ نے ہی کہا تھا کہ کوئی آدمی پرفیکٹ نہیں ہوتا کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے تو ہم تمام سیاستدانوں کو غلط نہیں کہہ سکتے وہ غلط ہو سکتے ہیں مگر وہ بھی انسان ہیں پرفیکٹ وہ بھی نہیں خامیاں اور خوبیاں دونوں ہیں ان میں کچھ لوگ خوبیوں کی وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں کچھ خامیوں کی وجہ سے تو اب ہم ان کا انتخاب کیسے کر سکتے ہیں وہ ایسے کہ صرف غور کرنے کی ضرورت ہے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خاص خوبی ہوتی ہے ہمیں صرف تھوڑا سا غور کرنا پڑے گا مجھے یقین ہے کہ کسی نہ کسی میں وہ خوبی ضرور ہو گی ہم ان کی غلطیوں کو پرے رکھ کر ان کا تجزیہ کرتے ہوئے صحیح بندے کا انتخاب کر سکتے ہیں اللہ سے دعا کر سکتے ہیں کہ وہ آنے والی حکومت کو ہمارے ملک کے لئے اور عوام کے لئے باعث راحت ہو اور ویسے بھی کوئی شخص مکمل طور پر برا نہیں ہوتا اور میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اقتدار تب ہی دیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوں یا تب جب اس انسان کی آزمائش چاہتا ہو۔'' تحریم کا جواب سن کر احمد صاحب ہلکے پھلکے ہو گئے تھے جس سوال کا جواب وہ آج تک نہیں ڈھونڈ سکے تھے ان کی بیٹی نے اس سوال کا جواب انہیں دے دیا تھا۔

''انشا اللہ ہم بھی اس بار اور اس سے آئندہ سالوں میں ضرور ووٹ ڈال کر اپنا فرض ادا کریں گے کیونکہ، ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا خوب جواب دینا ہے ہم اپنا فرض ادا کرے اللہ کے سامنے ضرور سرخرو ہوں گے باقی ہر کسی کے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں۔''

''سچ پاپا آپ نے بالکل ٹھیک کہا میں نے بھی ووٹ ضرور دوں گا اور صحیح بندے کا انتخاب کروں گا باقی اللہ کی مرضی اور انشا اللہ میں اس ملک کے لوگوں کی خدمت ضرور کروں گا اس ملک نے ہی مجھے اس مقام پر کھڑا کیا ہے تو اپنے ملک کے لوگوں کی خدمت ہی میرا اصل فرض ہے۔''

''مجھے خوشی ہے تحریم تم نے مجھے سیدھی راہ دکھائی واقعی اگر ہم خود صرف اپنے تمام فرائض ادا کریں چاہے وہ ووٹ ڈالنے کا ہو، اپنی لوگوں کی خدمت ہو یا اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں کا تو ہم ضرور ترقی کر سکتے ہیں کیونکہ تبدیلی اپنے اندر سے شروع کی جاتی ہے تھینک یو سوچ مائی ڈیئر سسٹر۔'' اس نے خوشی سے کہتے ہوئے تحریم کو گلے لگا لیا۔

''بالکل بیٹا آپ نے سچ کہا تبدیلی اپنے اندر سے شروع کی جا سکتی ہے، تحریم بیٹا میں تو آپ کی باتوں سے بہت امپریس ہوں جیتی رہو بیٹا تم جیسے نوجوان ہی اس ملک کا سرمایہ ہیں ویسے یہ تمام باتیں تمہیں کس نے بتائی ہیں۔'' اشفاق صاحب پوری گفتگو میں صرف اب بولے تھے۔

''انکل یہ سب ہمیشہ سے میرے دماغ میں تھیں لیکن ان کو الفاظ میری ٹیچر نے دیے ہیں میری ٹیچر نے ہی مجھے کیا ساری کلاس کو ہمیشہ اچھی باتیں بتائی ہیں آئی لو مائی ٹیچر۔''

''بالکل ٹھیک بیٹا استاد ہی ملک کا مستقبل سنوارنے میں مددگار ہیں اور مجھے فخر ہے کہ میری بیٹی نے اپنے استاد کی باتوں کو سمجھا اور ہم سب کو اپنے خیالات سے مستفید کیا ہمیں سیدھی راہ دکھائی کبھی کبھی چھوٹے بچے بھی صحیح فیصلہ کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔'' احمد صاحب نے پیار سے بیٹی کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''پاپا چلیں نا مجھے اپنا ووٹ رجسٹرڈ کروانا ہے کل ووٹنگ رجسٹریشن کی آخری تاریخ ہے اگر میرا ووٹ رجسٹرڈ نہ ہوا تو میں اپنا فرض کیسے ادا کروں گی۔'' تحریم کو نئی پریشانی نے آن گھیرا۔

''چلو میں تمہیں لے چلتا ہوں واپسی پہ آئسکریم کھلاؤں گا اتنی اچھی باتیں ہم سے شیئر کرنے پر ٹریٹ ملنی چاہیے۔'' اسد نے بہن کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''یا ہو آپ بائیک نکالیں میں آئی ڈی کارڈ لاتی۔'' تحریم چھلانگیں لگاتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی۔

☆☆☆

میری شادی

رافعہ اعجاز

بیٹا برسر روزگار ہو تو مائیں سب سے پہلے بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کا سوچتی ہیں جی ہاں ہر ماں کا یہی خیال ہوتا ہے کہ اب بیٹے کی شادی ہو جانی چاہیے میری ماں کا بھی یہی خیال ہے، یہی وجہ ہے کہ آنگن میں ایک سگھڑ اور معصوم سی بہو لانے کی سرتوڑ کوشش کی جا رہی ہے، اس سلسلے میں بہت سے رشتے آتے اور صرف آتے، ارے نہیں نہیں آپ غلط سمجھے ایسا نہیں کہ میں بدصورت ہوں یا مجھ میں کوئی کمی ہے، جس کی وجہ سے رشتے آتے ہیں اور صرف آتے ہی بات آگے نہیں بڑھ سکتی، اللہ تعالٰی نے بہت اچھی شکل صورت دی ہے، مردانہ وجاہت، قد کاٹھ، اچھی پوسٹ کوئی اخلاقی برائی بھی نہیں وہ سب کچھ ہے جس کی وجہ سے کسی لڑکی کے ماں باپ بیٹی کا رشتہ دیے تو۔

بخوشی اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کو تیار ہو جائیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ میرے گھر والوں کو ہی ایسی لڑکی نہیں مل رہی جو میرے ساتھ کھڑی اچھی لگے، امی کو چاند سی بہو چاہیے، ایسی بہو چاہیے جس کے چہرے پر نور چمکتا ہو جو اس عالیشان گھر میں چلتی پھرتی بھی اچھی لگے جس کے وجود سے گھر میں روشنی ہو اب کوئی میرے گھر والوں کو سمجھاتے کہ مجھے ایک بیوی چاہیے کوئی ایئر جنسی لائٹ یا پھر ماڈل نہیں، جو گھر میں چلتی پھرتی اچھی لگے اور جس کے دم سے روشنی ہو، لیکن میری ماں اور بہنوں کو کون سمجھائے۔

''کون کہتا ہے کہ صرف لڑکیوں کو رشتوں کے لئے کیٹ واک کرنی پڑتی ہے جو بھی کہتا ہے غلط کہتا ہے، لڑکے بچارے بھی اس مشکل سے دو چار ہوتے ہیں میں نے تو گھر میں صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ میں اب کسی رشتے والوں کے سامنے نہیں جاؤں گا، چاہے ایئر جنسی لائٹ لائیں یا چیری بلاسم کی بہن میرا وقت بھی قیمتی ہے، آفس سے واپسی پر پہلے حاضری ڈرائنگ روم میں بیٹھے مہمانوں کو دو اور مہمان بھی ایسے جو سر کے بال سے لے کر جوتے کی نوک تک ایک ہی نظر میں تفصیلی جائزہ لے ڈالیں اور اٹھ کر جانے لگو تو لڑکا پاس بیٹھا ہی نہیں بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔''

☆☆☆

آج طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، طبیعت خراب تھی یا کام کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا پتا نہیں کہا تھا، مختصر یہ کہ آج میں نے آفس سے چھٹی کی تھی جی بھر کر نیند پوری کی، دن کے ساڑھے گیارہ بجے ناشتہ معمول سے ہٹ کر ہی ہوتا ہے، فریش ہو کر نیچے آیا تو کچن سے برتن دھلنے کی آواز آ رہی تھی۔

''ناشتہ لاؤ۔'' میں شکور سے کہتا ہوا ڈائننگ ٹیبل کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا امی گھر پر نہیں تھیں۔

''صاحب جی ناشتہ۔'' شکور کس بوتل کے جن کی طرح فوراً سے ناشتہ لے کر آ گیا تھا، میں شکور کی کوئیک سروس کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا تھا ناشتہ کرنے کے بعد میں لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور چینل سرچنگ کرنے لگا۔

''امی لڑکی تو کمال کی تھی۔''

''وہ تھی تو کمال کی لیکن بول ایسے رہی تھی جیسے ہم پر احسان کر رہی ہو۔'' امی اور بہن کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''اٹھ گئے تم۔'' امی مجھے دیکھ کر مجھ سے بولیں۔

''جی امی!'' میں صوفے پر نیم دراز نیوز چینل پر چلنے والا ٹاک شو دیکھ رہا تھا امی اور بہن کے آنے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”ناشتہ کرلیا؟“

”جی کرلیا۔“

”بھائی آج تم گھر ہونا؟“ میری بہن کا کیا گیا سوال میری توقع کے عین مطابق تھا۔

”نہیں آج تو مجھے اپنے ایک دوست کے ہاں جانا ہے۔“ اتنے مختصر وقت میں مجھے یہی ایک بہانہ سوجھا تھا سو میں نے بڑی صفائی سے جھوٹ بول دیا۔

”پانی...... پانی۔“ بوا خالہ ہانپتی کانپتی اندر داخل ہوئیں، آج کل بوا خالہ اکثر و بیشتر ہمارے ہاں ہی پائی جاتی تھیں، یہ کنواری بوا دوسروں کے رشتے کروانے میں ماہر تھیں۔

”اتنی صبح صبح۔“ میں بیزاری سے بڑبڑایا۔

”برخوردار صبح نہیں بارہ بجنے والے ہیں۔“ میں بولا تو آہستہ سے تھا لیکن رشتہ کروانے والی عورتوں کے کان بڑے لمبے ہوتے ہیں یہ مجھے آج پتہ چلا تھا۔

”اچھا ہوا تم آج مل گئے۔“ بوا خالہ نے شکور کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے کہا اور پانی غٹا غٹ پی گئیں، مجھے بوا خالہ کے اس انداز سے پانی پینے پر کوفت ہونے لگی تو دھیان بٹانے کے لئے چینل تبدیل کرنے لگا۔

”ایک نیا رشتہ لائی ہوں، لڑکی بڑی شکل و صورت والی ہے سگھڑ بھی ہے تم مل لینا۔“

”میں نہیں ملنے والا کسی سے۔“ مجھے غصہ آ گیا جب دیکھو ایک ہی بات مجھے وہاں سے واک آؤٹ کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ملا تھا۔

”پھر نہ کہنا کالی ہے موٹی ہے۔“ بہن پیچھے سے بولی۔

”نہیں کہوں گا۔“ میں نے رک کر جواب دیا اور پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

”بوا آپ اسے چھوڑیں صائمہ اور فائزہ آ جائیں تو لڑکی دیکھ آتے ہیں۔“ شیری اٹھ گیا۔

ملازمہ دو سالہ شیری کو اٹھا کر لائی تو سعدیہ اسے چپ کروانے لگی، کاش میں نے کالج یونیورسٹی لائف میں ہی محبت کر لی ہوتی کوشش تو بہت کی لیکن محبت ہوئی ہی نہیں، یونیورسٹی میں میرے ارد گرد بہت سے کپل تھے، انہیں بھی محبت تھی کاش مجھے بھی کسی سے محبت ہو جاتی کوئی لڑکی میرے دل کو بھی اچھی لگ جاتی تو میں اس ذلالت سے تو بچ جاتا مگر افسوس میری لو میرج کا خواب خواب ہی رہا، اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، بیڈ پر سیدھا لیٹا ہاتھوں کا تکیہ بنائے ہوئے میں یہی سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

”یس۔“ دروازے پر دستک ہوئی تو میں یونہی فائل پر نظر جمائے بولا۔

”مصروف ہو؟“ امی سامنے کرسی پر بیٹھتے ہو بولیں۔

”جی بس تھوڑا سا کام تھا۔“

”بیٹا ہمیں ایک لڑکی بہت پسند آئی ہے بہت سگھڑ ہے ماسٹرز کیا ہے شکل صورت بھی بہت اچھی ہے، خاندان بھی اچھا ہے ہمیں تو یہ رشتہ بہت پسند ہے اگر تم مل لو تو؟“ میں جو امی کی بات بڑے غور سے سن رہا تھا آخری بات پر پھر سے فائل میں نظریں گمانے لگا۔

”اگر آپ کو رشتہ پسند آ گیا ہے تو یقیناً اچھا ہی ہو گا۔“

”اہمیت تمہاری پسند ہے، زندگی تم نے گزارنی ہے اگر تم مل لو تو......“ میں ان دنوں بہت مصروف ہوں بالکل بھی ٹائم نہیں ہے۔“ میں نے امی کی بات نے جواب نہیں دیا۔

”میں واقعی ہی بہت مصروف تھا لیکن اتنا بھی مصروف نہیں تھا جتنا مصروف بننے کی کوشش

کر رہا تھا۔“

”اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو بتا دو۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”پھر بعد میں ہمیں نہ کہنا۔“

”نہیں کہوں گا۔“

”ماموں!“ بچوں کی فوج نے یکدم میرے کمرے پر ہلہ بول دیا تھا۔

”کیسے ہو جگر۔“ میں نے فائل ایک سائیڈ پر رکھ دی اور منجھلے بھانجے کو گود میں بٹھاتے ہوئے بڑے بھانجے سے بولا۔

”آئی ایم او کے سر!“

اسے آرمی میں جانے کا بہت شوق تھا سو اسی انداز میں بولا۔

”ماموں میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔“ یہ چھوٹی انعم تھی۔

”او میری گڑیا تو بہت ہی اچھی ہے۔“ میں نے اس کا منہ چوم لیا اور اسے بھی گود میں بٹھا لیا، اس کی معصومیت پر مجھے بے حد پیار آیا تھا۔

”تو پھر اچھی گڑیا کے لئے چاکلیٹس۔“

”اور ٹائیگر کے لئے آئس کریم۔“

یہ میرے ہی دیئے ہوئے القاب تھے۔

”ٹائیگر آئس کریم کب سے کھانے لگا؟“

”ٹائیگر ماڈرن ہو گیا ہے۔“

”بہت شرارتی ہو گئے ہو۔“ میں بچوں کو انگلی سے پکڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا کیونکہ ان کے سامنے میرا کوئی بھی بہانہ کام کرنے والا نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے لڑکی سے نہ سہی لڑکی کے گھر والوں سے ضرور ملنا ہے۔“ امی میرے پیچھے آتے ہوئے بولیں۔

”لیکن امی!“

”لیکن ویکن کچھ نہیں بس ملنا ہے تو ملنا ہے۔“ انداز حتمی تھا سو مجھے بھی ہار ماننا پڑی۔

”اور اگر لڑکی سے نہیں ملنا تو اپنی کوئی تصویر دے دینا۔“

”جی امی!“

”ماموں جلدی چلیں نا آئس کریم کھانی ہے۔“ علی میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے بول پڑا تو میں باہر کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں میری بہن جو رشتہ طے ہونے تک ایک دو دن بعد چکر لگاتی تھیں تاریخ فائنل ہونے کے بعد یہی آ گئی تھیں کہنے کو تو گھر میں تین بچے تھے لیکن میرے نزدیک پوری فوج کے برابر تھے، لیکن ایک بات تو ہے ان کے آ جانے سے گھر میں کافی رونق ہو گئی تھی، ورنہ میں صبح کا گیا شام کو گھر لوٹتا اور امی سارا دن اکیلی رہتی، میری شادی کے بعد امی کا یہ مسئلہ تو حل ہونے والا تھا، لیکن میرے مسائل کوئی نہیں جانتا تھا، لو نہیں ہوا تو چلو لو میرج نہ سہی، لیکن رسم کے نام پر منگنی بھی نہیں ہوئی میری، رشتہ اور ڈائریکٹ شادی، دل کو بھی حسرت ہی رہی تھی۔

میری گاڑی کی چابیاں نہیں مل رہی تھیں، چابیاں ڈھونڈنے کے لئے کمرے کی تلاشی لے رہا تھا جب ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں پڑے اپنے فوٹو البم پر نظر پڑی تو امی کی بات یاد آ گئی، چابی کی تلاش چھوڑ کر البم کھول کر بیٹھ گیا، ساری تصویریں ہی بہت اچھی تھیں مجھے اپنی وہ تصویر مل ہی گئی جو مجھے سب سے اچھی لگتی تھی یہ تصویر میں نے ناران کی سیر کے دوران گھوڑے پر بیٹھ کر بنوائی تھی، یہ وہ تصویر تھی جو مجھے بھی اچھی لگتی تھی اور دوستوں نے بھی دل کھول کر تعریف کی تھی۔

اب ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی تعریف ہو

سراہے جانے کی خواہش ہر انسان میں فطری ہے میں البم سے تصویر نکال کر دیکھ رہا تھا، ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"لیں۔" دروازے پر دستک ہوئی تو میں یونہی بیٹھے بیٹھے بولا۔

"بھائی مجھے اپنی تصویر......" میرے ہاتھ میں تصویر دیکھ کر میری بہن کی بات ادھوری رہ گئی۔

"مجھے اپنی تصویر دے دو۔" اس کے کہنے پر میں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تصویر اس کی طرف بڑھا دی جسے اس نے معنی خیز مسکراہٹ سے تھام لیا تھا، جسے میں سمجھ بھی گیا تھا اور شرمندہ بھی ہوا تھا۔

"میری گاڑی کی چابیاں۔" میں اپنی کنفیوژن پر قابو پاتے ہوئے بولا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے گاڑی کی چابیاں دکھائیں جو سائیڈ ٹیبل پر پڑیں تھیں میں کچھ اور شرمندہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

نیند نہیں آ رہی تھی، سو ٹی وی آن کر لیا، چینل سرچنگ کرتے ہوئے ہاتھ ایک نجی چینل پر رک گیا جہاں شادی کا کوئی ڈرامہ چل رہا تا، میرا دھیان بھی آج کل شادی کی طرف ہی تھا، اخبار میں شادی کے مطلق کوئی کالم دیکھا تو اسے پڑھنے لگا، غیر شعوری طور پر میرا دھیان اسی طرف تھا۔

"پری لے کر آؤں گی، یہ کہا تھا آپ نے۔" دولہے کو اپنی دلہن پسند نہیں آئی تھی جبھی ماں سے خفا ہو رہا تھا، ایک طرف کونے میں روتی ہوئی سانولے سے رنگ کی دلہن کھڑی تھی جسے میک اپ بھی خوبصورت بنانے میں ناکام رہا تھا، دلہن کا قد بھی چھوٹا تھا۔

"لیکن بیٹا میری بات تو سنو۔" ماں تھکے ہارے انداز میں بولی تھی۔

"کیا سنو میں اسے ابھی اسی وقت۔" میں نے ٹی وی بند کر دیا اعصاب یکدم تھک سے گئے تھے، میں حسن پرست ہرگز نہیں ہوں لیکن خوبصورت بیوی تو ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے اور پھر مجھے اپنی اچھی شکل و صورت کا بھی بخوبی اندازہ تھا کتاب کھول کر پڑھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا، کتاب کو بے بسی کے ساتھ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا گھڑی رات کے ساڑھے بارہ بجا رہی تھی، میں نے اپنے دوست کا نمبر ڈائل کیا۔

"ابھی تک سوئے نہیں۔" دوست کی سوئی سوئی سی آواز آئی۔

"نہیں نیند نہیں آ رہی۔"

"ہاں تمہیں اب کہاں نیند آنے والی ہے۔" وہ نیند میں بھی مذاق کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"تم سمجھ نہیں رہے۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں میری شادی ہو چکی ہے۔"

"نہیں تم پھر بھی نہیں سمجھ رہے۔"

"کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے۔" اس نے لہجے میں پریشانی محسوس کر لی تھی جبھی سنجیدگی سے بولا۔

"یار وہ کیسی ہو گی۔"

"دیکھا میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا تمہیں نیند کیوں نہیں آ رہی۔"

"بکواس نہیں میں سیریس ہوں۔"

"ویسے تو اکثر دیکھا گیا ہے خوبصورت لڑکوں کو بیویاں بدصورت ہی ملتی ہیں لیکن تم فکر نہ کرو آنٹی تمہارے لئے ایسی ویسی لڑکی نہیں لائیں گی اور تم کیوں......" وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن میں نے ہی فون بند کر دیا، اب نیند آنا اور بھی مشکل لگ رہا تھا۔

☆☆☆

"ہیلو۔" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میں نے فون اٹھایا۔

"ہیلو حمزہ کہاں ہو؟" بہن کی آواز سنائی دی۔

"گھر جا رہا ہوں۔"

"تو پھر مجھے اپنے سسرال سے پک کر لینا۔"

"میں؟"

"تو اور کون۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔" میں کچھ سوچ کر بولا۔

چلو شاید اسی بہانے میں اسے دیکھ لوں، مجھے ہی مشرقی لڑکا بننے کا شوق آیا تھا اب جو موقع ملا تھا تو میں اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا میں نے گاڑی مڑی اور پھر ان کے گیٹ کے سامنے ہارن دیا تو چوکیدار کے دروازے سے پہلے ہی میری بہن اپنی بیٹی کے ساتھ باہر نکل آئی اور میں مایوس ہو گیا۔

"تمہاری تصویر سب کو بہت پسند آئی۔" وہ فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے بولی۔

"جانتا ہوں۔" یہ میں دل میں ہی سوچ سکا تھا، دل روک رہا تھا گاڑی روک لو واپس چلو اور ایک نظر اسے دیکھ لو لیکن دماغ بلکہ ناک مجھے یہ سب کرنے سے روک رہی تھی، ناک اس لئے کہا کہ میں نے پہلے خود ہی ملنے سے انکار کر دیا تھا، شادی سے پہلے ایک نظر دیکھنے کی اجازت تو اسلام بھی دیتا ہے، دل سو دلیلیں دے رہا تھا، جب ایک بار ملنے سے انکار کر دیا تو بھی سوچ وچار کس لئے "میں نے خود کو جھڑکا"

"یہاں گاڑی روکو میں ایک منٹ میں آئی ڈزائنر کو کپڑوں کے بارے میں کچھ بتانا ہے۔" بہن کے کہنے پر گاڑی بلڈنگ کے پارکنگ ایریا میں پارک کی تو بہن گاڑی سے اتر گئی۔

"گڑیا مامی کیسی ہے؟" میں نے بھانجی سے پوچھا۔

"کون مامی؟" جواب بالکل غیر متوقع تھا۔

"مامی...... دلہن......" میں اسے یاد دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو دلہن بولیں نا۔" گڑیا کے کہنے کا انداز ایسا تھا جیسے میں نے ہی کچھ غلط کہہ دیا ہو۔

"ماموں دلہن اچھی نہیں ہے۔" گڑیا کا انداز مایوسانہ تھا مجھ سے بھی زیادہ۔

"کیوں دلہن اچھی کیوں نہیں ہے۔" میں نے گڑیا کو پچکارتے ہوئے پوچھا۔

"ماموں ان کے سارے منہ پر کچھ کالا کالا لگا ہوا تھا۔"

"کالا کالا؟"

"جی ماموں ان کے سارے منہ پر کالا کالا لگا ہوا تھا اور بہت برا لگ رہا تھا۔" میرے پوچھنے پر گڑیا بہت جوشیلے انداز میں بتا رہی تھی، وہ بتا رہی تھی اور میرا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

"منہ پر چھائیاں ہوں گی۔" میں آج کل بہت قنوطی ہو گیا تھا۔

"زیادہ دیر تو نہیں لگی۔" میری بہن جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں دو تین شاپر تھے، جو اس نے پچھلی سیٹ پر رکھے اور گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔

"خدا کا شکر تھا وہ واپس آ گئی تھوڑی دیر اور نہ آتی تو میرا پتہ نہیں کیا ہوتا۔" دل تو میرا اب بھی ڈوب رہا تھا۔

"ان کے منہ پر کچھ کالا کالا لگا ہوا تھا۔"

"خوبصورت مردوں کو بیویاں اکثر بد

صورت ملتی ہیں۔'' کاش میں اس وقت زیادہ نخرے نہ دکھاتا اور مل لیتا اب افسوس ہو رہا تھا بلکہ افسوس سے زیادہ پچھتاوا۔

''اس کے منہ پر یقیناً Pinples بھی ہوں گے۔'' سارا راستہ میرا سوچوں میں ہی گزرا تھا۔

''حمزہ گھر پیچھے رہ گیا ہے۔'' بہن کے بولنے پر میں واپس حقیقت کی دنیا میں آ گیا۔

''او، میں نے غائب دماغی میں ڈرائیونگ کی اگر کچھ ہو جاتا تو۔'' میں نے خود کو ڈانٹتے ہوئے گاڑی ریورس کی۔

☆☆☆

مجھے سمجھ نہوں آ رہا میں اتنا حسن پرست کیوں ہو گیا ہوں، حالانکہ میں ایسا پہلے کبھی نہیں تھا، اگر حسن پرست ہوتا تو میری شکل وصورت ایسی تھی کہ ہر خوبصورت لڑکی کے ساتھ میرا افیئر ہوتا اور وہ بہت آسانی سے میری باتوں میں آ بھی جاتی پھر پتہ نہیں کیوں اب بلکہ آج کل میں ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھنے لگا تھا اور بدصورت سے نفرت کرنے لگا تھا، ہر کسی کو اپنے لئے پرکھنے لگا تھا، یہ بھی جانتا تھا کہ غلط کر رہا ہوں، لیکن پھر بھی میں خود کو روکنے میں بے بس محسوس کرتا تھا، جب میرے دوستوں کی شادیاں ہونے والی تھیں تو وہ بہت خوش ہوا کرتے تھے بات ہنسنے والی نہ بھی ہوتی تو ان کی ہنسی چھوٹ جاتی اور میں ان پر ہنستا اور وہ مجھے کہتے جب تمہاری شادی ہو گی تو پتہ چلے گا، لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا آج کل تو مجھے ہنسنے والی بات پر بھی ہنسی نہیں آ رہی تھی اگر اسے ایک نظر دیکھا ہوتا تو کچھ جذبات ہی اُمڈ آتے لیکن ایسا بھی کچھ نہیں تھا گھر میں شادی کا شور شرابا شروع ہو چکا تھا، آج جب میں گھر میں داخل ہوا تو کچھ لوگ ٹرک سے سامان نکال کر اندر لے جا رہے تھے، فل سائز ریفریجریٹر چار آدمیوں نے اندر لا کر رکھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''جہیز کا سامان ہے۔'' جواب میں چھوٹی بہن کی طرف سے آیا تھا۔

''یہاں نہ رکھو وہاں رکھ دو۔'' میری موجودگی سے بے خبر ہو کر وہ ملازموں کو صوفہ صحیح جگہ رکھنے کا کہہ رہی تھی، سامان بہت قیمتی لگ رہا تھا اور زیادہ بھی۔

''حمزہ اچھا ہوا تم آ گئے۔'' امی کچن سے برآمد ہوئیں۔

''جاؤ ذرا مارکیٹ سے یہ سامان لا دو شکور کچن میں مصروف ہے۔'' مجھے سامان کی ایک لمبی لسٹ تھما کر مارکیٹ بھیج دیا گیا۔

امیر ماں باپ اپنی بیٹوں کے عیب جہیز میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، اس رات ڈرامے کا ڈائیلاگ میرے ذہن میں گھومنے لگا، سامان خرید کر واپس آ رہا تھا کہ راستے میں دوست کی کال آ گئی اور میں سامان گیٹ پر چوکیدار کو دے کر باہر سے ہی چلا گیا۔

جب رات کو گھر لوٹا تو بیڈروم کی حالت ہی بدلی ہوئی تھی پرانے فرنیچر کی جگہ جہیز کا نیا فرنیچر تھا سب کچھ بدلا بدلا سا تھا میں نے بہت سوچا تھا اور ایک فیصلہ کیا تھا کہ مجھے یہ اپنی شادی نہیں کرنی، اگر اس میں کوئی کمی ہے تو اس میں اس کا کیا قصور بعد میں اس کی زندگی عذاب کرنے سے بہتر تھا کہ میں اس کی زندگی میں ہی نہ آؤں، اس کے بھی کچھ جذبات احساسات ہوں گے مجھے لگا کہ میں اسے نہیں رکھ سکوں گا کیونکہ میں خود خوش نہیں تھا، ذہنی طور پر پرسکون نہیں تھا، امی سے بات کرنے کا سوچتے ہوئے میں کمرے سے باہر نکل گیا۔

''آ جاؤ۔'' دروازہ ناک کیا تو امی جو کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھیں کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر بولیں اور میں تھوک نگلتا ہوا اندر آ گیا۔

''کیا بات ہے پریشان ہو۔'' پہلے تو امی میرے بولنے کا انتظار کرتی رہیں جب میں نہ بولا تو کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے بولیں۔

''امی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

''کرو۔'' وہ مکمل طور پر میری طرف متوجہ تھیں۔

''امی مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔''

''کیا؟'' ردعمل میری توقع کے عین مطابق تھا۔

''جی امی میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے دو دن بعد بارات ہے اور تم کہہ رہے ہو تمہیں شادی نہیں کرنی۔'' امی کا غصہ عروج پر تھا اور جائز بھی تھا

''امی آپ میری بات......''

''میں کوئی اور بات سننا نہیں چاہتی۔'' انہوں نے واپس اپنی بک اٹھا لی تھی جس کا مطلب تھا کہ میں اب جا سکتا ہوں۔

☆☆☆

سات مارچ وہ دن تھا جس کا سب کو بے چینی سے انتظار تھا اور وہ دن بھی آ ہی گیا، دولہا بن کر مجھ پر بہت روپ آیا تھا، بلیک شیروانی میں رنگ کچھ اور کھل گیا تھا، بارات میرج ہال پہنچی تو پھول کے ساتھ بارات کا استقبال کیا گیا تھا، استقبال کے لئے کھڑی جتنی بھی عورتوں اور لڑکوں پر میری نظر پڑی تھی وہ سب میری توقعات کے الٹ تھیں، جیسی میں سمجھ رہا تھا اس سے بالکل مختلف، سب اخلاقی لحاظ سے بہت اچھے تھے اور شکلیں بھی اچھی تھیں، دل کو کچھ تسلی ہوئی لیکن شک ابھی بھی دل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا، کچھ ہی دیر بعد عائشہ جمیل میری زوجیت میں آ گئیں، کھانے میں زبردست مینو یقیناً سب کچھ بہت اچھا تھا لیکن مجھے باقی سب سے نہیں صرف اس ایک بندی سے غرض تھی جو میری زندگی میں داخل ہو چکی تھی، نکاح سے پہلے اور بعد میں دل میں ایک ہی دعا تھی یا اللہ وہ صورت سیرت ہر لحاظ سے بہت اچھی ہو اور میں اس کے بہترین رفیق ثابت ہوں، دو باراتوں کا انتظام بہت اچھے انداز میں کیا گیا تھا، جی ہاں دو باراتیں، دو بہنوں کی شادی تھی اور مجھے اس بات کا علم دوسری بارات کے آنے پر ہوا تھا۔

''ماشاءاللہ جمیل حسین بڑا داما تو لاکھوں میں ایک ہے۔''

''بس بہن دعا کریں اللہ میری بیٹیوں کی قسمت اچھی کرے آمین۔''

میرے سسر صاحب سٹیج سے ذرا فاصلے پر کھڑے اپنی کسی عزیزہ سے باتیں کر رہے تھے اور تعریفیں بھی وصول کر رہے تھے۔

''یا اللہ میری قسمت بھی اچھی کرنا۔'' جب انہوں اپنی بیٹی کو اچھی قسمت کی دعا مانگی تو مجھے لگا مجھے رب سے اپنی اچھی قسمت کی دعا مانگنی چاہیے، کیمرے کی روشنی میں دھڑا دھڑ تصویریں بن رہی تھیں، دوسرا دولہا بھی سٹیج پر موجود تھا۔

''عائشہ کا دولہا تو بہت خاموش طبیعت ہے۔''

''کیوں دولہا بھائی آپ نہیں بولے۔''

''بولنا آتا ہے بس شرما رہے ہیں۔'' دولہن کی دوستیں یقیناً میرا مذاق بنا رہی تھیں لیکن میرا سارا دھیان اس فرد واحد کی طرف تھا جسے دیکھنے کے لئے دل بے چین ہوا جا رہا تھا۔

کالی دال

سعدیہ عابد

''یا اللہ جی پلیز وہ بہت خوبصورت ہو، اگر وہ خوبصورت نہ ہوئی تو مجھے اس کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے یقیناً مجھے اچھا رویہ ہی رکھنا چاہیے آخراس کے بھی کچھ خواب ہوں گے۔''

''ماموں مجھے بھی دولہا بنتا ہے۔'' میرا بھانجا میرے پاس آکر بولاتو سب ہنس دیئے۔

''ماموں چاکلیٹس۔''

''گڑیا ادھر آؤ میں دوں۔'' میری بھانجی نے جب یہاں بھی فرمائشوں کی پوٹلی کھولی تو میری بہن اسے وہاں سے لے کر ہٹ گئی۔

''ماموں دو دلہن آرہی ہیں۔'' علی بھاگتا ہوامیرے پاس آکر بولا۔

''بیٹا آپ کے ماموں کی ایک ہی دلہن ہے۔'' کوئی ذہین عورت بولی تھی، کیمروں کا رخ دوسری جانب ہو گیا جہاں سے دونوں دلہن دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی آرہی تھیں۔

سرخ عروسی لباس میچنگ جیولری اور نفیس میک اپ میں وہ میرے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی، ساتھ پرپل لہنگے میں ملبوس دلہن بھی شکل وصورت کے لحاظ سے اچھی تھی لیکن سرخ عروسی جوڑے میں دلہن کے سامنے اس کا روپ دب سا گیا تھا۔

''یا اللہ جی پلیز سو نفل شکرانے کے پڑھوں گا، غریب لوگوں میں کھانا تقسیم کروں گا دس روزے بھی رکھوں گا اگر وہ ریڈ والی میری ہوئی تو، یا اللہ جی پلیز پلیز ایک نظر دیکھنے کے بعد میں دیکھ نہیں سکا تھا، ارے نہیں نہیں اور کوئی مسئلہ نہیں تھا، مجھ میں ہر مشرقی پن عود آیا تھا، میرے ساتھ کھڑا دوسرا دولہا کس حد تک مشرقی تھا مجھے اندازہ نہیں تھا، میں تو ان چند لمحوں میں خدا سے دعائیں مانگنے میں مصروف تھا۔''

وہ لمحے سرک گئے پھر کیا خدا تو ہے ہی سننے والا اس نے میری دعا بھی سن لی اور سرخ جوڑے میں ملبوس دلہن میرے پہلو میں آکر بیٹھ گئی، کچھ دیر کے لئے تو مجھے یقین ہی نہ آیا کہ میری دعا سنی جا چکی ہے، اب میں بھی اپنی شادی کو انجوائے کرنے لگا تھا، پہلے مجھے دلہن دیکھنے کی جلدی تھی اب مجھے گھر جانے کی جلدی، اللہ اللہ کر کے رخصتی ہوئی، گھر آکر اتنا لمبا فوٹو سیشن شروع ہوا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

فوٹو سیشن ختم ہوا تو میرے دوست مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئے مجھے جتنی جلدی اپنے کمرے میں جانے کی تھی اتنی ہی دیر ہو رہی تھی آخرانہیں لگتا ہے مجھ پر ترس آ ہی گیا اور مجھے اٹھنے کی اجازت دے دی، میں اپنے کمرے کے دروازے کے پاس کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا کہنا ہے ہینڈل گما کر اندر داخل ہوا تو بیڈ روم میں گلابوں کی خوشبوں نے خوش آمدید کہا۔

حسن سجا سنورا ہوتو اور بھی دلکش لگتا ہے میں اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھا تو وہ کچھ سمٹ سی گئی، وہ پلکوں کی جھالر جھکا کے خاموشی سے بیٹھی تھی، میرے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان آگئی تھی۔

''بہت منتوں مرادوں کے بعد تمہیں پایا ہے۔'' میری بولی ہوئی بات یقیناً اسے عجیب لگی تھی تبھی تو نظر اٹھا کر دیکھا میں اسے کیسے سمجھاتا کہ میں نے واقعی ہی اسے منتوں مرادوں کے بعد پایا ہے۔

''امی نے بہو تو لاکھوں میں ایک ڈھونڈی ہے بالکل چاند جیسی۔'' میں عائشہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے انگوٹھی پہناتے ہوئے بولا۔

زندگی یقیناً خوبصورت گزرنے والی تھی، اس کی آنکھوں میں بھی وفا کا عہد تھا، زندگی بھر ساتھ دینے کا عزم اور مستقبل کے کچھ حسین اور معصوم خواب بھی۔

کڑکتی دھوپ میں بناء منزل کا تعین کیے وہ ناک کی سیدھ میں چلا جا رہا تھا، وہ نہ جانے کہاں سے چلا تھا اور نہ جانے کہاں پہنچ گیا تھا، بناء سمت کا تعین کیے چلنے میں یہی دشواری ہوتی ہے کہ لمبی مسافت طے کر لینے کے بعد اور سفر کی صعوبتیں اٹھا لینے کے بعد جان لیوا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ اب بھی تہی دست ہی ہے اور وہ زندگی میں مشکلات اٹھانے کے بعد بھی ٹوٹتا، بکھرتا، ہارتا آیا تھا مگر آج کی شکست ایسی تھی کہ وجود زندہ و قائم تھا، جینے کا احساس اور روح مردہ ہو گئے تھے، وہ چلتا ہی رہتا لیکن کسی پتھر سے بے طرح ٹکرایا، ذہن و دل منتشر تھے ہلکی سی ٹھوکر نے اسے منہ کے بل گرا دیا تھا اور گر تو وہ آج اپنی نظروں سے ہی گیا تھا یہ اور بات تھی کہ زمین سے گرا شخص و چیز تو کبھی اٹھ جاتی ہے، نہیں تو اٹھا لی جاتی ہے لیکن نظروں و مقام سے گرے لوگ کبھی نہیں اٹھ پاتے، وہ اپنے شکستہ وجود کے ساتھ اٹھ گیا تھا، اس کے ماتھے اور ہونٹ سے ہی نہیں گھٹنوں پر سے بھی خون رس رہا تھا، اس نے نظریں اپنے اطراف میں دوڑائیں تھیں، پکی سڑک تھی اور دائیں طرف دکانیں بنی ہوئی تھیں اور بائیں طرف مکانات اور ایک مسجد تھی وہ جس میکانکی انداز و غائب دماغی سے وہاں انجان جگہ تک پہنچا تھا اسی میکانکی انداز میں وہ مسجد کی جانب بڑھ گیا تھا، کوئی طاقت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی، وضو خانہ میں جا کر اس نے وضو کیا اور ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی، اسے وقت کا اندازہ نہ تھا اس نے ظہر کی نماز کے لئے نیت باندھی تھی جبکہ عشاء کی اذان ہوئے بھی تقریباً چار گھنٹے گزر گئے تھے، وہ سجدہ میں گرا تو سر نہیں اٹھا پا رہا تھا، وہ ہچکیوں سے رونے لگا تھا اس کا وجود بری طرح لرز رہا تھا، وہ نماز میں سجدے میں کیا پڑھتے ہیں یکسر بھول گیا تھا، ہچکیوں کے درمیان ''اللہ، اللہ'' پکار رہا تھا۔

مسجد کی بالائی عمارت میں امام صاحب کا گھر بنا ہوا تھا، وہ عشاء کی نماز سے فراغت اور نمازیوں کے جانے کے بعد ایک دفعہ ضرور آ کر دیکھتے تھے کہ کوئی نمازی تو مسجد میں نہیں رہ گیا ہے، نمازیوں کے جانے کے بعد وہ داخلی دروازے کو مقفل کر دیتے تھے اور آج بھی اسی ارادے سے اندرونی دروازے سے مسجد میں داخل ہوئے تھے، رونے کی آواز اور ''اللہ، اللہ'' کی صدائیں وہ فطری طور پر پریشان ہوتے اس تک آئے تھے، کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، کوئی ہلچل نہ پا کر انہوں نے اسے شانوں سے تھام کر سیدھا کرنا چاہا تھا وہ کچھ ان کی کوشش اور کچھ اپنے بل پر سیدھا ہو گیا تھا۔

امام صاحب نے اس شخص کو دیکھا تھا، جس کی عمر لگ بھگ 26,27 برس ہو گی اس کی سفید رنگت گریہ و زاری سے لہو رنگ ہو رہی تھی اور آنکھیں مستقل ساون برسا رہی تھیں انہوں نے مسجد کی امامت اور دیکھ بھال کے دوران ایسے کتنے ہی لوگ دیکھے تھے جو راہ سے بھٹکے ہوئے تھے اور ہر راہ سے بھٹک جانے والے کی آخری منزل یہی مقام ہوتا ہے کہ انسان اپنے اصل اور حقیقت سے ساری زندگی بھاگتا رہتا ہے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے نگاہ سچائی و حق سے چراتا رہتا ہے مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور وہ اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ ایک اور رحمٰن کا بندہ رحمٰن کی بندگی کو تیار ہے، وہ مسکرا کر اس کی دلجوئی کرنے لگے تو وہ ٹوٹا بکھرا شخص ہمدردی و نرمی پا کر تڑپ اٹھا تھا، اس کے ماضی کے اوراق پھڑ پھڑانے لگے تھے اور ان کی ذرا سی نرمی پر جو کھلتے چلے گئے تھے، ایک پرانی داستان نئی طریقے سے دہرانے کو تھی۔

☆☆☆

''مجھے نہیں کھانی یہ بے رنگ دال۔'' وہ نہ صرف چیخا بلکہ اس نے سٹیل کی پلیٹ میں تیرتی پتلی دال کو کینہ توز نگاہوں سے گھورتے ہوئے اٹھا کر پھینک دیا تھا، آسیہ جو اس کے چیخنے پر باورچی خانے سے نکل کر صحن میں آئی تھی، فرش پہ پھیلی دال کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت و دکھ سے پھٹ سی گئی تھیں اور وہ چیل کی طرح بیٹے پر جھپٹی اور اس کی کمر پر بے دریغ مکے برسانے لگی۔

چار سالہ ایمن اور پانچ سالہ امان جو روٹی ہاتھ میں لئے بیٹھے تھے بڑے بھائی کی کاروائی پر حسرت سے زمین پر پھیلی دال کو دیکھ رہے تھے، ماں کو بڑے بھائی کو پیٹتے دیکھ کر ڈر گئے کہ جب جب اس کی پٹائی ہوئی تھی تو وہ بھی ماں کے عتاب کا نشانہ ضرور بنتے تھے۔

''یہ کیا کر دیا ایمان اللہ تو نے؟ یہی ایک پلیٹ دال میں نے کیا کیا جتن کر کے بنائی تھی۔'' آسیہ بیٹے کو پیٹنے کے بعد افسوس سے بولتی باقاعدہ روتی حسرت سے اس دال کو تو کبھی اپنے سامنے کھڑے روٹی ہاتھ میں لئے دونوں بچوں کو دیکھنے لگتی تھی۔

''اماں! ساری زندگی تمہاری جتن کرتے گزر گئی، مگر تم ایک وقت کی روٹی بھی ہمیں نہ کھلا پائیں، یہ روز روز کالی تو پیلی دال کھا کر میں اوب چکا ہوں نہ کیا کر تو ان کالی پیلی دالوں کے لئے جتن۔''

گیارہ سالہ ایمان اللہ روتے روتے بولا تھا اور روٹی کی چنگیر کو لات مارتا جانے کو آگے بڑھا تھا۔

''کم بخت، رزق کی اتنی بے حرمتی، صرف تیری وجہ سے ہم دانے دانے کو محتاج ہو گئے ہیں۔'' آسیہ نے بھاگتے ہوئے بیٹے کی پیٹھ میں دھموکا جڑا تھا۔

''رزق کی بے حرمتی اونہہ ہم تو پیدائشی ہی دانے دانے کو ترسے ہوئے ہیں، کب تیرا اللہ ہم پر مہربان ہوا ہے جو ایسے کہہ ہی ہے۔'' وہ نفرت سے کہتا گھر سے نکل گیا تھا اور وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

ایمان اللہ کافی عرصے سے بدتمیزی کرنے لگا تھا، مگر آج جو اس نے کیا اور کہا وہ دہل گئی تھی، وہ سیدھی سادی عورت جس نے غریب مزدور کے گھر جنم لیا، بچپن سے جوانی تک غربت کی چکی میں پستی رہی، پانچ بہن بھائیوں میں اس کا پہلا نمبر تھا اور ماں کی دیکھا دیکھی اس میں اتنا ایثار آ گیا تھا کہ وہ اپنے حلق کا نوالہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے حلق میں اتار دیتی تھی، جب تک ماں زندہ رہی وہ بھوکی نہ سوئی تھی مگر ماں کے بعد وہ گھر والوں کے لئے ماں کی طرح نہ کھا کر کھانے کا ڈرامہ کرنا سیکھ گئی تھی۔

اسے بچپن سے ہی پڑھنے کا استانی بننے کا شوق تھا، پانچ جماعتیں جیسے تیسے اس نے پڑھی تھیں مگر ماں دمہ کی مریضہ بنی تو ماں کی خدمت اور گھر سنبھالنے کو اسکول کو خیر باد کہہ دیا، ثریا نے اسے قرآن پڑھنا سکھا دیا تھا، زندگی سے خوش نہیں تو وہ مطمئن ضرور تھی کہ اس کا شمار صابرین میں ہوتا تھا، سولہ برس کی ہوئی تو باپ نے اس کی شادی اٹھائیس سالہ منصور سے کر دی، جو سبزی فروش تھا، منصور کی ایک بہن تھی جو شادی شدہ تھی، باپ مر گیا تھا اور ماں سخت مزاج اور بد زبان اس نے آسیہ کا جب تک زندہ رہیں جینا حرام کیے رکھا، ساس کی سخت گیر طبیعت نے اسے ایمان اللہ پر توجہ دینے کا کم ہی موقع دیا تھا کہ وہ تھا بھی دادی کا لاڈلا، ماں سے زیادہ دادی کے

پاس رہتا تھا، اس کی ساس نے پوتے پوتیوں قبضہ کیا ہوا تھا جیسے اس سے آسیہ کا کوئی تعلق ہی نہ ہو، ساس جب فوت ہوئیں اس کا بڑا بیٹا چھ سال کا ہوگیا تھا اور ذہنی و قلبی طور پر ماں سے دور بھی، منصور سبزی کا ٹھیلا لگاتا تھا اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی، وہ تیسری بار تخلیق کے عمل سے گزر رہی تھی کہ اس کے سر کا سائیں، محبت و عزت نچھاور کرنے والا اس کا شوہر بم دھماکے میں جاں بحق ہوگیا تھا، اس کی تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی تھی، عدت اس نے منصور کے گھر میں ہی گزاری اس کی چھوٹی بہن اور بھائی وہاں آگئے تھے، اس کے تو اپنے اور بچوں کے کھانے کے لالے پڑھے تھے وہ بھائی بہن کو کہاں سے کھلاتی، اس کے غریب بوڑھے باپ نے جو پرچون (کریانے) کی دکان چلاتا تھا اس نے بیٹی کی اپنی بساط سے بڑھ کر مدد کی، گھر سے ہسپتال تک کا خرچہ اٹھایا، مگر وہ کب تک اس کا سہارا بن سکتے تھے، اس نے سلائی کے کپڑے سینے شروع کر دیئے، گھر کے حالات یکدم ہی بدل گئے تھے، باپ کے دیئے پیسوں اور سلائی سے ملنے والے پیسوں سے گھر کا خرچ چلانا اور ایمان اللہ کی تعلیم جاری رکھنا اس کے لئے بہت مشکل ثابت ہو رہے تھے، مگر اس نے تمام تنگی کے باوجود اسے اسکول سے نہ اٹھایا، کہ وہ خود پڑھنا چاہتی تھی پڑھ نہ سکی اب اسے تعلیم کی اہمیت مزید ہونے لگی تھی اس لئے وہ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہتی تھی ایمان اللہ علاقے کے نسبتاً اچھے اسکول میں پڑھتا تھا جہاں فیس مناسب تھی، لیکن وہ فیس دینے کے بعد اتنے پیسے بچا نہیں پاتی تھی کہ گھر میں کچھ اچھا پکا لے، اور اب تو باپ بھی نہیں رہا تھا، بھائی دونوں اپنے گھر و زندگی میں مگن تھے اور اس کے تینوں بچے اسکول جانے لگے تھے سرکاری اسکول اس کے گھر سے بہت دور تھا اس لئے وہ بچوں کی پرائیوٹ اسکول میں پڑھانے پر مجبور تھی، سلائی سے پورا نہیں ہوتا تھا وہ گھروں میں کام کرنے لگی تھی، محنت کرنے اور پیسہ دانتوں سے کھینچ کھینچ کر خرچنے کے باوجود کھانے کے لالے پڑے رہتے تھے، بچے بڑے ہو رہے تھے، ان کی ضروریات بڑھ رہی تھیں، ایمان اللہ گیارہ برس کا ہوگیا تھا وہ کافی کم گو بچہ تھا لیکن اس نے گھر میں اتنی کسمپرسی دیکھی تھی کہ وہ ہر غریب کی طرح وقت سے پہلے بڑا ہوگیا تھا اور اس کے اندر صبر برداشت کی کمی تھی وہ اپنی قسمت سے شاکی رہتا تھا اور اس کا اب اظہار بھی کرنے لگا تھا، آسیہ بیٹے کے تیوروں سے پریشان رہتی تھی اور آج کے واقعے نے تو اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے، اس نے دونوں بچوں کو سوکھی روٹی کھلا کر سلا دیا تھا اور ایمان اللہ کا انتظار کرنے لگی تھی اور اس کا انتظار سولہ سالوں پہ محیط ہوگیا تھا، ایمان اللہ کو اس نے بہت ڈھونڈا مگر وہ زمانے کی بھیڑ میں کھو گیا تھا، اس نے محنت مزدوری کر کے دونوں بچوں کو پڑھایا لکھایا تھا، گریجویشن کے بعد اس نے ایمن کی شادی کر دی تھی اور امان اللہ پرائیویٹ ایم اے کے پیپرز کی تیاری کے ساتھ آفس میں کام کر رہا تھا، آسیہ نے محنت مزدوری کرنا چھوڑ دی تھی کہ اس کا بیٹا اس قابل ہوگیا تھا وہ زندگی سے آج بھی مطمئن تھی لیکن خوش نہ تھی کہ اس کا ذہن و دل بٹ گئے تھے، اس نے دولخت ہو کر زندگی گزاری تھی، دو بچوں کو کھلاتے تیسرے کی بھوک کے خیال نے اسے کئی کئی روز بھوکا رکھا تھا، روتی تھی، تڑپتی تھی، اللہ سے اٹھتے بیٹھتے دعا کرتی تھی کہ اس کا بیٹا کہیں سے آجائے اور اس کی دعائیں جب قبول ہوئیں تو بھی وہ بہت روئی بہت تڑپی تھی، وہ بیٹے کو دیکھ کر خوش تو بہت ہوئی تھی مگر مطمئن نہ ہو پائی تھی، لمحے کے

ہزارویں حصے میں اس کا اطمینان غارت ہوگیا تھا وہ بیٹے کے منہ سے ''اماں'' سن کر بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتی اس کی متابین کرنے لگی تھی، اس نے اپنے لخت جگر کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا، بیٹے کو کھو کر رونے والی بیٹے کو پا کر بھی رو رہی تھی۔

☆☆☆

امان اللہ بچوں کے پاس کھلونے اور اچھے لباس دیکھ خود ترسی کا شکار ہونے لگا تھا، روز روز پتلی دال دیکھ اسے دال سے ہی نہیں اپنی زندگی اور اپنی ماں سے بھی نفرت ہوگئی تھی، وہ ایک اچھی زندگی گزارتا رہا تھا اسے دادی اور باپ بہت یاد آتے تھے، وہ ماں سے قریب تو پہلے ہی نہ تھا اب رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی تھی وہ بات بے بات ماں سے الجھنے لگا تھا، شکوے و شکایت ناشکری کو جنم دیتے ہیں اور وہ بھی ناشکری کے اندھے سفر پر کھلی آنکھوں سے گامزن ہوگیا تھا، گھر سے نکلا تھا، سمت کا تعین کیے بغیر، وہ بھوکا پیاسا سردی کی رات میں یخ بستہ ہواؤں سے کھلے آسمان تلے بیٹھا نبرد آزمائی کر رہا تھا، وہ گھر لوٹ جانا چاہتا تھا لیکن وہ جیسے اس ٹھنڈی سڑک پر جم گیا تھا، اس کے معصوم بچپن، غریب ماں باپ کی غربت و تنگ پرورش کو اس کی ننھی خواہشات اس کی ناشکری برائیوں کے اتھاہ سمندر میں کھینچ لے گئی تھی، سردی اور بھوک سے نڈھال بچے پر کسی کی نگاہ انتخاب ٹھہری تھی، تو وہ تھا شاہد رحیم جو چھوٹی عمر کے بچوں کو بہلا پھسلا کر چوری، ڈکیتی کی جانب مائل کر لیتا تھا، اس شخص نے کتنے ہی گھروں کے چراغ چھین کر ملک و قوم کے لئے ناکارہ و نقصان دہ افراد کو جنم دیا تھا اور وہ جو اچھے اور بہترین کا خواہشمند تھا لیکن اچھے و برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم تھا، اسے بھٹکایا گیا اور وہ بھٹک گیا، گھر کا راستہ ہی نہیں نیکی و اچھائی کا راستہ بھی فراموش کر گیا، اس کی ماں اسے پڑھا لکھا کر مفید شہری بنانا چاہتی تھی اور وہ انسانیت کے راستے سے ہی ہٹ گیا تھا، چوری کرنا اس کا کام تھا، اس کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی، اس نے کتنے ہی گھروں میں واردات کی تھی اور اس رات وہ ایک متوسط طبقے کے گھر میں چوری کرنے گئے تھے وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ گھر اس کا اپنا ہے اس کی ماں اس کی منتظر آنکھیں کچھ دیر قبل اسے سوچتے اس کی تصویر سے باتیں کرتے بند ہوئی تھیں اور وہ اپنے سامنے کھڑے خوبرو نوجوان کو نہیں پہچانی تھی کہ وہ گیارہ سال کا تھا جب اس سے دور ہوا تھا اور اس کے سامنے اب وہ چھبیس سالہ نوجوان کھڑا تھا پہچان کا مرحلہ طے ہوتا تو کیسے؟ مگر وہ اپنی ماں کو پہچان گیا تھا، وہ بہت بوڑھی اور کمزور ہوگئی تھی مگر وہ ماں کو پہچان گیا تھا اور اس کے لبوں سے سرسراتا ہوا ''اماں'' نکلا تھا، آسیہ اسے دیکھنے لگی تھی اور وہ ماں کی حیران بے یقین نگاہوں میں دیکھتا اسے شانوں سے تھام گیا۔

''اماں میں ہوں تمہارا ایمان اللہ۔'' وہ بڑی بے قراری سے بولا تھا اس کی بوڑھی بے رونق آنکھیں یکدم چمک اٹھی تھیں۔

''یار! یہاں آنے کا فیصلہ ہی غلط تھا، کچھ نہیں ملا، آج کی واردات تو ناکام چلی گئی، یہ تو بڑے ہی فقیر کنگلے ہیں۔'' وہ کوئی ردعمل ظاہر بھی نہیں کر پائی تھی کہ اس کی عمر کا لڑکا آ کر قدرے غصہ سے بولا تھا۔

''دولت نہیں ساحر مجھے جنت مل گئی ہے۔'' اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا اور وہ بے اختیار پیچھے ہوگئی تھی۔

''اماں!'' وہ پکارا تھا اور آسیہ نے اسے تھپڑ

مار دیا تھا۔

”نہیں ہوں میں تیری ماں، دولت کی چاہ تھی نہ تجھے، دولت کے حصول کے لئے ماں کے گھر کو چھوڑ گیا تھا اور ایسے حاصل کی تو نے دولت، چوری چکاری کر کے، جنت نہیں ملے گی تجھے، لے جا جو دولت ہے یہاں اور مجھ سے میرے گھر سے تو تجھے صرف علم کی دولت مل سکتی تھی جو تجھے گوارہ نہ تھی، بھاگ جا آج بھی، ایمان اللہ، میرے پاس آج بھی تجھے دینے کو کچھ نہیں ہے، گیارہ برس کی عمر میں تو روٹی اور دال اٹھا کر پھینک گیا تھا، میرے گھر آج بھی وہی کالی دال اور سوکھی روٹی ہے اور تجھے حلال کی کالی دال نہیں حرام کے مرغ مسلم چاہیے تھے، جا بھاگ جا امان اللہ تیری غریب ماں کے پاس تجھے دینے کو آج بھی کچھ نہیں ہے، میرے پاس کالی دال ہے وہی رزق حلال کی کالی دال جو تجھے تیری ناشکری وخواہشات کو راس نہ آئی۔“ وہ بوڑھی عورت اس وقت اتنا نہ روئی تھی جب اس نے بیٹا کھویا تھا کہ اسے امید تھی کہ اس کا ایمان اللہ لوٹ آئے گا، اس نے ایمان اللہ کے ایمان اور اس کی سلامتی کی دعا کی تھی اور وہ تو سلامت تھا مگر اس کا ایمان سلامت نہ تھا، وہ شکستہ وجود سے ڈھے گئی تھی، فجر کی اذان ہو رہی تھی اور وہ ماں کے قدموں میں گرا معافی مانگ رہا تھا۔

”اماں! معاف کر دو مجھے، میری خواہشات نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا، شروع میں مجھے احساس نہ ہوا تھا اماں، لیکن جیسے جیسے وقت گزرا مجھے احساس ہوا اماں، کہ پتلی کالی دال جو میں مرغ مسلم کھاتا ہوں اس سے کئی گناہ اچھی تھی، میں بھٹک گیا تھا اماں، مجھے معاف کر دو، میں ہر برائی چھوڑ دوں گا، چوری ڈکیتی چھوڑ دوں گا، تم بس مجھے اپنے حصے کی کالی دال کا شریک بنا لو، اماں میں سولہ سال سے بھوکا ہوں جب سے کالی دال ٹھکرا کر گیا ہوں، پیٹ بھر کر کھا کر بھی بھوکا ہوں، مجھے کالی دال دے دو اماں، مجھے بہت بھوک لگی ہے اماں، کھانا دے دو، رزق حلال کی اہمیت جان گیا ہوں، میرے پیٹ کی دوزخ حرام کی روٹی سے ٹھنڈی نہیں ہوئی، اپنے گھر کی حلال کی سوکھی روٹی دے دو۔“ وہ ماں کے قدموں میں سر رکھے تڑپ رہا تھا اور آسیہ کی آس کیا ٹوٹی تھی سانسوں کی ڈور بھی کچے دھاگے کی طرح ٹوٹتی چلی گئی تھی اور وہ بے آس و نامراد ماں کو دفنا کر بے سمت چل پڑا تھا، اس کی سمت اس کی ماں تھی جسے اس نے بدل دیا تھا اور بے سمت ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے گھر وقت بہت سا گزرنے کے بعد گیا تھا مگر وہاں کچھ نہ تھا آسیہ وہ بیٹے کے لوٹ آنے کی آس میں گھر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن گھر میں آگ لگ گئی تھی اس کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا کہ اسے بنواتی اس لئے اجڑ جانے والے گھر کو اس نے فروخت کر دیا تھا کرائے کے گھر میں رہنے لگے تھے اور گھر کے پیسوں سے ایمن کی شادی کر دی تھی، وہ دونوں بھائی بہن کم و زیادہ پر مطمئن رہے اس لئے آج کامیاب زندگی گزار رہے تھے اور اس نے ”کم“ پر گزارہ نہ کیا ”زیادہ“ کی خواہش میں خوشی و اطمینان کھو بیٹھا، وہ امام صاحب کو تمام حالات و واقعات بتا کر سسکنے لگا تھا۔

”امام صاحب! اماں سے کہیں کہ وہ مجھے معاف کر دیں، میں بہت بھوکا ہوں، مجھے کالی دال کھانے کو دیدیں۔“ وہ ان کے ہاتھ تھامے ملتجی لہجے میں بول رہا تھا اور وہ دلگرفتگی سے اس کی دلجوئی کرنے لگے تھے اسے سمجھا رہے تھے۔

”رزق حلال کی طرف لوٹ آؤ، اپنے اصل کی طرف پلٹ آؤ ایمان اللہ، برائی چوری سب چھوڑ دو، حلال کی سوکھی روٹی حرام کے من و سلوئی کے آگے اہمیت نہیں رکھتی ہے، یہ بات تم سمجھ گئے ہو اور مزید وقت تمہیں سمجھا دے گا۔“ انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

”اماں نے مجھے معاف نہیں کیا، وہ خاموشی سے چلی گئی، اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔“

”تمہاری ماں نے تمہیں معاف کر دیا تھا اسے وقت نہ ملا کہ وہ لبوں سے اظہار کرتی اور اللہ بھی تمہیں معاف کر دے گا، تم ایک قدم بڑھاؤ وہ سات قدم بڑھ کر تمہیں تھامے گا، مایوسی و ناشکری سے نکل آؤ، ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ سے اپنے کیے کی معافی مانگو وہ تمہیں معاف کر دے گا۔“ انہوں نے اس کی درست راہنمائی کی تھی اور ایمان اللہ اپنے سچے ایمان کے ساتھ اپنے اصل کی طرف لوٹ گیا تھا، امام صاحب سے پیسے ادھار لے کر اس نے سبزی کا ٹھیلا لگانا شروع کر دیا تھا، امان اللہ بھی اس کے ساتھ تھا، اس کی سوچ بدلی تھی، اندھی خواہشات اور ناشکری کے جذبات ذہن و دل سے نکلتے چلے گئے تھے، اس کی سوچ و عمل کی اچھائی اس کے زندگی میں مثبت تبدیلیاں، اطمینان و خوشی لانے لگی تھیں، وہ بے سمت نہیں رہا تھا، اس نے دیر سے ہی سہی اپنی سمتیں متعین کر لی تھیں کہ وہ جان گیا تھا بے سمت و بے منزل کا سفر آبلہ پائی کے سوا کچھ نہیں دیتا، ہم بھی نیکی، اچھائی، ایمان کی سمت سے بھٹک گئے ہیں اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے ہمیں اپنی سمت کا تعین کر لینا چاہیے چاہے وہ سمت و منزل کالی دال کی طرف لے جاتی ہو کہ کالی دال کتنی رنگین و ذائقہ دار ہزار ہا من و سلوئی سے بڑھ کر ہوتی ہے یہ وہ بھی جان سکتے ہیں جنہوں نے آدھی کو چھوڑ کر پوری کے حصول کی کوشش کی تھی اور لمبی مسافت طے کرنے کے بعد ان پر منکشف ہوا تھا کہ وہ آدھی سے بھی گئے۔

سیمیں کرن

وہ جب بیاہ کر رضا احمد کے سنگ اس گھر میں آئی تھی تو یہ چھوٹا سا گھر اسے بڑا نکھرا ستھرا اور کشادہ لگا جو اس کے گھر سے کھلا اور بڑا تھا اور وہ گھر جہاں اب اس کا اپنا ذاتی کمرہ تھا جس میں اس کے جہیز کا سامان سجا تھا ایسا کمرہ جو بلا شراکت غیرے اس کا اپنا تھا، وہ جس گھر سے اٹھ کر آئی تھی وہاں ایک کمرے کو وہ چھ بہن بھائی مل کر بانٹتے تھے، جو کمرہ کم چڑیا گھر زیادہ لگا کرتا اور جہاں چارپائی اگر دن چڑھے بچھی رہتی تو اس کی ماں جل کر اسے ''ہسپتال کا وارڈ'' بلاتی۔

اور اب وہ مکمل طور پر ایک ایسے کمرے کی مالک تھی جو اس کا اپنا تھا جس کو سجانے سنوارنے کا اس میں آزادانہ رہنے سونے کا اسے مکمل اختیار تھا یہ احساس ہی بڑا نشاط انگیز اور سرور دلاتا تھا، شوہر کی سنگت کا سرور الگ مگر اس کمرے کی مالکن بننے کا استحقاق اک عجیب نشہ دلاتا تھا، شادی کے ابتدائی ایام جو شرم کے گھونگھٹ میں تھے اس کے بعد جب اس نے رضا کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر بازار جانا شروع کیا تو چھوٹی چھوٹی چیزیں ڈیکوریشن پیسیز کچھ اپنے جہیز میں ملنے والے آرائشی سامان سے کمرے کو سجانا شروع کیا بس اک جنون سا تھا کہ اس کا کمرہ سارے گھر سے علیحدہ ہی دکھے، اس کے ذوق کا آئینہ دار۔

شام کے وقت وہ کمرے میں کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر نیم خوابیدہ سا ماحول کر دیتی، ائیر فریشر سے ہوا کو مہکا کر تیار ہو کر خود کرسی پر بیٹھ کر کچھ دیر کو آنکھیں موند لیتی اور اس کیف و سرور کی حالت کو اپنے اندر جذب ہوتا سرائیت کرتا محسوس کرتی جو کوئی اسے ملنے آتا کہ نئی نئی شادی تھی یا رضا جب دکان سے واپس آتا تو اسے لگتا کہ اس کی محنت کی قیمت وصول ہو گئی۔

لیکن پھر یہ جذب یہ کیف جب عادت میں ڈھلا تو روٹین بن گیا اور روزمرہ کے امور اپنی کشش کھو دیتے ہیں، اب وہ لگن اور دلچسپی نہیں رہی تھی جو شروع کے اوائل دنوں میں تھی، اسے بڑا عجیب لگتا جب اسے صبح اپنے کمرے سے پورے برآمدے کو عبور کر کے غسل خانے میں جانا پڑتا یوں لگتا کہ نظریں آنکھوں میں تمسخر لئے اسے دیکھتی ہیں وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی، یہ اسے شروع دن سے برا لگتا تھا مگر اس تکلیف پر پہلے وہ سرخوشی چھائی ہوئی تھی جو اوائل دنوں میں کمرے کی مالک بن کر حاصل ہوئی تھی، اب وہ خوشی روٹین کا حصہ بن گئی تھی اور یہ تو اک چھوٹی سی مادی خوشی تھی جسے روٹین اور روزمرہ کا دیمک چاٹ گیا تھا یہ تو وہ عفریت ہے کہ روحانی خوشی و تسکین تک کو کھا جاتا ہے، جیسے اک عابد و زاہد روز مرہ کی عبادت کرتا ہے اور بعض اوقات پریشان فکری سے اس کی لذت کم ہو کھونے لگتی ہے اور کوئی گناہ گار جب توبہ کے ارادے سے سجدے میں جاتا ہے وہ سرور و کیف پا لیتا ہے کہ عابد و زاہد کو سو سال میں بھی شاید نصیب نہ ہو۔

اب تو یہ تھا کہ اس کی جلد از جلد خواہش تھی کہ کسی بھی طرح جوڑ توڑ کر کے کچھ بچت وغیرہ کر کے اپنے کمرے سے منسلک غسل خانہ بنوا لے تا کہ وہ اس کوفت و پریشانی سے چھوٹ سکے،

ان دنوں اس کی شدید آرزو بس یہی تھی یہ خواہش اس کے اعصاب پر ہر وقت سوار رہتی، اس نے اپنی انگوٹھی بیچی کچھ پیسے جمع کیے ہوئے تھے کمیٹی نکل آئی اور اسے لگا کہ اس کی کتنی بڑی آرزو کی تکمیل ہوئی ہے جب اس نے اپنے کمرے سے منسلک چمکتی نئی نکور ٹائلوں اور سٹائلش سی ٹونٹیوں والے اٹیچ باتھ کو دیکھا، جتنی بار وہ دیکھتی اک عجب سی سرشاری کا احساس ہوتا اس نے خوبصورت سا باتھ سیٹ، میچنگ ٹاول و میٹ لا کر لگایا ایک دو چھوٹے چھوٹے مصنوعی پودے لا کر رکھے، حتیٰ کہ اس کی ساس و نندوں نے اس کے جوش کو دیکھ کر ٹھٹھا لگایا۔

پکھے نوں کٹورا لبیا تے پی پی آپھریا

وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی، ان کی جلن و جھگڑے نے خوشی کا رنگ پھیکا اور حصول کا پکا کر دیا۔

شادی کے چند ابتدائی برس، اچھا نیک شوہر، پیارا سا بچہ، دل میں پھوٹتی خواہشوں کی نئی نئی کونپلیں، دل میں نئی نئی چیزوں کی آرزو پلتی، خوشیاں مادی اشیاء کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں، کبھی وہ حسرت سے آہ بھر کر سوچتی۔

''ہائے اس دفعہ پیسے ہاتھ لگیں کمیٹی نکلے تو فریج لے لوں کمرا کیسے خالی خالی لگتا ہے بغیر فریج کے اور ہر چیز رکھنے کو دیکھنے کو سسرال والوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، جو چیز کبھی بچ جائے تو ڈرتے مارے پھینک دیتی ہوں ان کے فریج میں نہ رکھوں کہ صبح سارے پاکستان میں محترمہ فون پہ اطلاع دیں گی کہ رات مہرین نے نان کباب کھائے تھے ہونہہ کتنا مزا آئے اور کتنی خوشی ہو گی جس دن میں اپنی فریج لے لوں گی، جہیز میں تو نہ فریج اماں دے سکیں نہ اوون، بس یہ چھوٹا سا ٹی وی ہے، فریج لے لوں تو پھر اوون لوں گی اس کے بعد اس چھوٹے ٹی وی کی جگہ ''انتیس انچ'' کا لوں گی اس کے بعد.....'' اک لمبی فہرست تھی آرزوؤں کی۔

اور یہ اس کے نصیب کی یاوری تھی رضا احمد

کی محنت کا کمال تھا اس نے جب دیکھا کہ اس کی بیوی کے اونچے آورش ہیں اسے گھر بنانے سنوارنے اپنے لائف سٹائل کو اونچا دیکھنے کی خواہش ہے تو اس نے اور زیادہ محنت کی، پہلے ملازمت کرتا تھا پھر ہمت کر کے کپڑے کے کاروبار میں ہاتھ ڈالا، اس کی محنت کے صدقے اللہ کی رحمت و برکت شامل ہوتی گئی اور آہستہ آہستہ مہرین کی آرزویں پوری ہونے لگیں، مگر فہرست اور نئی فہرست میں تبدیلی واضافی ہونے لگی بھلا خواہشیں بھی کبھی ختم ہوئی ہیں وہ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

بہت نکلے میرے ارماں مگر پھر بھی کم نکلے

یہی حال تھا اس کا، کچھ ضرورتیں تھیں جو آرزوئیں بن گئی تھیں اور کچھ آرزوؤں کو اس نے ضرورت بنا رکھا تھا، ان چیزوں کو لے کر اس کا رضا کے ساتھ کسی وقت جھگڑا بھی ہو جاتا، وہ ٹھنڈے میٹھے مزاج کا لا ابالی سا بندہ تھا، جس کا سارا دھیان اپنے نئے پھلتے پھولتے کاروبار میں تھا اسے چیزوں آسائشوں کی اتنی پروا اور عادت نہ تھی، وہ بعض اوقات ہاتھ جھاڑ کر کہہ ہی دیتا۔

''بھئی میں تو سیدھا سادا سا تمہارے مقابلے دیہاتی آدمی ہوں تم آخر بڑے شہر سے آئی ہو تم جن چیزوں کی باتیں خواہشیں کرتی ہو ہمیں ان کی عادت ہی نہیں اور باقی کمی تو میں نے کوئی رہنے نہیں دی، جس جس چیز کی آرزو کی تم نے آخر مل ہی گئی، نہ جو گھر میں تھیں وہ بھی تمہیں دلا دی نہ کہ تمہاری اپنی ہوں۔''

وہ اترا کر کہتی۔

''ہاں مگر کیسے مر مر کر اور میں نے کتنا ساتھ دیا تمہارا، پیسے جوڑے کمیٹیاں ڈالیں تمہارے گھر والوں کی باتیں سنیں مگر اب دیکھو تمہیں ان سہولتوں کی قدر و عادت نہیں ہوتی، دس دس دفعہ اوون میں کھانا گرم کرواتے ہو، آپ تو میرے ہاتھ کے روسٹ کے علاوہ تمہیں کوئی اور اچھا ہی نہیں لگتا، گیزر لگ جانے سے گرم ٹھنڈے پانی کی کتنی سہولت ہو گئی جبکہ اب تو باتھ روم بھی اپنا ہے۔'' وہ ہنسے چلا جاتا اور عاجزی سے کہتا۔

''ہاں مہرین شہزادی تمہاری کیا بات ہے۔''

اور کبھی بس یونہی اڑا دیتا، وہ اس کو منع بھی نہ کرتا ٹوکتا بھی نہیں، مگر جس طرح سے وہ چاہتی تھی اس طرح سے اس کا ساتھ بھی نہ دیتا۔

بس اس کے لئے یہی بہت تھا کہ اس کے بیوی بچے گھر بار اس کے والدین بہنیں، وہ چیزوں کے آنے جانے پر نہ کوئی بہت ردعمل دکھاتا بس شاید جذبات کی یا پھر ان کے اظہار کی کمی تھی اس کے اندر اور وہ جوان چھوٹی چھوٹی آرزوؤں کی تتلیاں پکڑنے میں مگن تھی کبھی کبھار اندر ہی اندر اس رویے سے بجھ سی جاتی اور کبھی کبھار اس سے الجھ بھی پڑتی۔

''رضا تم کس قدر ڈل انسان ہو؟ کتنے بور؟ تم انسان ہو کر مشین، نہ تمہاری خوشی کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی...... تم آخر کن باتوں پہ خوش ہوتے ہو؟ خوش ہوتے بھی ہو یا نہیں؟ آخر زندگی کی یہی تو چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہوتی ہیں اور تم ان موقعوں کو گنوا دیتے ہو؟ کیا حادثوں کے منتظر ہو۔'' وہ ہنس پڑتا، ہنس کر ٹال دیتا۔

''ہے پگلی نہ ہو تو، خوش تو ہوں اور کیا کروں؟ تمہیں بانہوں میں لے کر گانا گاؤں کیا؟''

وہ تنک کر کہتی۔

''اگر گا بھی لو گے تو کون سا کوئی ستم ڈھا دو گے بیوی ہوں تمہاری آخر تمہارے ہر جذبے پر میرا ہی تو حق ہے۔''

اور کبھی وہ سنجیدہ ہو جاتا۔

''تو بتاؤ میں نے تمہارے ساتھ کون سی خیانت کی، تمہاری خواہشوں آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے گدھے کی طرح کام کرتا ہوں اب گھر آ کر بھی تمہاری ناز برداریوں کے سلسلے ختم نہیں ہوتے، دو بچوں کی ماں ہو کر بھی تمہاری طبیعت و مزاج کا بچپنا نہیں جاتا اور کیا کروں تمہارے لئے تم کس طرح خوش ہو گی ناشکری عورت؟''

وہ چپ ہو رہتی، کچھ دیر بجھ بھی جاتی مگر سچ تو یہ تھا کہ آرزوؤں امنگوں میں گھر بنانے سنوارنے کی جو لگن جوش جذبہ اس میں تھا رضا احمد اس کی بجائے بالکل پرسکون میدانوں میں بہتے دریا کی مانند تھا اور مہرین کی خواہشیں بھل بھل جلتے الاؤ کی مانند تھیں جو اس کو مسلسل بے سکون کیے رکھتیں اک خواہش کے بعد اک نئی آرزو، اک نئی لگن، نیا مقصد پہلے سے بڑا وارفع۔

وہ وہ خواہشیں جو کبھی بڑی ازبس ضروری لگا کرتیں کہ جینا محال لگتا تھا وہ ضرورتیں پوری ہو کر اب کسی کونے میں پڑی اپنی بے قدری پر ماتم کناں نظر آتیں، چند دن جوش وخروش اور پھر وہی روٹین۔

اور کچھ وہ قسمت کی دھنی تھی کہ رضا احمد مٹی میں ہاتھ بھی ڈالتا تو مہرین کے نصیب سے وہ سونا بن جاتا، وہ آرزوئیں وہ خواب جو ہمالیہ کی طرح بلندی پر ناممکنات لگا کرتے تھے سب پورے ہوتے چلے گئے۔

جب تک مہرین کے والدین زندہ تھے، وہ ان کی آنکھ کا تارا تھی وہ اپنی بیٹی کے بختوں پر جی بھر کر ناز کرتے خوش ہوتے کہ وہ ان کے بچیوں میں وہ خوش نصیب بچی تھی جو اس قدر خوشحال تھی جس کا مقدر کتنا تیز نکلا۔

اور وہ بھی اپنی سب خوشیاں ان کے ساتھ بانٹا کرتی تھی، اپنا آپ کتنا معتبر اور اہم دکھتا، خاندان کی ہر غمی خوشی میں اس کی چھب ہی نرالی ہوتی، اس نے پہلے سے سوچ رکھا ہوتا۔

''اس دفعہ بھتیجی کی سالگرہ پہ فلاں بوتیک کا جوڑا لوں گی ایسی میچنگ جیولری اور فلاں پارلر سے تیاری، آہا کتنا مزا آئے گا۔''

وہ خیال و خواب میں ہی خوشی و سرشاری محسوس کرتی اور خواہشیں و خواب جس گھوڑے پر بیٹھے تھے رضا بھی اسی رفتار سے اس کی سب تمنائیں پوری کرنے میں جتا ہوا تھا۔

اب تو اس کے پاس اپنی گاڑی تھی اپنا پلاٹ بھی لے لیا تھا اور اس کی اماں ابا دن رات اسے دعائیں دیتے کہ اللہ اسے اپنا گھر بھی دے دے۔

اور اللہ نے سچ مچ اسے گھر بھی دے دیا مگر ساتھ ہی آگے پیچھے اماں ابا کو بھی لے گیا ایسے کہ رنج و دکھ سے بڑھ کر حیرت بال کھولے روتی تھی کہ کیا لوگ ایسے بھی مر جاتے ہیں؟ بھلے چنگے صحت مند اور اچانک قضا کسی خوفناک بلا کی طرح ان جھپٹے اور سب کچھ خاک میں ملا دے۔

وہ بھی رنج و الم کی تصویر بنی کھڑی دیکھتی تھی کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہوا اس کو دعائیں دینے والے ہاتھ اس کی خوشیوں میں جی بھر کر اسی کے انداز میں خوش ہونے والے لوگ کس دیس کو چلے گئے۔

یہ وہ لمحہ تھا کہ خواہشوں کا بگٹٹ دوڑتا منہ زور گھوڑا ایک دم ٹانگیں ٹوٹنے سے منہ کے بل گرا تھا بالکل اسی طرح جیسے گاڑی کا پہیہ زور دار بریک لگانے سے بے قابو ہو کر نکل جائے، اسے

لگا کہ اس کے اندر خواہشوں کو جیسے موت آنے لگی ہے۔

اک عرصہ لگا اسے اس غم سے باہر آتے مگر قدرت نے اس سے جولیا وہ تو بلاشبہ غیر متبدل نعمت تھی مگر وہ اس کو نوازنے میں بڑی فیاضی سے کام لے رہی تھی، اتنی نعمتیں کہ خواہشیں مرنے لگی تھی، خواہش ختم ہونے کے دو مواقع ہوتے ہیں ایک تب جب ضبط نفس انتہا کو گزر جائے اور دوسرا وہ موقع ہوتا ہے جب دستر خوان نعمتوں سے بھرا ہوتا ہے مگر آپ اس قدر سیر ہو چکے ہوتے ہیں کہ ہاتھ بڑھانے کی طلب بھی باقی نہیں رہتی، ایک تیسرا موقع بھی ہوتا ہے جب نفسیاتی طور پر اندر اتنی توڑ پھوڑ ہو جاتی ہے جس کا رطوبتی نظام بگڑ جاتا ہے اور دل میں امنگوں پر براہ راست اثر پذیر ہوتا ہے اسے لگتا تھا کہ وہ اس وقت تینوں صورتوں و کیفیتوں میں گھر گئی تھی، پہلے اتنا ضبط کہ خواہش کی صورت ہی بدل گئی تھی، بہت سی خواہشیں نوعمری میں جوان ہوئے بغیر مر گئیں اور پھر جب وہ دینے پر آیا تو اتنا دیا کہ چھپّر پھاڑ کر دیا۔

☆☆☆

اور اب تو نعمتوں و انعام و اکرام کی کوئی حد و انتہا نہیں تھی وہ بیگم مہرین رضا بن گئی تھی گھر میں تین تین بیش قیمت گاڑیاں تھیں لاکرز زیورات سے بھرے تھے اوکائونٹ کیش سے پر اور دل جیسے سچی خوشیوں سے خالی۔

رضا کی شہر میں تین ملیں تھیں اور وہ بے حد مصروف تھا مگر جوں جوں نعمتوں میں اضافہ ہو رہا تھا اسے لگتا کہ اس پر اک عجب سی بے حسی چھاتی جا رہی ہے، خوشی اپنی اصلی حالت میں کہیں کھو گئی ہے۔

وہ مہرین جس نے جب خوشیاں خریدنے کی خوشیوں کو کھوجنے کا سفر جب شروع کیا تھا، وہ سفر جب وہ ایک ایسے کمرے کی مالک تھی جس کے ساتھ ملحق غسل خانہ نہ تھا، سفر کا آغاز جب خوشیاں چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی اس طرح ملتیں کہ روح کو سرشار کر دیتیں بالکل ویسے کہ اپنے محبوب کے ہاتھوں ملنے والا پہلا تحفہ چاہے کتنا بھی سستا ہو سستے سے گڈی کاغذ میں لپٹا مگر تمام عمر وہ خوشی نہیں بھولتی بلکہ اس کی سوچ بھی تمام عمر دل میں گدگدی اور اک عجیب سرشاری پیدا کرتی ہے۔

اور اب جب اس کے اردگرد نعمتوں کا انبار لگا تھا بنا خواہش ہاتھ بڑھائے ہی ہر شے حاضر تھی تو خوشی و تسکین کہیں پر لگا کہ انجانے دیسوں کو اڑ گئی تھی، ہر احساس ہر ترقی ہر نئی شے کا احساس کہیں کھو گیا تھا خوشی گم ہو گئی تھی کوئی ساتھ خوش رہنے والا سراہنے والا ہی نہ رہا تھا رضا اپنی مصروفیات میں گم تھا رشک و حسد کھانے والے بہت تھے مگر خوش ہونے والا کوئی بھی نہ تھا۔

☆☆☆

اور اب جب وہ بیگم مہرین رضا تھی اس نے ان خوشیوں کو مختلف سماجی کاموں میں کھوجا مگر وہاں سے ملنے والی خوشی بھی مصنوعی تھی کہ اصل بہت کم اور دکھاوا زیادہ تھا، پھر اس نے فرنچ لینگویج میں داخلہ لے لیا یہ مصروفیت دل کے بہلاوے کا سبب بن جاتی فرنچ لٹریچر بہت Rich تھا دل میں کھب جانے والا مگر پھر وہی اکتاہٹ بیزاری اور بے حسی سی چھا جاتی۔

وہ حسرت سے سوچتی ”اس سے اچھا تو وہ اک سادہ سا کمرہ تھا جہاں کبھی کبھار ہزار قربانیوں کے بعد کوئی بھی نیا اضافہ دل کو ننھے بچے کی قلقاری سی سچی خوشی دیتا تھا اور اب یہ دل کی سچی خوشی کہاں کھو گئی۔“

اس کے بنگلے کے قریب ہی جو جم تھا وہ وہاں اکثر پیدل ہی چلی جاتی کچھ سیر بھی ہو جاتی اور بعض اوقات حیثیت بھلا کر چلنا بڑا اچھا لگتا رستے میں درمیان میں گھر کے قریب خوبصورت سا چھوٹا سا پارک پڑتا تھا پارک کا رکھوالا شاید خود بھی بڑا آرٹسٹک مزاج آدمی تھا وہ کوئی نہ کوئی نئی تجدید و اضافہ کرتا رہتا کبھی بڑے خوبصورت کیاریاں بناتا کبھی کچھ جانور لا کر چھوڑ دیتا جم سے واپسی پر وہ اکثر پارک میں بیٹھ جاتی غروب سورج کا وقت چڑیوں کی درختوں پر بنے اپنے گھونسلوں کی آواز میں اور آشیانوں میں لوٹنے کی چوں چوں طمانیت بھری چہچہاہٹ اور آہستہ آہستہ ڈوبتا سورج، درختوں کے اوپر پھیلتا اندھیرا بڑا سکون دیتا وہ کچھ دیر لمبے لمبے سانس لیتی اور گھر لوٹ آتی۔

اس دن وہ اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ جا رہی تھی گرمی کی سنسان سی سہ پہر وہ پارک میں سے گزری اس نے دیکھا کچھ انتہائی بدتمیز بچے پارک میں موجود بطخوں کو بری طرح تنگ کر رہے تھے وہ معصوم پرندے زبان نکالے انتہائی خوف و غصے میں کبھی اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے ان کی قیں قیں سے سارا پارک گونج رہا تھا ان کا خوف و غصہ چھلکا پڑا تھا مگر شاید آج کے بچے بھی احساس کی دولت سے محروم ہیں وہ انہیں پتھر مار کر خوش ہو رہے تھے، ایک بطخ تو شاید زخمی بھی تھی پارک میں اس وقت ان شیطان بچوں کے علاوہ کوئی نہ تھا، یہ بچے آس پاس کے گھروں ہی کے تھے مگر ہر دروازہ مقفل تھا۔

وہ معاشرہ جو توہین رسالت پر اتنا مشتعل تھا کہ اپنا نقصان کرنے پر گریز نہیں کیا آخر یہ تمام لوگ اس عظیم پیغمبر کی تعلیمات سے انحراف کو کھلی نافرمانی کو توہین کیوں نہیں سمجھتے تھے، کیا یہ توہین نہ تھی اس پیغمبر کی جو اتنا عظیم تھا کہ اپنے دشمنوں کو معاف کرنے میں تامل نہیں کرتا تھا جو پتھر مارنے والوں کو بددعا بھی نہیں دیتا تھا۔

اور آج یہ عام لوگ بے حس اس کے حکم کی کھلی نافرمانی ہوتے دیکھ کر مردوں کی طرح اپنے گھروں میں پڑے تھے کوئی ان بچوں کو ہدایت دینے اور روکنے پر توجہ دینے کو تیار نہ تھا۔

اس کے اندر غصہ ایک دم ابل کر باہر آیا، وہ اونچی آواز میں بولی۔

”کون ہو تم بدتمیز بچو! یہ کیا کر رہے ہو؟ کیوں ان بے زبانوں کو ستا رہے ہو دیکھو یہ اپنی زبان میں تمہیں بددعائیں دے رہے ہیں۔“

اس کی آواز میں غصہ، جوش اور اثر تھا خالی پارک میں آواز گونجی وہ بچے دبک گئے شاید اس کی حیثیت کو جانچتے اور پہچانتے تھے، وہ بھاگ گئے، اس نے دیکھا وہ بطخیں پرسکون ہو رہی تھیں اسے لگا کہ اپنی نگاہوں سے وہ اس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

اسے اندر اک عجب طمانیت محسوس ہوئی یوں لگا کہ سرخوشی و مستی و تسکین کا اک فوارا اس کے اندر سے پھوٹا، جس نے اس کا تن من بھگو دیا۔

اسے اپنے اندر کی ہر بے چینی و جمود کا جواب مل گیا تھا اسے اپنے اندر رستہ مل گیا تھا وہ رستہ جو خوشیوں کا تھا سچی خوشیوں کا بے ریا نیکیوں کا، چھوٹی سے چھوٹی ادنیٰ سی نیکی، ایسی نیکیاں جو سچے دل سے بغیر نمود و نمائش کے کی جائیں تن من کو اسی طرح بھگو دیتی ہیں اور اب اسے اسی راہ پر چلنا تھا رستے میں نیکیوں کے چھوٹے چھوٹے چراغ جلاتے جانا تھے جن میں راہ دور تک روشن نظر آتی تھی۔

☆☆☆

کتاب فکر ہے

اپنا گریباں چاک

مصنف: ڈاکٹر جاوید اقبال

تبصرہ: یسمیٰ کرن

ڈاکٹر جاوید اقبال کا نام لیتے ہی علامہ اقبال کا نام ذہن میں چھن سے چمکنے لگتا ہے، نسبت چیخ چیخ کر بولتی ہے، ''اپنا گریبان چاک'' دراصل ڈاکٹر جاوید اقبال کی ''خودنوشت سوانح حیات'' ہے اور فرزند اقبال سے زیادہ اچھا تذکرہ اقبال کا اور کون کر سکتا ہے؟ کہ آخر اس علم و فکر کے اصلی وحقیقی وارث تھے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال کا اک کارنامہ جو کتاب پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ انہوں نے اقبال کے عظیم فلسفے واثرات جس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ہٹ کر اس اقبال سے ملوایا جوان کا باپ تھا اس عظیم فلسفی و مفکر پاکستان کی عام بود وباش کیسی تھی؟ طرز اسلوب، سادہ پرکشش ہے، مبالغہ آرائی سے ماورا یہ داستان حیات اسیر کرنے کے تمام لوازم سے بھرپور ہے۔

پیش لفظ میں وہ اردو ادب میں سوانح حیات کے بارے وضاحت کرتے ہیں کہ اردو ادب میں اس کا رواج اس لئے نہیں کہ ہماری تہذیب میں ان کو دبا کر رکھنا یا مارنا اک اہم فریضہ ہے اس طرح خودنوشت اک طرح سے بغاوت یا انا اچھالنے کے مترادف ہے جبکہ اقبال کا فلسفہ خودی ہر انسان کو ''یکتا'' کرتا ہے تو ہر انسان کی خودنوشت انفرادی و الگ ہوگی۔

خود علامہ اقبال کی آرزو تھی کہ وہ اپنے خیالات کے تدریجی انقلاب کے بارے میں اپنے دل و دماغ کی سرگزشت قلمبند کرنا چاہتے تھے مگر جس کی انہیں فرصت نہ ملی۔

بقول جاوید اقبال یہ سرگزشت ایک ایسے بیٹے کی ہے جس کا باپ عظیم شاعر فلسفی اور تصور پاکستان کا خالق سمجھا جاتا ہے اور اس کے بیٹے ہونے کے احساس کا ردعمل زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف رہا، ایک تناور درخت کے نیچے ننھے سے پودے کے پروان چڑھنے کی داستان ہے۔

جنم پتری پہلا باب ہے اور لکھتے ہیں۔

''اپنی پیدائش کے عمل کو کوئی دیکھ تو نہیں سکتا، اس بارے میں خبر پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے، میں کب اور کہاں پیدا ہوا؟ میری معلومات میرے والد کی ایک تحریر پر مبنی ہیں جس سے ظاہر ہے کہ میں 5 اکتوبر 1924ء کی شب 9 بج کر 30 منٹ پر سیالکوٹ شہر میں پیدا ہوا، اتنی تفصیل کے ساتھ میری تاریخ ولادت تحریر کرنے کی ایک معقول وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ میرے والد کے ایک ہندو دوست راجہ سریندر ناتھ نے انہیں میری جنم پتری بنوانے کی صلاح دی۔''

آپ جنم پتری بنوانے کی تین وجوہات تو جاوید اقبال پیش کرتے ہیں بلکہ تین مختلف امکانات ہیں جو قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

ان میں سے ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے راجہ نریندر کو خوش کرنے کی خاطر اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیا، دوسری وجہ جسٹس صاحب کے خیال میں یہ بھی تھی کہ اپنے بڑے بیٹے اور ان کے سوتیلے بھائی آفتاب سے ان کے تعلقات اچھے نہ تھے، اس لئے ممکن ہے وہ جاننا

چاہتے ہوں کہ مستقبل میں کہیں ان کا چھوٹا بھائی بھی بڑے کی طرح نافرمان نہ نکلے، بقول جسٹس اقبال ''بعض اوقات ذاتی محرومیاں ایک خود اعتماد انسان کو ضعیف الاعتقاد بنا دیتی ہیں۔''

''تیسری وجہ جو میرے ذہن میں آتی ہے یہ ہے کہ میرے والد صوفیاء کے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، شیخ احمد سرہندی کو برصغیر میں مسلم نیشنل ازم کا بانی اول سمجھتے تھے، شاید جنم پتری یہ معلوم کرنے کے لئے بنوائی گئی کہ مستقبل میں ان کا بیٹا اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں کوئی نمایاں کردار ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے یا نہیں۔''

لیجئے علامہ اقبال بطور باپ کیسے تھے کچھ تو تصویر کشی ہوئی۔

باب نمبر دو ابتدائی چند سال میں اپنے بچپن کے ایام، اپنے آبائی مکانات، روزمرہ کے ایام، اپنے بچپن کے واقعات کا ذکر انتہائی دلچسپ پیرائے میں کیا ہے، آپ کو علامہ اقبال کی عائلی زندگی کی وہ خبر ملے گی جو آپ کے ذہن و دل و فطرت سے قریب ہوگی، کچھ واقعات دیکھئے۔

''میں بچپن میں بے حد شریر تھا، اس لئے والد سے مار کھانا میرا معمول بن چکا تھا، میری والدہ ایک خوبصورت اور مدبر خاتون تھیں، رنگ کھلتا ہوا سانولا تھا، آنکھیں موٹی موٹی تھیں، ناک ستواں، ہونٹ پتلے، پیشانی فراخ اور چہرہ بیضوی تھا، جسم متناسب اور قد درمیانہ تھا بڑی نرم دل اور حلیم طبع تھیں، لیکن بچوں کی پرورش کے بارے میں ان کا اصول یہی تھا کہ اولاد کو کھانے کو دو سونے کا نوالہ لیکن دیکھو شیر کی نظر سے گو کہ میں ان کے ہاں دس بارہ برس کے شدید انتظار کے بعد پیدا ہوا۔''

اور پھر ذکر والد ان الفاظ میں کیا۔

''والد سے میں نے بہت کم مار کھائی ہے میرے لئے ان کی ڈانٹ یا جھڑک ہی کافی ہوا کرتی گرمیوں میں دوپہر کے وقت دھوپ میں ننگے پاؤں پھرنے پر مجھے کئی بار کوسا گیا، والد بھی برہم ہوتے تو ان کے منہ سے ہمیشہ یہی الفاظ نکلتے، ''احمق آدمی، بیوقوف'' زیادہ ناراض ہوتے تو پنجابی کی بجائے اردو یا انگریزی میں غصہ کا اظہار کرتے۔'' اور پھر میاں بیوی کی آپسی زندگی بشمول جاوید اقبال ایک خوبصورت یاد دیکھئے۔

''والدہ خود چاہے مجھے کتنا مارلیں، کسی اور کو مجھ پر ہاتھ اٹھانے نہ دیتی تھی، ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ والد نے کسی شرارت پر مجھے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا لیکن والدہ بیچ میں آکھڑی ہوئیں اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا والد نے دوسرا ہاتھ اٹھایا تو والدہ نے وہ بھی پکڑ لیا، اس دوران میں تو خوف کے مارے نیچے بیٹھا والدہ کی ٹانگ سے چمٹا رہا لیکن وہ دونوں اس عجیب صورتحال پر کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔''

سب تصویریں و یادیں رنگین ہی نہیں کہیں ناراضگی و دیگر فطری رنگ بھی خانہ اقبال کے نظر آئیں گے دیکھئے۔

''میں نے چند بار ماں باپ میں تکرار ہوتے بھی دیکھا ہے، ایک مرتبہ تو میری والدہ کا اصرار تھا کہ والد باقاعدگی سے وکالت کریں کیونکہ گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے نیز کرایہ کی کوٹھی میں رہنے کی بجائے اپنا گھر بنوائیں، یہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے کہ والدہ میرے والد کے ذاتی کمرے میں کھڑی انہیں کوس رہی ہیں اور روتے ہوئے کہہ رہی ہیں کہ میں اس گھر میں لونڈی کی طرح کام کرتی ہوں اور ساتھ ہی پیسے بچانے کی کوشش میں لگی رہتی ہوں دوسری طرف آپ ہیں کہ

بجائے نیک نیتی سے کچھ کرنے کے بستر پر دراز شعر لکھتے رہتے ہیں اور جواب میں میرے والد لیٹے ہوئے بغیر کچھ منہ سے بولے کھسیانی ہنسی ہنس رہے ہیں۔"

لیجئے مفکر پاکستان کی بیگم کی شان دیکھئے اور سر دھنیے۔

اسی طرح کے بے شمار واقعات و یادیں نگینے کی طرح کتاب میں جڑی ہیں جن میں کچھ تو ضرب المثل بن گئیں زبان زد عالم ہو گئیں۔

جیسے جاوید اقبال کے منہ کے بل گرنے پر خون بہتا دیکھا تو علامہ اقبال خون دیکھ کر بے ہوش ہو گئے، یہ امر اپنی جگہ کتنی گہرائی لئے ہوئے ہے واقعات و حالات عموماً یکسانیت لئے ہوتے ہیں یہ دماغ ہوتے ہیں جو انہیں نئی جہت دیتے ہیں۔

اپنے خاندان کا تفصیلاً ذکر کرتے ہیں جاوید اقبال، اپنے تایا، چچا، پھپھو غرض پورا خاندان یوں سامنے رکھ دیتے ہیں گویا کہ واقعی "اپنا گریباں چاک" کیا اور داغ تک دکھلا دیے۔

"اس تفصیل سے واضح ہے کہ میرے والد کا خاندان ہی میری والدہ کے خاندان کی طرح نچلے درمیانی طبقہ سے تعلق رکھتا تھا، اس خاندان میں صرف ایک نابغہ عصر اور یگانہ روزگار شخص اتفاقاً یا ناگہانی یا حادثاتی طور پر پیدا ہوا اور ظاہر ہے اپنی ساری زندگی وہی شخص خاندان کی تمام تر توجہ کا مرکز بنا رہا۔"

اپنی تمام تر نالائیقوں قابل اعتراض حرکتوں کا ذکر برملا دلیری کے ساتھ کیا ہے اور پھر ایک بگڑے نوجوان کو جب احساس ہوتا ہے کہ اصل میں علم ہی اس کا اصل ورثہ ہے۔

"میں نے ذکر کیا ہے کہ والد کی زندگی ہی میں، میں ساتویں جماعت میں فیل ہو گیا تھا جس کے بعد گھر میں پڑھانے کے لئے سنٹرل ماڈل سکول کے ایک استاد غلام ناصر خان کی خدمات حاصل کی گئیں، مزید دیکھئے۔"

"گھر میں آنٹی ڈورس اور علی بخش مجھے ڈسپلن کا پابند کرنے کی کوشش کرتے مگر میں ان کی بات کب مانتا تھا، کسی کا حکم مجھ پر نہ چل سکتا تھا، مارچ 1939ء میں والد کی وفات سے تقریباً ایک سال بعد نتیجہ نکلا اور میں نویں کے امتحان میں پھر فیل ہو گیا۔"

دلیری، بے باکانہ بے ساختہ اظہار و اعترافات اس آپ بیتی کو بڑا دلنشین کر دیتے ہیں، خالق پاکستان سے اپنی پہلی ملاقات اور آٹو گراف کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

علامہ اقبال کی وفات کے بعد چوہدری محمد حسین کو ان کا اور ان کی بہن منیرہ کا ولی مقرر کیا گیا، چوہدری محمد حسین جو علامہ کے دست راست سمجھے جاتے تھے ان کو ڈاکٹر جاوید اقبال کن لفظوں میں خراج پیش کرتے ہیں۔

"علم کی تحصیل کے لئے شوق کا جو مہمیز چوہدری محمد حسین نے لگائی، اس نے میری کایا ہی پلٹ کر رکھ دی، بی اے میں مجھے چوہدری صاحب سے دیوان غالب پڑھنے کا اتفاق ہوا اس طرح میں فکری اور غالباً روحانی طور پر ان کے زیر اثر آ گیا، میرے اور ان کے رشتے کا فکری اور جذباتی پہلو اس قدر لطیف ہے کہ اسے الفاظ کے احاطے میں لا سکنا میرے لئے ممکن نہیں غالب کے ذریعے میں نے اردو ادب کا گہرا مطالعہ کیا ابتدا سے لے کر ترقی پسند تحریک تک پہنچا اسی کے ذریعے میرے دل میں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، یونانی اور روسی ادب کے مطالعہ کے لئے تجسس پیدا ہوا سب سے بڑی بات یہ کہ

چوہدری صاحب سے اشعار غالب کی تشریح نے ہی مجھ میں فلسفہ بطور مضمون پڑھنے کا ذوق پیدا کیا۔"

لیجئے تعلیم کا تناظر و وسعت دیکھئے غالب نے کیا کیا کرشمہ سازیاں کیں اور یہ کہ جاوید اقبال نے اعتراف کیا۔

"مجھے احساس ہوتا چلا گیا کہ میری میراث دولت یا جاہ و حشمت نہیں علم ہے، علم ہی وہ میراث ہے جو مجھے باپ سے ملی ہے۔"

پھر 1945ء میں ایم اے میں داخلہ کے لئے میں نے انگریزی ادب کا موضوع منتخب کیا ادبی پرچوں میں لکھا بھی، ڈرامہ نویسی میں یونانی فکر "المیہ" سے متاثر ہوئے اور میں بھی یہ خواب دیکھا کرتا تھا کہ ڈرامہ نویسی کے ذریعے شاید اپنے معاشرے میں ایسا ہی ثقافتی انقلاب لا سکوں، کیا ایک معاشرے کے تغیر قبول نہ کرنے کی ضد ایک "المیہ" نہ تھا؟"

پھر ایم اے فلسفہ کیا اور "مابعد الطبیات، اخلاقیات اور فلسفہ بحیثیت مجموعی میری رگ رگ اور نس نس میں ہے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں فطرتاً اس موضوع سے کس قدر مانوس ہوں۔"

پھر منیرہ اکلوتی بہن کی شادی کے بعد سفر انگلستان کا قصد کیا، وہاں پی ایچ ڈی کے لئے "برصغیر میں مسلم سیاسی فلسفہ کا ارتقاء کو مقالہ تحقیق کے لئے چنا۔

اگلے ابواب میں اپنے فلسفہ ہائے فکر، پاکستان کے حالات، بھٹو کا قتل ناحق کا تذکرہ ہے، کیا خوبصورت جملہ ہے۔

"1971ء میں جس "یونانی المیہ" سے پاکستان گزرا اس ڈرامے کے تین اہم کردار مجیب الرحمٰن اندرا گاندھی اور بھٹو اب اس دنیا سے اٹھا لئے گئے ہیں پہلے دونوں تو رائفل کی گولیوں کا نشانہ بنے اور تیسرے ہیرو کو پھانسی دے دی گئی۔"

خانہ آبادی کے باب میں ناصرہ اقبال کا ذکر خیر ہے، ناصرہ اقبال نے ڈاکٹر صاحب کی زندگی پر کیا مثبت اثرات مرتب کیے کتاب کا مطالعہ اور آپ کو واضح کرے گا کہ ناصرہ اقبال سے وہ کس قدر متاثر ہیں؟ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ زندگی بھر میں تم کس انسان سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے تو میں بلا دریغ کہہ دوں گا کہ ناصرہ اپنی رفیقہ حیات سے۔"

عدل گستری کے باب میں اپنی اعلیٰ عدالتی منصب کے تحت تجربات کو رقم کیا ہے، اس کتاب کا اک بہت اہم باب "دوسرا خط" ہے یہ جاوید اقبال نے اپنے والد محترم کو لکھا ہے جاوید اقبال بطور مفکر و دانشور نکھر کر آپ کو اس باب میں ملیں گے۔

کتاب کے اختتام میں خاندان اقبال کی اور ڈاکٹر صاحب کی انتہائی نادر خوبصورت تصاویر یادوں کی لڑی کی صورت پروئی گئی ہیں وہ تصاویر جو شاید منظر عام نہیں آئیں۔

اور بقول جاوید اقبال باب "نا معلوم منزل کی طرف"

"جب تک میں لکھنے کے قابل ہوں یا مجھے موت نہیں آ جاتی یہ خودنوشت سوانح حیات مکمل نہ ہو گی میں غالب کی طرح نہیں سمجھتا کہ میرے "ہونے" نے مجھے ڈبویا ہے......"

تو کیا عجب ہے کہ اس کتاب کے اگلے ایڈیشن میں کچھ اور ابواب کا اضافہ ملے اور ہمیں علامہ اقبال کے فرزند کے بارے مزید کچھ جانکاری ملے۔

☆☆☆

تحریم محمود

روزے کا اجر وثواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزے اللہ کے لئے ہیں صبح اور سچے روزے دار کا ثواب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔''

سعدیہ جبار، ملتان

گناہوں کا مٹنا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ۔

''اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو اور وہ ہر روز پانچ مرتبہ اس میں نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ نہانا اس کے میل کو باقی رکھے گا؟''

صحابہ نے عرض کیا کہ۔

''یہ اس کے میل کو کچھ بھی باقی نہ رکھے گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''پانچوں نمازوں کی مثال یہی ہے اللہ ان کے ذریعے سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

طاقت ور امین

حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ ایک غلام نے بیان کیا۔

''ایک مرتبہ ہم کہیں جا رہے تھے، میں حضرت عثمانؓ کے پیچھے سوار تھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقات والے باڑے میں آ پہنچے، اس دن سخت گرمی تھی اور سخت لو چل رہی تھی، ہمیں ایک آدمی نظر آیا جس نے تہبند اور چادر اوڑھی ہوئی تھی اور اپنے سر کو چادر سے لپیٹ کر اونٹوں کو ہانک کر اس باڑے میں لا رہا تھا، جہاں صدقے کے اونٹ رکھے تھے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا۔

''تمہارے خیال میں یہ کون ہے؟''

میں نے لاعلمی کا اظہار کیا، جب ہم آپؓ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ حضرت عمرؓ تھے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

''خداوند کریم کی قسم، یہ طاقت ور امین ہیں۔''

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

مشکلات کا حل

ڈاکٹر نیوسین ہل نے ایک جگہ لکھا ہے۔

''مجھے زندگی میں اس عجیب وغریب حقیقت کا احساس ہوا کہ اگر آپ اپنی مشکلات پر قابو پانا چاہتے ہیں تو ایسے شخص کو تلاش کیجئے جو آپ سے زیادہ مسائل میں الجھ گیا ہو، اس کا ہاتھ بٹائیے اور معاوضے سے بے نیاز کام کیجئے، آپ کے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے، یہ ایک سیدھا سادا طریقہ ہے لیکن اس میں بلا کی قوت اور قدرت ہے اور انسان اس میں کبھی ناکام نہیں ہوتا، بظاہر یہ ایک ناقابل عمل فارمولا نظر آتا ہے لیکن اگر آپ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو اس کی حقیقت آپ پر خود بخود ظاہر ہو جائے گی، آپ

دوسروں کی مدد کیجئے پھر دیکھیے کہ کتنے لاتعداد مواقع آپ کو حاصل ہو جاتے ہیں۔''

نازیہ کمال، حیدر آباد

بادشاہ کی وصیت

بادشاہ اورنگزیب عالمگیر قرآن کریم کے حافظ تھے، بہت اچھے قاری بھی تھے، عربی لکھنے کے ماہر تھے، روزانہ قرآن شریف لکھتے تھے، حکومت کے کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ سے قرآن کریم کی کتابت اور ٹوپیوں کی سلائی سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے، 94 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا، مرنے سے پہلے انہوں نے جو وصیت کی، وہ یہ تھی۔

☆ اس گناہ گار کو شیخ چشتیؒ کی قبر کے پاس دفن کیا جائے تا کہ گناہوں میں ڈوبے کو کچھ فیض مل جائے۔

☆ ٹوپیوں کی کمائی کے چودہ روپے بارہ آنے عالیہ بیگم کے پاس جمع ہیں، وہ ان سے لے کر میرے کفن پر خرچ کریں۔

☆ تین سو روپے قرآن پاک کی لکھائی کے الگ ہیں، وہ محتاجوں کو دے دیں، اس لئے کہ قرآن پاک کی لکھائی کا معاوضہ کفن پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں، میں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں جانتا، اس لئے ان میں سے کفن دفن پر کچھ خرچ نہ کیا جائے۔

☆ مجھے ننگے سر دفن کریں تا کہ جب یہ گناہ گار ننگے سر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو تو رحمت کی نظر ہو جائے۔

☆ جنازے پر کھدر کی چادر ڈالی جائے۔

یہ وصیت بادشاہ اورنگزیب عالمگیر نے کی تھی، انہوں نے ہندوستان پر 51 برس حکومت کی۔

مریم رباب، خانیوال

ڈھارس

مجھے یہ بے نتیجہ بحث اچھی لگ رہی ہے
ہمارے بیچ خاموشی نے
اک بے نام جالا بن دیا تھا
آج ٹوٹا ہے
یہ تالا آج ٹوٹا ہے
تو ہم دونوں
عجب انداز کی باتوں میں الجھے ہیں
مگر دل کو یہ ڈھارس ہے
کہ ہم
اک دوسرے کو واقعی پہچانتے ہیں

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

شاید آپ کے لئے

☆ نیکی کی دو شاخیں ہوتی ہیں، ایک خدا سے عاجزی اور محبت کا رشتہ بنانے کی طرف لے جاتی ہے، اس کی مخلوق کی خیر خواہی پر ابھارتی ہے اور دوسری دل میں اپنی نیکی کا گھمنڈ پیدا کرتی ہے، انسانوں سے دور کرتی ہے اور صرف اپنی بڑائی کا احساس پیدا کرتی ہے۔

☆ انسان بھی عجیب شے ہے، بعض اوقات اس کی نظر میں وہ چیز بالکل بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے جس کے لئے وہ ساری زندگی جدوجہد کرتا ہے۔

☆ ادراک کا ایک لمحہ پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے مگر کبھی کبھی اپنے ساتھ یا زندگی کی ساری رعنائی و دلکشی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا پھر روشنی و رنگ خیرات کر جاتا ہے۔

☆ جو محبتیں ہمارے نصیب کی ہوں، دنیا کی کوئی طاقت انہیں ہم سے نہیں چھین سکتی، وہ ہمیں مل کے رہتی ہیں اور جو محبتیں ہمارے حصے کی نہ ہوں، انہیں ساری دنیا مل کر بھی ہمارا کرنا

چاہے تو نہیں کر سکتی۔

☆ زندگی ایک پھول ہے جو کھل جانے کے بعد مرجھا جاتا ہے۔

☆ ساری خلقت یا تو ماضی کے لئے روتی دھوتی ہے یا پھر مستقبل کے خوابوں کے لئے پریشان رہتی ہے، اصلی خدا کا بندہ وہ ہے جو حال میں زندہ رہے، آج کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، نہ مستقبل کے لئے پریشان ہو اور نہ ہی ماضی کا احتساب کرے۔

☆ زندگی ایک انمول تحفہ ہے جس کی قیمت آج تک کوئی ادا نہیں کر سکا۔

☆ انسان اپنی طرف سے پوری کوشش، پوری تدبیر اختیار کرتا ہے اور جب کامیابی اس کے قریب جا پہنچتی ہے تو وہ چیزیں اس کے اور کامیابی کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں، ایک موت اور دوسری تقدیر۔

ثنا حیدر، سرگودھا

بے خبری

ملتان کے ایک قلعے پر ایک آدمی نشے میں مست کھڑا تھا، اس نے ایک رکشہ والے کو روکا اور کہا۔

''مجھے قلعے پر جانا ہے؟'' رکشہ والے نے کہا۔

''بھائی صاحب! آپ قلعے پر ہی کھڑے ہیں۔'' وہ آدمی نا مانا اور برابر یہی ضد کرتا رہا کہ مجھے قلعہ پر جانا ہے، آخر کار رکشہ والے نے تنگ آ کر اسے رکشہ میں بیٹھنے کو کہا، وہ آدمی رکشہ میں بیٹھ گیا، رکشہ والے نے انجن اسٹارٹ کیا اور وہیں کھڑا گھوں گھوں کی آواز سناتا رہا پھر انجن بند کر کے اس سے بولا۔

''لو قلعہ آ گیا، اب اتر جاؤ۔''

وہ آدمی نیچے اترا اور جیب سے تیس روپے نکال کر رکشہ والے کو دے دیے اور ساتھ ہی بولا۔

''خدا کے لئے آئندہ اتنا تیز رکشہ نہ چلانا۔''

درشمن، میاں چنوں

پہلی جہت

سنا ہے
وقت آگے کی طرف جاتا ہے
لیکن ہم
ہزاروں سال سے
اس ایک نقطے پر کھڑے ہیں
جس کے نیچے کچھ نہیں جس کے اوپر کچھ نہیں
تم نے چوتھی جہت بھی ڈھونڈ لی
اور ہم
پہلی جہت کی جستجو میں
خاک ہو کر رہ گئے

آسیہ وحید، لاہور

محبت

محبت ایک الوہی جذبہ ہے جو ہمیشہ دل کے نہاں خانوں میں بند ہوتا ہے، کبھی فنا نہیں ہوتا، محبت کے بگولے جب اٹھتے ہیں تو مذہب کی تمیز دولت غربت کا فرق سب ایک ہی لپیٹ میں آ جاتے ہیں، یہ تو دل کی اسیر ہوتی ہے، جہاں دل لگایا، وہیں آ جاتی ہے، اگر محبتوں کے قدموں کو روک دو، ان کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر کے آگے نہ بڑھنے دو تو وہ چور راستے ڈھونڈ لیتی ہے یا پھر سرنگ کھود کر منزلوں تک رستے بنا لیتی ہے۔

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

کھلتے پھول

☆ کامیابی کے لئے محنت جتنی ضروری ہے، استقلال بھی اتنا ہی ضروری ہے، استقلال نہ ہو تو محنت بھی ضائع چلی جاتی ہے، اگر تھوڑے دن محنت کے بعد تم اسے چھوڑ دو تو کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا اور تمہاری محنت بے کار چلی جائے گی لیکن اگر برابر محنت کرتے رہو تو ایک نہ ایک دن اس کا پھل ضرور ملے گا۔

☆ اگر کوئی شخص ایک جگہ زمین کھودے اور اس کے بعد چھوڑ دے پھر دوسری جگہ تھوڑی سی زمین کھودے اور اسے بھی چھوڑ دے، غرض عمر بھر اسی طرح زمین کھودتا رہے اور محنت کرتا رہے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یعنی زمین سے پانی نہیں نکلے گا لیکن اگر وہ ایک ہی جگہ زمین کھودتا رہے تو چند دن میں کنواں کھد جائے گا اور پانی نکل آئے گا، اسی طرح ہر کام میں ہوتا ہے، اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو تو مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ محنت کرو۔ (حکیم محمد سعید)

ام ایمن، گوجرانوالہ

کارگر نسخہ

''یہ تم اخبار میں سے کیا کاٹ رہے ہو؟''

''ایک خبر جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص نے صرف اس لئے اپنی بیوی کو طلاق دے دی کہ وہ اکثر اس کی جیبوں کی تلاشی لیتی رہتی تھی۔''

''مگر تم اس تراشے کا کیا کرو گے؟''

''جیب میں رکھوں گا۔''

عابدہ سعید، گجرات

انتباہ

دیکھ!
تیری آنکھ سے
میری چشم گریہ تک
کرنہ کوئی موج آئی
اشک پھوٹ جائیں گے
خواب ٹوٹ جائیں گے

فرح عامر، جہلم

مہکتی کلیاں

☆ ضروریات کو کم کر لینا سب سے بڑی مالداری ہے۔

☆ سچائی کبھی اپنی تلاش کرنے والے کو ذلیل ہونے نہیں دیتی۔

☆ جو شخص تمہارے سامنے دوسروں کی برائی کرتا ہے، جان لو کہ وہ تمہاری برائی دوسروں کے سامنے کرتا ہے۔

☆ جاہل کے خیال اور عمل میں بہت کم وقفہ ہوتا ہے۔

☆ جو لوگ صبح کو فیصلے کرتے ہیں اور شام کو بھول جاتے ہیں، وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

☆ زیادہ باتیں وہ کرتے ہیں، جن کے پاس بولنے کو کچھ نہیں ہوتا۔

☆ جس شخص کے خیالات اور نظریات اچھے ہیں، وہ کبھی تنہا نہیں ہوتا۔

☆ اس زندہ قوم کی طرح جیو جو اپنے ماضی کو یاد رکھتی ہے۔

☆ زیادہ خوشحال اور زیادہ بدحالی دونوں برائی کی طرف لے جاتی ہے۔

☆ زندگی کو سادہ مگر خیالات کو بلند رکھو۔

فائزہ قاسم، سکھر

رات کی وحشت

ترک محبت کر بیٹھے ہم، ضبط محبت اور بھی ہے
اک قیامت بیت چکی ہے، اک قیامت اور بھی ہے
ڈوبتا سورج دیکھ کے خوش ہو رہنا کسی کو راس آیا
دن کا سکھ سہہ جانے والو، رات کی وحشت اور بھی ہے

☆☆☆

تسنیم طاہر

آنسہ ممتاز ---- ملتان

ہر باب میں ملتا ہے سوالوں کی طرح تو
اس ذہن میں رہتا ہے خیالوں کی طرح تو
راتیں ہیں منور تری سوچوں کی ضیا سے
تاریک شبوں میں ہے اجالوں کی طرح تو

....

سینچا ہے محبت کا چمن دل کے لہو سے
غنچے میری امید کے مرجھا نہیں سکتے

....

ہمیں بجھا دے ہماری انا کو قتل نہ کر
کہ بے ضرر ہی سہی بے ضمیر ہم بھی نہیں

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

نہ جانے یہ سعادت آج کس کا مقدر ہو
کبھی باندھا تھا گجرا ہم نے بھی تیری کلائی پر

....

ہم جدائی کو مقدر جان کر روئے بہت
ہم تیرے فرمان یوں بھی مان کے روئے بہت
میں تو محبت کی کہانی کہہ رہا تھا ماجد
وہ گئے وقتوں کی باتیں جان کے روئے بہت

....

جانے کون تھا جس کی بابت پہروں سوچا کرتا تھا
تجھ سے پہلے بھی تجھ سا چہرہ دیکھا کرتا تھا
میں نے ان ہونٹوں پر بس چپ کی مہر لگائی تھی
وہ بھی اپنے دل کی باتیں دل میں رکھا کرتا تھا

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

سنا ہے تم بہاریں بانٹتے پھرتے ہو گلشن میں
اگر ممکن ہو چہروں کی خزائی ختم ہو جائے
کوئی تو دختر دہقان کی خواہش کرے پوری
کہ اس سے پیشتر اس کی جوانی ختم ہو جائے

....

رنج خزاں سے موج ہوائے بہار تک
وہ خواب سلسلہ تھا کہ آنکھوں کو تر گیا
ہم پہ تھا ایک عشق کا سایہ کہ ساری عمر
اپنی ہی روشنی میں کیا جو سفر کیا

....

اے حسرت دیدار یہ کیا راز ہے آخر
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا

مریم رباب ---- خانیوال

نہ جانے آج وہ کس راستے سے گھر آئے
ہے دل بضد کہ سبھی راستے سجاؤں میں چراغوں سے

....

جب تنہائی میسر ہو تو پل بھر کو تم سوچنا
لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے ہٹ کر سوچنا
اس طرح گزریں گے کیسے زندگی کے روز و شب
تم سے ملنا کچھ نہ کہنا اور شب بھر سوچنا

....

رہتے تھے جو دل میں آئینوں کی طرح
گرے ہیں تو بکھرے ہیں کرچیوں کی طرح
جو پڑ چکی گرہ دل میں وہ کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح

ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

وہ جس قدر بھی منافق تھا پر یہ کہنا تھا
بچھڑنا ہم سے مگر پھر بھی سلسلے رکھنا

....

اس شہر میں کال پڑا ہے وفاؤں کا
ہم نے یہی سوچ کر کسی سے محبت نہ کی

کیا خبر تھی فصل گل کی آرزو کرنے کے بعد
عمر بھر سہنا پڑے گا زرد موسم کا عذاب
عابدہ سعید ---- گجرات
یہ کیسے ممکن ہے دل جلے اور دھواں نہ اٹھے
چوٹ پڑتی ہے تو پتھر بھی صدا دیتے ہیں

رکتا بھی نہیں ٹھیک سے چلتا بھی نہیں ہے
یہ دل کہ ترے بعد سنبھلتا بھی نہیں ہے
اک عمر کے صحرا سے تیری یاد کا بادل
ٹلتا بھی نہیں اور برستا بھی نہیں ہے

میں نے دنیا میں ہی دوزخ کی اذیت پالی
اپنے احساس کو رشتوں کے حوالے کرکے
فرح عامر ---- جہلم
بین کرنے آئی ہے
زندگی زمین پر
مستقل فساد ہیں
عارضی زمین پر

صد حیف اس کے ہاتھ ہے ہر زخم کا رفو
دامن میں جس کے ایک بھی تار حرف نہیں

کون کسی کی خاطر دے گا اتنی سچی قربانی
بادل سب کی پیاس بجھا کر خود پیاسا رہ جاتا ہے
فائزہ قاسم ---- سکھر
بیٹھے جو آ کے ہم تو وہ اٹھ کر ہی چل دیے
ایسے ہی واقعات میں ہم عام ہو گئے

بعض اوقات محبت کی تپش میں مجھ کو
عشق بھی چناروں کی طرح لگتا ہے
مل گئی قرب تسلسل میں طبیعت اس سے
اب مجھے ہجر بھی یادوں کی طرح لگتا ہے

محبت کے معاملے میں ہم یکساں بے وقوف نکلے
راہ میں جو بھی پتھر آیا اسے بڑھ کر سینے سے لگالیا
نعیم امین ---- کراچی
بیٹے کے در پہ بھیک سے ملتی ہیں روٹیاں
ارمان سارے خاک میں بیوہ کے مل گئے

زمانے والوں سے چھپ کے رونے کے دن نہیں ہیں
اسے یہ کہنا اداس ہونے کے دن نہیں ہیں
میں جان سکتی ہوں وصل میں اصل بھید کیا ہے
مگر حقیقت شناس ہونے کے دن نہیں ہیں

ماحول کی تپش کا تقاضا ہے بس یہی
سائے کو دیکھ یوں نہ تناور شجر کو دیکھ
ہاں یہ ضروری شرط ہے منزل کے واسطے
راہ سفر نہ دیکھ شریک سفر کو دیکھ
ہمارائے ---- کراچی
کون دیتا ہے محبت کو پرستش کا مقام
تم جو انصاف سے سوچو تو دعا دو ہم کو

دل کے لٹنے کا سبب پوچھو نہ سب کے سامنے
نام آئے گا تمہارا یہ کہانی پھر سہی

پژمردگی پہ ہنسی جب کوئی کلی
آواز دی خزاں نے کہ تو بھی نظر میں ہے
نبیہ آصف ----
جب یہ طے کر ہی لیا ہے کہ سفر کرنا ہے
پھر کسی دل میں بھلا کسی لئے گھر کرنا ہے

آنکھوں میں آنسوؤں کی حنا سی ہے ان دنوں
دل کو بھی شوق درد شناس ہے ان دنوں
گر ہو سکے آ کر میری جان تیرے بغیر
ماحول میں شدید اداسی ہے ان دنوں

چاند آدھی شب کا ہو پھر چیت کا موسم بھی ہو
تیرے شانوں پر کبھی زلف میری برہم بھی ہو
پھر ہجر کا دریا چڑھا پھر چل پڑی باد سموم
آس رکھتا ہوں کبھی اس سوز کا مرہم بھی ہو
ثمینہ رفیق ---- کورنگی کراچی
کل اس کو تراشو گے تو پوجے گا زمانہ
پتھر کی طرح آج جو راہوں میں پڑا ہے

موسم گل کی حکایت اے رفیق جاں نہ چھیڑ
زخم دل جو بھر چلا ہے پھر ہرا ہو جائے گا

ڈھونڈنے والے کو مل جاتی ہے خود موج بہار
ہر گلستان میں خزاں ہو یہ ضروری تو نہیں
رمشہ ظفر ---- بہاول پور
جو کبھی تو پڑھنے بیٹھے مجھے حرف حرف دیکھے
تیری آنکھیں بھیگ جائیں تو کتاب بھول جائے
تیری سوچ پہ حاوی ہو میری یاد اس طرح سے
کہ تو کتاب زندگی کا یہ نصاب بھول جائے

پڑھنے کا سلیقہ ہو تو پڑھ لیتے ہیں کچھ لوگ
پانی میں لکھی تحریر ہوا کی

پھول کلیاں بہار شہزادے
میری عمروں کے خواب مت پوچھو
بے مکانی ہوئی مقدم اب
ہجرتوں کے عذاب مت پوچھو

عاصمہ سرور ---- وہاڑی
مٹ گئی آس تو جاگے تیری قربت کے نشاں
بجھ گئی پیاس تو رستے میں سمندر آیا

دھنک کے رنگ میں ساری تو رنگ لی میں نے
اور اب یہ دکھ کہ پہن کر کسے دکھانا ہوا

دیکھو مجھے ڈر لگتا ہے غصے سے تمہارے
تم مجھ سے خفا ہو بھی تو اظہار مت کرنا
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد
جہاں جہاں تری نظروں کی اوس ٹپکی تھی
وہاں وہاں سے ابھی تک غبار اٹھتا ہے
جہاں جہاں ترے جلوؤں کے پھول بکھرے تھے
وہاں وہاں دل وحشی پکار اٹھتا ہے

ہر شام میری جس کے تصور سے ہے روشن
آگ شام سر شام وہ آ جائے تو کیا

میں نہ کہتا تھا کہ چاہت میں اجڑ جائے گا
تو بڑی دیر سے اسے میرے دل ناداں سمجھا
مسرت صباح ---- لاڑکانہ
رہ حیات میں کچھ مرحلے تو دیکھ لیے
یہ اور بات تری آرزو نہ راس آئی

دو چار نہیں مجھ کو فقط ایک بتا دو
انسان جو اندر سے بھی باہر کی طرح ہو

موسم موسم آنکھوں کو ایک سپنا یاد رہا
صدیاں جس میں سمٹ گئیں وہ لمحہ یاد رہا
قوس قزح کے رنگ تھے ساتوں اس کے چہرے پر
ساری محفل بھول گئی وہ چہرہ یاد رہا
☆☆☆

بلقیس بھٹی

تحفہ

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔

''کل میں نے اپنے باس کو کھانے پر گھر بلایا تھا، وہ میری بیوی کے پکے ہوئے کھانے کھا کر اتنے متاثر ہوئے کہ آج صبح انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور ایک پارسل دیتے ہوئے بولے۔

''یہ میری طرف سے اپنی بیوی کو تحفے کے طور پر دینا، اس میں ڈائننگ ٹیبل پر کام آنے والی کچھ چیزیں ہیں۔''

''تمہاری بیوی تو وہ تحفہ پا کر کافی خوش ہوئی ہوگی؟'' دوست نے پوچھا۔

''نہیں یار! اس نے تو آج میری ایسی خبر لی ہے کہ کیا بتاؤں، اس نے جب پارسل کھولا تو اس میں سے ایک آری، ایک کلہاڑی، ایک چھینی اور ایک ہتھوڑی نکلی۔'' ان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر بتایا۔

نعیم امین، کراچی

ازراہ احتیاط

''اس آدمی سے جب تمہارا جھگڑا ہو رہا تھا تو اس نے تمہیں کیا کہا تھا؟''

''نا ہنجار، خبط الحواس۔''

''ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟''

''مجھے بھی معلوم نہیں لیکن میں نے احتیاطاً اسے ایک لات رسید کر دی تھی۔''

ہما رائے، کراچی

پریشانی

پاگلوں کے ہسپتال میں ایک مریض نے دوسرے سے پوچھا۔

''اتنے غصے میں کیوں نظر آ رہے ہو؟''

دوسرے نے کہا۔

''میرے پاس ایک ہی شلوار تھی، اسے دھویا تو سکڑ گئی اور اتنی چھوٹی ہو گئی کہ پہنی نہیں جا رہی۔''

''اب تم نہا لو، شلوار کے سائز کے مطابق ہو جاؤ گے۔''

نبیہ آصف، قصور

قابل دید

تین مرد ٹرین میں سفر کر رہے تھے، ایک خاتون سامنے والی سیٹ پر آ بیٹھیں اور انہوں نے اپنا بڑا سا سوٹ کیس مردوں کے سر کے اوپر بنے ہوئے ایک ریک پر رکھ دیا، ایک مرد غصے سے بولا۔

''کیوں جناب! اسے یہاں کیوں رکھا ہے، اٹھایئے یہاں سے۔''

''کیوں جناب؟'' خاتون نے غصے اور حیرت سے پوچھا۔

''یہ کہیں میرے سر پر نہ گر جائے۔'' مرد بولا۔

خاتون بے پروائی سے بولیں۔

''بے فکر رہیں، اس میں کوئی ٹوٹنے والی چیز نہیں ہے۔''

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

اصل وجہ

محسن اپنے دوست عمران کو کھانا کھلانے ایک اعلیٰ درجے کے ریستوران میں لے گیا، ویٹر آیا تو محسن نے کئی اچھی اچھی ڈشوں کے نام لکھوا دیئے۔

ویٹر نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی، اتنے مہنگے مہنگے کھانے کھاتے ہوئے؟''

عمران ویٹر کی اس بدتمیزی پر حیران رہ گیا، وہ اسے تنبیہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ محسن بے پروائی سے ویٹر سے مخاطب ہوا۔

''ابا جان! اب بحث چھوڑیں اور جو میں کہہ رہا ہوں وہ لے آئیں۔''

رمشہ ظفر، بہاولپور

فوری اثر

کالج کے نوٹس بورڈ پر لکھا تھا۔

''فزکس کی نصابی کتاب گم ہو گئی ہے جس کی مجھے اشد ضرورت ہے، جن صاحب کو ملی ہو، وہ دیئے ہوئے فون نمبر پر مطلع کر دیں تو انہیں گھر کا پکا ہوا کھانا کھلاؤں گی۔''

یہ نوٹس پڑھ کر ایک طالب علم نے کتابوں کے انبار میں سے اپنی کتاب نکالی اور خوشی خوشی ان محترمہ کیا فون کیا کہ۔

''آپ کی گمشدہ کتاب مل گئی ہے۔''

طالبہ نے جواب دیا۔

''جناب! آپ نے دیر سے رابطہ قائم کیا، گزشتہ تین گھنٹوں میں سات افراد کتاب ملنے کی نوید سنا چکے ہیں۔''

عاصمہ سرور، وہاڑی

صحیح طریقہ

ایک قبائلی شہر سے پیسے کما کر گھر جا رہا تھا کہ اس کی ملاقات ایک صاحب سے ہوئی، انہوں نے قبائلی سے پوچھا۔

''کیوں بھئی! گاؤں واپس جا رہے ہو، کتنے پیسے جمع کیے؟''

''پانچ سو روپے۔'' قبائلی نے جواب دیا۔

''ان کا کیا کرو گے؟''

''تھری ناٹ تھری کی رائفل خریدوں گا۔''

''لیکن وہ تو بہت مہنگی ہے، اتنے پیسوں میں نہیں ملے گی۔''

''کوئی بات نہیں، باقی رقم بیوی کو بیچ کر حاصل کر لوں گا۔''

''بہت افسوس کی بات ہے، بیوی کو فروخت کر دینا اچھی بات تو نہیں۔''

''بس مجھے رائفل خریدنے دیں، جونہی مجھے رائفل مل گئی، میں اپنی بیوی واپس لے لوں گا۔'' قبائلی نے اطمینان سے جواب دیا۔

رابعہ ارشد، فیصل آباد

خواہ مخواہ

بمبئی کے ایک سردار ایک دفعہ امرتسر گئے، ریلوے اسٹیشن پر نہایت ہی غصے کے عالم میں گاڑی سے اترے اور اسٹیشن سے باہر نکل گئے، وہاں سے ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ فوراً محلہ کرتار پورہ چل پڑے، ٹیکسی ڈرائیور چل پڑا، سردار صاحب نے مطلوبہ جگہ پہنچ کر دستک دی، اندر سے ایک اور سردار صاحب نکلے، دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں اور اس کے بعد وہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اور ٹیکسی پر آنے والے سردار کی بڑی پٹائی ہوئی، سردار جی بڑی مشکل سے زمین پر سے اٹھے اور پگڑی اور دھوتی کو درست کرتے ہوئے دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ڈرائیور سے فوراً واپس اسٹیشن چلنے کو کہا، ڈرائیور جو کہ سردار جی کی درگت بنتے دیکھ چکا تھا، کہنے لگا۔

''سردار صاحب! اگر اسی کام سے یہاں

آئے تھے تو یہ کام آپ کا میں اسٹیشن پر ہی کر دیتا، خواہ مخواہ آپ نے اتنی دور آنے کی تکلیف کی۔"

مسرت صباح، لاڑکانہ

خوشخبری

مدتوں بعد جب ایک ادیب کی اپنے ایک دیرینہ رفیق سے ملاقات ہوئی تو ادیب نے یہ خوش خبری سنائی۔

"یار تمہیں یہ جان کر خوشی ہو گی کہ میری کتاب چھپ کر آ گئی ہے۔" جواب میں دوست نے مبارک باد دی اور پوچھا۔

"کچھ بکی بھی؟" ادیب نے ٹھنڈی سانسوں کے درمیان بتلایا۔

"اب تک میری سائیکل اور گھڑی بک چکی ہے۔"

سعدیہ جبار، ملتان

بجلی

استاد۔ "بجلی کہاں سے آتی ہے؟"

شاگرد، "میرے ماموں کے گھر سے۔"

استاد حیرانی سے۔ "کیسے؟"

شاگرد۔ "جب بھی بجلی جاتی ہے میرے پاپا کہتے ہیں سالو نے پھر بجلی بند کر دی۔"

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

کچھ کتابوں کے بارے میں

☆ ایک مصنف نے اپنی تازہ کتاب کو اپنی شریک حیات کے نام اس طرح معنون کیا۔

☆ اپنی بیوی کے نام جس کی اعانت کے بغیر میں اپنی پہلی کتاب سے ہونے والی آمدنی کو اتنی جلدی خرچ نہ کر سکتا تھا۔

☆ تمہاری کتاب جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی ہے، ہر شخص اسے جلا رہا ہے۔

☆ کیا آپ نے میری آخری کتاب کا مطالعہ کیا ہے؟

☆ اللہ کرے کہ یہ آپ کی آخری کتاب ہو۔

☆ تمہاری کتاب کا انجام بڑا خوش گوار ہے، جب کتاب ختم ہوئی تو مجھے بے حد مسرت ہوئی۔

☆ میری نئی کتاب دو ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی ہے، اگر تمہیں ایک جلد کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا، میرے پاس دو ہزار کتابیں موجود ہیں، میں تمہیں ایک کتاب دے دوں گا۔"

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

تحفہ

جج ملزم سے سختی سے پیش آ رہا تھا، اس نے سوال کیا۔

"تم کب پیدا ہوئے تھے؟"

جج نے پھر پوچھا۔

"تمہاری سالگرہ کب ہے؟"

ملزم۔

"میں نہیں بتاؤں گا، آپ جیسے روکھے شخص سے مجھے کیا توقع ہو سکتی ہے، آپ نے کون سا مجھے کوئی تحفہ دینا ہے۔"

نازیہ کمال، حیدر آباد

خواہشیں

شادی کو پچیس سال ہو چکے تھے اور جوڑا سلور جوبلی منا رہا تھا۔

تقریب کے دوران اچانک ایک پری نمودار ہوئی اور جوڑے سے کہا۔

"تم دونوں نے ہنستے کھیلتے دن بتائے ہیں، میں بہت خوش ہوں اور تمہاری ایک ایک خواہش پوری کر سکتی ہوں۔"

بیوی نے کہا۔

"میں دنیا کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔"

پری نے اپنی چھڑی گھمائی اور گونج پیدا ہوئی، بیوی کے ہاتھ میں ہوائی جہاز کا ٹکٹ آ گیا،

اب ساٹھ سالہ شوہر کی باری تھی۔

وہ کچھ سوچ کر شرماتے ہوئے بولا۔

"میں...... میں چاہتا ہوں کہ میری بیوی مجھ سے تیس سال چھوٹی ہو جائے۔"

پری نے چھڑی ہلائی اور گونج پیدا ہوئی۔

"شوہر نوے سال کا ہو گیا۔"

مریم رباب، خانیوال

معصومیت

ایک بڑے جنرل اسٹور کے مالک نے اپنے نئے ملازم کو گودام دکھایا اور یہ کہہ کر چلا گیا۔

"میاں تمہیں اس گودام میں موجود سارے سامان کی مکمل فہرست تیار کرنی ہے۔"

شام کو مالک واپس آیا اور ملازم سے پوچھا۔

"تم نے فہرست تیار کر لی؟" ملازم پسینہ پونچھ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"جناب! بڑا محنت طلب کام ہے، ابھی تو صرف پہلی بوری سے فارغ ہوا ہوں، اس میں اسی ہزار نو سو بیس بادام ہیں۔"

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

جرح کا نکتہ

ایک صاحب ہوائی جہاز سے اترے تو انہیں اپنی بیوی ہوائی اڈے پہ انتظار کرتی ملی، دونوں کھڑے سامان کے اترنے کا انتظار کرنے لگے، اتنے میں ایک خوبصورت ائیر ہوسٹس ان کے قریب سے ہوا کے جھونکے کی طرح لہراتی گزر گئی، ان صاحب نے بشاش لہجے میں کہا۔

"مس ریٹا! امید ہے ہمیں پھر جلد ہی ایک ساتھ پرواز کرنے کا موقع ملے گا۔"

اس کے جانے کے بعد بیوی نے سختی سے پوچھا۔

"تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟"

ان صاحب نے وضاحت کی۔

"دروازے کے پاس ہی تختی پر لکھا ہوا تھا بالکل پائلٹ اور اسسٹنٹ پائلٹ کے نام کے ساتھ۔"

بیوی بولی۔

"بات تو ٹھیک معلوم ہوتی ہے اپ پائلٹ اور اسسٹنٹ پائلٹ کے نام بھی بتا دو۔"

ثنا حیدر، سرگودھا

آدرش وادی

بیاہ ہوتے ہی میاں بیوی نے آپس میں عہد کر لیا کہ وہ زندگی بھر ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر بات کریں گے ایک دوسرے کے خلاف شکایات کا ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لائیں گے اور ایک آدرش میاں بیوی بن کر رہیں گے۔

تین سال تک اپنا عہد نبھانے کے بعد وہ دونوں مرگی کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گئے ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ وہ ضبط نفس کا شکار تھے۔

حشر

گداگر نے ایک خوش پوش راہگیر کو روک کر روٹی کا سوال کیا، اس نے گداگر کو کہا کہ وہ اسے شراب پلانے کو تیار ہے گداگر نے کہا کہ شراب کبھی چکھی تک نہیں ہے، اس پر راہگیر نے اسے بہترین سگریٹ دلانے کی پیشکش کی گداگر نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ سگریٹ نہیں پیتا ہے۔

پھر راہگیر نے اس سے کہا کہ میرے ساتھ چل کر جوا کھیلو، اس پر گداگر نے جز بز ہو کر بولا کہ اسے جوئے سے کوئی رغبت نہیں ہے اسے تو پیٹ بھر کر کھانا چاہیے۔

"بہت خوب۔" راہگیر نے خوشی سے کہا۔

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

درثمن: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل
اب تو خواہش ہے کہ یہ زخم بھی کھا کر دیکھیں
لمحہ بھر کو ہی سہی اس کو بھلا کر دیکھیں
شہر میں شب قدر کی ساعت آئی ہے
آج بھی ہم تیرے ملنے کی دعا کر دیکھیں
آندھیوں سے جو الجھنے کی کسک رکھتے ہیں
اک دیا تیز ہوا میں بھی جلا کر دیکھیں
زندگی اب تجھے سوچیں بھی تو دم گھٹتا ہے
ہم نے چاہا تھا کبھی تجھ سے وفا کر دیکھیں
دیکھنا ہے تو محبت کے عزا داروں کو
ناشناسائی کی دیوار گرا کر دیکھیں
جن کے ذروں میں ہوا ہانپ کے سو جاتی ہے
ایسی قبروں پر کوئی پھول چڑھا کر دیکھیں
رونے والوں کے تو ہمدرد بہت ہیں محسن
ہنستے ہنستے کبھی دنیا کو رلا کر دیکھیں
آسیہ وحید: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
وہ نہیں ہے تو
اس کی چاہت میں
کس لئے
دن رات سنورتے ہو
خود سے بے ربط باتیں کرتے ہو
اپنا ہی عکس نوچنے کے لئے
خود الجھتے ہو، خود سے ڈرتے ہو
ہم نہ کہتے تھے
ہجر والوں سے
آئینہ گفتگو نہیں کرتا
جویریہ ناصر: کی ڈائری سے منیر نیازی کی نظم
محبت اب نہیں ہوگی
ستارے جو دمکتے ہیں
کسی کی چشم حیراں میں
ملاقاتیں جو ہوتی ہیں
جمال ابر و باراں میں
یہ نا آباد وقتوں میں
دل ناشاد میں ہوگی
محبت اب نہیں ہوگی
یہ کچھ دن بعد میں ہوگی
گزر جائیں گے جب یہ دن
یہ ان کی یاد میں ہوگی
محبت اب نہیں ہوگی
یہ کچھ دن بعد میں ہوگی
ام ایمن: کی ڈائری سے ایک غزل
دنیا میں محبت کا عجب قحط پڑا ہے
ہر شخص ہی برفیلے سمندر میں کھڑا ہے
تجھ جیسا کسی آنکھ نے ہیرا نہیں دیکھا
تو میری محبت کی انگوٹھی میں جڑا ہے
رگ رگ میں اترنے لگے فرقت کے اندھیرے
اے قریہ جاں تجھ پہ یہی وقت کڑا ہے
اس سوچ میں ہوں پار جو اتروں گا تو کیسے
اک ہجر کا سیلاب ہے اور کچا گھڑا ہے
وہ تیرے بچھڑ جانے کا جاں سوختہ منظر
لگتا ہے کہ ڈالی سے کوئی پھول جھڑا ہے
اے لمحہ رخصت اسے اوجھل نہیں کرنا
اس آخری منظر سے مجھے پیار بڑا ہے
عابدہ سعید: کی ڈائری سے احمد فراز کی نظم
اس نے کہا تھا سن
عہد نبھانے کی خاطر مت آنا
عہد نبھانے والے اکثر
مجبوری یا مہجوری کی تھکن سے لوٹا کرتے ہیں
تم جاؤ
سمندر سمندر اپنی پیاس بجھاؤ
جن آنکھوں میں اترو
جس دل میں ڈوبو
میری تنہائی تمہیں آواز نہ دے گی
مگر جب
میری خواہش اور چاہت کی لے
اتنی اونچی اور اتنی تیز ہو جائے
کہ دل رو دے
تو......
لوٹ آنا
فرح عامر: کی ڈائری سے ایک غزل
جس کو دیکھے بنا آنکھوں کا گزارا بھی نہیں
دل کو اس شخص سے اب ملنا گوارا بھی نہیں
پھر مجھے اس کے نہ ملنے کی یہ الجھن کیوں ہے
جب کہ وہ دوست ہے اور جان سے پیارا بھی نہیں
تو اگر خوش ہے نئے قرب کی ہمراہی میں
تیری فرقت میں برا حال ہمارا بھی نہیں
میں خود تم سے جدائی کے بہانے ڈھونڈوں
اب جدا ہیں تو قصور اس میں ہمارا بھی نہیں
خاک ہی ڈال علی ایسی غلط وحشت پر
جو تماشا بھی نہیں اور نظارہ بھی نہیں
فائزہ قاسم: کی ڈائری سے ایک نظم
کوئی خواب ہے کہ سراب ہے
کوئی روز و شب کے مدار میں
کہیں رتجگوں کے شمار میں
کہیں تتلیوں کے غبار میں
کہیں چشم نم کے کنار میں
کوئی خواب ہے کہ سراب ہے
جو دل و نگاہ کے درمیاں میری آگہی کا نصاب ہے
کوئی خواب ہے کہ سراب ہے
جو دل و نگاہ کی زد میں آ کے بھی دور ہے
جو میرے طلسم خیال میں
جو میرے عروج و زوال میں
کسی ان کہی کا ظہور ہے
کہیں دور ہے
کوئی خواب ہے کہ سراب ہے
نعیم امین: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل
شدت غم میں ہنسی لب پہ سجا کر دیکھو
اک دیا تیز ہوا میں بھی جلا کر دیکھو
اپنی پلکوں پہ ستاروں کو سجا کر دیکھو
جشن تنہائی کسی روز منا کے دیکھو
خود تمہیں اپنے خدوخال نظر آئیں گے
یہ جو دیوار انا کی ہے گرا کر دیکھو
روز تم بزم تمنا سے اٹھاتے ہو مجھے
بار احساس کبھی کسی روز اٹھا کر دیکھو
تم ابھی کرب کے احساس سے ناواقف ہو
اپنی پلکوں پہ میرے خواب سجا کر دیکھو
دائرے پھیلتے جائیں گے خیالوں کی طرح
سطح دریا پہ کبھی نقش بنا کر دیکھو
رنگ اتریں گے نہ اعجاز کبھی آنگن میں
تم منڈیروں پہ پرندے بھی بٹھا کر دیکھو
ہما رائے: کی ڈائری سے اطہر نقوی کی نظم
اب واپس پلٹنے کا عمل آغاز ہوتا ہے
محبت جب لہو بن کر
رگوں میں سرسرائے تو
کوئی بھولا ہوا چہرہ
اچانک یاد آئے تو
قدم مشکل سے اٹھتے ہوں
ارادہ ڈگمگائے تو

کوئی مدھم سے لہجے میں
تمہیں واپس بلائے تو
ٹھہر جانا
سمجھ لینا
کہ اب واپس پلٹنے کا عمل آغاز ہوتا ہے
کبھی تنہائیوں کا درد
آنکھوں میں سمائے تو
کوئی لمحہ گزشتہ چاہتوں کا
جب ستائے تو
کسی کی یاد میں رونا
تمہیں بھی خوں رلائے تو
اگر تم سے تمہارا دل
کسی دم روٹھ جائے تو
کبھی ان ہونیوں کا ڈر
پرندوں کو اڑائے تو
ہوا جب پیڑ سے اک زرد سا
پتا گرائے تو
ٹھہر جانا
سمجھ لینا
کہ اب واپس پلٹنے کا عمل آغاز ہوتا ہے

نبیہ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم

اک آگ سی جلتی رہتی ہے
ہم اور ابھی کیا ہاریں گے
ہاں دل کی بازی ہار گئے
جان مانگو چاہو، لے جاؤ
پر ایک کہانی دے جاؤ
اس دل میں تو یوں اے لڑکی
ابھی الفت کی آگ نہیں بھڑکی
اب آگ بھی تمہیں لگا جاؤ
جب جلنے لگے بجھا جاؤ
یہ پیار، بیوپار کے قصے تو
جھوٹے ہی فسانے لگتے ہیں
یہ دوری اور یہ مجبوری
نہ ملنے کے بہانے لگتے ہیں
من گھڑت فسانے لگتے ہیں
میری نظموں میں تم آ جاؤ
جو مانگو، چاہو لے جاؤ
ہاں تم نے کہا تھا کھڑکی بھی
ہاں کھڑکی بھی دروازہ بھی
دن رات کھلا سا رہتا ہے
ہاں اس کھلے دروازے میں
گر جھانکنے تم بھی آ جاؤ
جو مانگو، چاہو، پا جاؤ
ایک داغ تو پہلے دل میں تھا
ایک تم بھی نشانی دے جاؤ
جو مانگو، چاہو، لے جاؤ
پر ایک کہانی دے جاؤ
اس داغ سے پہلے بھی دل میں
اک آگ سی جلتی رہتی ہے
اس آگ کو اور بھڑکا جاؤ
جب جلنے لگے بجھا جاؤ
یا اپنی سانس کی گرمی سے
سلگا جاؤ، سلگا جاؤ

ثمینہ رفیق: کی ڈائری سے ایک غزل

جو آنسو دل میں گرتے ہیں وہ آنکھوں میں نہیں رہتے
بہت سے حرف ایسے ہیں جو لفظوں میں نہیں رہتے
کتابوں میں لکھے جاتے ہیں دنیا بھر کے افسانے
مگر جن میں حقیقت ہو کتابوں میں نہیں رہتے
بہار آئے تو ہر اک پھول پر اک ساتھ آتی ہے
ہوا جن کا مقدر ہو وہ شاخوں میں نہیں رہتے
لیے پھرتے ہیں کچھ احباب ایسے مضطرب سجدے
جہاں دربار مل جائے جبینوں میں نہیں رہتے
مہک اور تتلیوں کا نام بھونرے سے جدا کیوں ہے
کہ یہ بھی تو خزاں آنے پہ پھولوں میں نہیں رہتے

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

سعدیہ جبار ---- ساہیوال

س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگی ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جا کر۔
س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آ رہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔
س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا تم کو؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آداب عین جی تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے ”گڈ بائے“ اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: ”گھٹیا“ لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کر لو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: عین غین جی اللہ حافظ۔
ج: جی خدا حافظ۔
س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہو گئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔

☆☆☆

خبرنامہ

عبداللہ

دل مادھوری کا ہوا

بالی ووڈ کے خوبرو اداکار رنبیر کپور نے اعتراف کیا ہے کہ جہاں ہزاروں لڑکیوں کے دل ان کے لئے دھڑکتے ہیں وہاں اس کا دل صرف اور صرف مادھوری ڈکشت کے لئے دھڑکتا ہے، رنبیر کا کہنا ہے کہ میرے ساتھ کام کرنے والی اداکارائیں صرف فلم میں کام کرنے کی حد تک ساتھی ہیں اس زیادہ میرے لئے ان کی کوئی حیثیت نہیں میرا دل صرف ایک خاتون کے نام پر اپنی بیٹ مس کرتا ہے اور وہ ہے مادھوری ڈکشت۔

مادھوری کے ساتھ آئٹم سونگ کرکے میں نے اپنے دل کی شدید ترین خواہش کو پورا کیا ہے۔

یہاں ہم کیا کہیں گے سوائے اس کے پسند اپنی اپنی اور مادھوری جی کی تو ایک مسکراہٹ نے ہی بڑوں بڑوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔

غصے کی قیمت

نور کی پہلی دو شادیوں کا جو حال ہوا سو ہوا اور وہ جن وجوہات کی بنا ٹوٹیں ان کا ذکر اب بیکار ہے مگر نور کی تیسری شادی کے بھی داؤ پر لگنے کی خبر سے نور کے پروانوں کو بھی خوشی نہیں ہوئی، کہا جاتا ہے کہ نور کا تیسرا شوہر عون چوہدری ہر حال میں نور کو خوش رکھنے کی کوشش میں رہتا تھا بس اس ایک بات کو ماننے سے انکاری تھا کہ وہ شوبز کی سرگرمیاں شادی کے بعد بھی جاری رکھے، اس نے ہر ممکن کوشش کی نور پرانی ایکٹیویز کو چھوڑ کر اپنے شوہر اور بچی پر توجہ دے مگر نور نے اس کی بات ماننے سے انکار کرتے ہوئے کورٹ

میں خلع کا دعوا دائر کر دیا ہے جبکہ عون چوہدری کی کوشش ہے کہ نور کا غصہ کم ہو جائے تو وہ اسے پھر سے گھر لے جائے لیکن شاید چوہدری صاحب یہ نہیں جانتے کہ نور کو جب غصہ آتا ہے تو پھر آسانی سے نہیں جاتا، اب بھی یہی دیکھائی دیتا ہے کہ نور کی ناراضگی کی کم سے کم قیمت اس رشتے کی معطلی ہے۔

میرا کام میری پہچان

بالی ووڈ اداکارہ دپیکا پڈوکون کا کہنا ہے کہ لوگ جب ان کی خوبصورتی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اسے اچھی نہیں لگتی، دپیکا جنہیں 2012ء کی خوبصورت ترین حسیناؤں میں پہلا نمبر ملا ہے، وہ اپنی تعریف کرنے والوں سے الرجک ہیں دپیکا کا کہنا ہے کہ خوبصورتی اور جوانی تاحیات نہیں رہتی، اس لئے ان ختم ہو جانے والی چیزوں کی تعریف کیا کرنی، ہاں اگر چاہنے والے ان کی اداکارہ ان کو ان کے کام کو سراہیں نہ کہ ان کی خوبصورتی کے پل باندھیں۔

(کاش کہ بالی ووڈ کی اداکاراؤں کو بھی دپیکا کی یہ بات سمجھ آ جائے اور وہ اپنی اداؤں سے زیادہ اپنے کام پر توجہ دیں)۔

الیکشن افیئر نہیں تھے

اداکارہ میرا نے تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی شخصیت اور ان کے فلاحی کاموں سے متاثر ہو کر اسپتال تعمیر کرنے کا اعلان کر دیا ہے مخصوص انداز میں انگلش بولنے والی میرا کا کہنا ہے کہ عمران خان اس کا آئیڈیل ہے اور وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شوکت خانم ہسپتال کی طرح ایک ہسپتال بنانا چاہتی ہے

عام انتخاب میں والدہ کی شکست کے بارے میں میرا نے فرمایا کہ ان کی والدہ بھاری اکثریت سے جیت جاتیں اگر افیئر (فیئر) الیکشن ہوتے، او کاننگ (کاؤنٹنگ) غلط کی گئی ورنہ، میری والدہ وزیراعظم بننے کی صلاحیت سے مالا مال تھیں، (آپ پریشان نہ ہوں میرا آج کل اکثر اس قسم کی انگلش میں اول فول گفتگو کرتی نظر آتی ہے)۔

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

قیمہ بھرے کریلے

اشیاء

قیمہ	آدھا کلو
کریلے (بڑے)	ایک کلو
سرخ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
سوکھا دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر	آدھا پاؤ
ادرک	چوتھائی چھٹانک
پیاز	آدھا پاؤ
کھٹائی یا انار دانہ	آدھا چمچہ
سفید دھاگہ	حسب ضرورت

ترکیب

قیمہ کو سل پر باریک پیس لیں، پیاز باریک کاٹ لیں، ادرک، ہرا دھنیا، ہری مرچ، ٹماٹر ہر چیز خوب باریک پیس لیں، کریلوں کو اتنا چھیل لیں کہ اوپر کی ہریاول ختم ہو جائے اور چھلکا باریک رہ جائے اندر کے بیج وغیرہ نکال دیں، اب اس میں نمک مل کر تھوڑی دیر دھوپ میں رکھ دیں، ایک گھنٹے کے بعد انہیں خوب ہاتھ سے مسلیں اور بہت سے پانی سے دھو ڈالیں۔

اب کریلوں کو اچھی طرح نچوڑ لیں۔

قیمے میں سب پسی ہوئی چیزیں اور کٹا ہوا سارا مصالحہ ملا دیں، کریلوں کو مصالحے ملے قیمے سے بھر کر دھاگے سے لپیٹ لیں۔

ایک فرائی پین لیں، اس میں گھی کڑکڑائیں اور کریلے ڈالتی جائیں، آنچ اتنی ہلکی ہو کہ کریلے تلنے میں ایک گھنٹہ لگے، جتنی ہلکی آنچ پر کریلے سرخ کیے جائیں گے اتنی ہی مزے دار ہوں گے اور کڑواہٹ کم ہو گی۔

اب ایک دوسرا فرائی پین لیں، اس میں تھوڑا گھی ڈال کر بچا ہوا مصالحہ ملا قیمہ ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر اسے پکائیں قیمہ سرخ نہیں ہونے پائے بلکہ تھوڑا تلنے کے بعد ڈھکن سے ڈھک کر دم پر لگا دیں۔

سرونگ ڈش لیں اس کے چاروں طرف کریلے سجا دیں اور بیچ میں قیمہ ڈال دیں، گرم گرم نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

چکن زیرا

اشیاء

چکن	ایک کلو
ادرک، لہسن (پسا ہوا)	20 گرام
زیرا (پسا ہوا)	25 گرام
پیاز (باریک کٹا ہوا)	25 گرام
ٹماٹر	50 گرام
ہلدی پاؤڈر	10 گرام
لال مرچ پاؤڈر	20 گرام
نمک	15 گرام
آئل	75 گرام
گرم مصالحہ	5 گرام
لیموں کا رس	10 گرام

ترکیب

مرغی کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنوا لیں پیاز کو باریک کاٹ لیں، کسی دیگچی میں آئل گرم کریں اور اس میں پیاز شامل کر کے فرائی کریں، پیاز براؤن ہو جائے تو اس میں ادرک، لہسن ڈال دیں، ساتھ ہی زیرا بھی شامل کر دیں، چند منٹ اس مصالحے کو بھونیں اس کے بعد اس میں مرغی بھی شامل کر دیں نمک، لال مرچ، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے چکن بھن جائے تو اس میں تھوڑا پانی شامل کر کے تقریباً دس منٹ تک پکنے دیں، جب گوشت گل جائے اور چکن کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں گرم مصالحہ ڈال دیں، مزے دار چکن زیرا تیار ہے۔

ریڈ چکن

اشیاء

چکن	آدھا کلو
تیل	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر کا پیسٹ	چار کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (پسا ہوا)	حسب ضرورت
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن (پسا ہوا)	ایک چوتھائی چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چکن کو دھو کر اچھی طرح صاف کر لیں، پھر ایک فرائی پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل گرم کریں اب اس میں چکن ڈال کر چار سے پانچ منٹ فرائی کریں پھر اس میں ٹماٹر کا پیسٹ، سرکہ، پسا ہوا ہرا دھنیا ڈال کر اتنا پکائیں کہ گوشت گل جائے اور تمام پانی خشک ہو جائے اب اس میں مکھن بھی شامل کر لیں اور پسا ہوا لہسن بھی ڈال کر اچھی طرح بھون لیں اب اس میں چینی ملائیں اور کچھ دیر چمچہ چلائیں یہاں تک کہ چینی گل جائے، آپ سالن میں حسب ذائقہ نمک شامل کر سکتی ہیں، ریڈ چلی تیار ہے روٹی یا چاول کے ساتھ نوش فرمائیں۔

دل پسند گوشت

اشیاء

گوشت (بغیر ہڈی)	آدھا کلو
پیاز (باریک)	۲۵۰ گرام
لہسن	۸ جوئے
ادرک (باریک پیس لیں)	ایک انچ
ثابت لال مرچ (کاٹ لیں)	چند عدد
ہری مرچ	تین عدد
چھوٹی الائچی	دو عدد
دہی	۲۵۰ گرام
نمک	حسب ذائقہ
گھی	۱۵۰ گرام
لونگ	۴ عدد

ترکیب

پہلے پیاز اور ادرک کو گھی میں بھون لیں پھر گوشت، لہسن، نمک اور لال مرچ ڈال کر اچھی طرح بھونیں، جب سرخ ہو جائے تو لونگ، الائچی اور دہی ڈال کر دو پیالی ڈال دیں اور بند کر دیں، جب گوشت گل جائے اور گھی چھوٹنے لگے تو اتار لیں۔

سردائی شربت

اشیاء

بادام کی گری	ایک سو پچاس گرام
خشخاش	ایک سو پچاس گرام
سیاہ مرچ	پچیس گرام

چاروں مغز	ایک سو پچیس گرام
سبز الائچی	پانچ گرام
سونف	ایک چھوٹا چمچہ
گلاب ایسنس	دو چھوٹے چمچے
روح کیوڑہ	ایک چھوٹا چمچہ
سٹرک ایسڈ	آدھا چھوٹا چمچہ
چینی	دو کلو
پانی	ایک لیٹر

ترکیب

بادام بھگو کر چھلکے اتار لیں، خشخاش کو بھی صاف کر کے بھگو دیں، خشخاش، چاروں مغز بغیر چھلکے بادام، سیاہ مرچ، سبز الائچی اور سونف ڈال کر باریک پیس لیں، تھوڑے پانی میں گھول کر صاف کپڑے سے اسے بار بار چھانیں۔

چینی میں پانی ملا کر ایک تار کی چاشنی بنائیں، ٹھنڈی چاشنی کو چھان کر اس مرکب میں ملائیں، گلاب کا ایسنس اور روح کیوڑہ ملائیں، سٹرک ایسڈ ملائیں اور پورے شربت کو اچھی طرح سے ملا کر صاف بوتلوں میں بھریں۔

املی کا شربت

اشیاء

املی	دو سو پچاس گرام
چینی	دو سو پچھتر گرام
پانی	ڈھائی لیٹر
نمک	ایک چھوٹا چمچہ
زیرہ بھنا پسا ہوا	ایک چھوٹا چمچہ
نمک سیاہ	آدھا چھوٹا چمچہ

ترکیب

املی کو صاف کر کے رات بھر پانی میں بھگوئے رکھیں، ہاتھوں سے مسل کر اس کے بیج پھوک اور ریشے نکال دیں۔

اب باقی پانی کو چھان لیں اور بیس منٹ تک پکائیں، پھر چینی ڈالیں اور پندرہ منٹ تک دوبارہ پکائیں

دونوں طرح کے نمک اور زیرہ ڈالیں، اسے بوتلوں میں بند کر کے رکھیں، املی کا شربت تیار ہے۔

چیری کا شربت

اشیاء

چیری کا رس	ایک کلو
پانی	آدھا کلو
چینی	ایک کلو
سٹرک ایسڈ	تین گرام
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ	تین گرام
چیری ایسنس	دو ملی گرام
شربت کا سرخ رنگ	تین گرام

ترکیب

اچھی پکی ہوئی چیری خرید کر انہیں پانی سے دھو کر صاف کر لیں۔

پھر انہیں ہاتھوں سے مسل کر یا مکسر سے کچل کر صاف اور باریک کپڑے سے چھان کر ان کا رس نکال لیں، اسے تول کر ایک کلو رس لے لیں، اب اس رس میں چینی، پانی اور سٹرک ایسڈ بھی ملا دیں، دھیمی آنچ پر رکھ کر پکائیں۔

جب شربت پک جائے تو نیچے اتار لیں اور ٹھنڈا کر لیں، اب پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ کو تھوڑے سے پانی میں حل کریں اور اسی طرح رنگ کو بھی ملا لیں اور چھان لیں۔

اب ان کو سارے شربت میں اچھی طرح ملا دیں، آخر میں چیری ایسنس ملانے سے خوشبو اور ذائقے میں اضافہ ہو جائے گا، چیری کا شربت تیار ہے اسے صاف اور خشک بوتلوں میں محفوظ کر لیں۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کی خوشیوں اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

کتنے ہی مسائل کے بوجھ تلے دبی زندگی میں عدم تحفظ کا روز افزوں بڑھتا احساس ذہنوں کو شدید ذہنی اذیت سے دوچار کیے ہوئے ہے۔

وقت دنوں، ہفتوں، مہینوں کی مسافت طے کرتا اپنے مقررہ کردہ راستوں پر رواں دواں ہے، لیکن دن رات کے الٹ پھیر کے باوجود نہ جانے ایسا کیوں لگتا ہے کہ وقت جامد ہو گیا ہے، موسم بدلنے میں نہیں آ رہا وہی لوڈشیڈنگ، مہنگائی، بے روزگاری، سب سے بڑھ کر دہشت گردی اور امن و امان کا مسئلہ، یہ سب مل کر ہماری مایوسی کی کیفیت میں مزید اضافے کا سبب بن رہے ہیں، ان حالات میں، ہم نے کوشش کی ہے کہ ہمارا انتخاب آپ کو تھوڑی دیر کے لئے حالات کی تلخیوں اور موسم کی شدتوں سے دور لے جائے اور آپ کے ذہنوں میں خوشگوار تاثر پیدا ہو، ہماری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ، کہ ماہنامہ حنا میں ایسی تحریریں شامل کی جائیں، جو مایوسی کے اندھیروں کو دور کر کے دلوں میں خوش اُمیدی کو جنم دیں، زندگی کو یکسر تبدیل نہیں کیا جا سکتا لیکن زوایہ نظر کی تبدیلی سے کچھ خوشگواری ضرور لائی جاسکتی ہے۔

ہماری اپنی مصنفین بہنوں سے بھی یہی درخواست ہے کہ زندگی کے تلخ حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن خوابوں کو زندہ رکھیں کیونکہ یہ خواب ہی تو ہیں جنہیں تعبیر دینے کے لئے ہم جدوجہد کرتے ہیں۔

اپنی تحریروں میں زندگی کے روشن پہلو سامنے لائیں کبھی کبھی مایوسی میں گھرے انسان کے لئے روشنی کی چھوٹی سی کرن بھی زندگی کا پیغام بن جاتی ہے۔

اپنا خیال رکھئے گا اور اپنی دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیے یہ سوچ کر کہ نہ جانے کس کی زبان سے نکلنے والی دعا ہماری بخشش کا سبب بن جائے، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے صراط مستقیم پر چلائے اور ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین، آئیے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں زاویہ نصر کا راولپنڈی سے ملا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

اس مرتبہ تو کمال ہو گیا یعنی حنا تو تاریخ کو ہی مل گیا ورنہ تو حنا نے بارہ سے پہلے زیارت نہ کروانے کی قسم اٹھا رکھی تھی ٹائٹل پر اس مرتبہ ماہ نور اپنے حسن کے جلوے بکھیرتی نظر آئیں، اپنی مخصوص دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ۔

اسلامیات میں، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھی ہمارے علم میں کافی اضافہ ہوا، انشا نامہ تو ہر ماہ ہی بے حد اچھا ہوتا ہے، سلسلے وار ناولوں میں اس بار پھر فوزیہ غزل غائب تھیں،

کیا بات ہے فوزیہ صاحبہ آپ کی طبیعت ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت یاب کرے آمین، اُم مریم کا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' کی تو کیا بات ہے، بہت توجہ اور دل لگا کر مریم اس تحریر کو لکھ رہی ہیں، ہر کردار اپنی اپنی جگہ زبردست ہے چاہے معاذ کا ہو یا جہان کا، ژالے کا کردار بھی زبردست ہے۔

مکمل ناول وہ بھی تین تین کیا بات ہے فوزیہ آپی کی فراخ دلی کی، ''میری وحشتوں کو قرار دو'' کی دوسری اور آخری قسط بھی زبردست تھی، مصباح نارڈ نے بڑی خوبصورتی سے اس کا اینڈ کیا، فوزیہ احسان کی تحریر ''اے میرے ہم سفر'' اچھی کوشش کی مصنفہ نے، قرۃ العین رائے کی تحریر سب سے بیسٹ تھی اس مرتبہ، ''شہر یاراں'' قرۃ العین رائے اتنی اچھی تحریر کے لئے شکریہ، ناولٹ ''کاسہ دل'' میں سندس جبیں، ''کار جنوں'' والی ہی سندس نظر آ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ مزید صلاحیتوں کو نکھار بخشے، افسانے اس بار تینوں ہی اچھے تھے، خصوصاً نسرین خالد کا افسانہ بے حد پسند آیا نسرین خالد نے بڑی جلدی حنا کی مصنفین میں اپنی جگہ بنائی ہے، مستقل سلسلوں میں رنگ حنا، بیاض، میری ڈائری سے، حاصل مطالعہ، حنا کی محفل ہر سلسلہ اپنی مثال آپ ہے، خبرنامہ میں عبداللہ بھائی اداکاروں کی خوب عزت افزائی کرتے ہیں اس مرتبہ کس قیامت کے یہ نامے میں کافی ساتھی نظر آئے خوشی ہوئی سب سے مل کر۔

آپی آخر میں ایک فرمائش ہے آپ سے کہ کاشف بھائی سے کہیں کہ پلیز مائرہ خان سے بھی ملاقات کروائیں۔

زاویہ نصر کیسی ہیں فون پر تو اکثر آپ سے بات ہوتی ہے اس محفل میں آپ کی موجودگی سے خوشی ہوئی، مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی فرمائش کاشف بھائی کو پہنچا دی ہے اپنی رائے سے نوازتی رہے گا، ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

فرزانہ جیب: شکار پور سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے میری شکایت نوٹ کریں، آپ کی محفل میں یہ میرا چوتھا خط ہے، پچھلے تین خطوط سے آپ کی ردی کی ٹوکری میں اپنا پیٹ بھرا ہو گا یقیناً، لیکن ہماری حنا سے محبت کا عالم یہ ہے کہ پھر بھی نا امید نہیں ہوئے اور ایک بار پھر آپ کے در پر دستک دے رہے ہیں۔

جون کا شمارہ چودہ مئی کو ملا ٹائٹل واہ بھئی زبردست آپی اب تو حنا کے ٹائٹل بے حد خوبصورت ہوتے ہیں، سرورق کے سحر سے نکلتے ہوئے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے پھر بھاگے بھاگ انشا جی کی محفل میں پہنچے اور اپنے فرائض جانے۔

شاہد آفریدی سے ملاقات کی، یہ ایک ہمارا ایسا کھلاڑی ہے جو ضرورت کے وقت کبھی کام نہیں آیا اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں یہ بوم بوم کرتا نظر آتا ہے۔

سلسلے وار ناول اُم مریم کا تھا پسند آیا، مریم جی زینب نے جہاں کے ساتھ اچھا نہیں کیا تو آپ نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کرنا اگرچہ اس کا مستقبل نظر آنا شروع ہو گیا ہے بس اب ژالے کو ہی جہاں کے دل کی رانی بنا دیجئے گا، فوزیہ غزل کو شاید اپنی اہمیت جتانے کا شوق ہوا جو ہر دوسرے ماہ غائب رہنے لگی ہیں، ناولٹ میں بات کریں سندس جبیں کی تحریر کی، سندس آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں، ڈاکٹر شاہ کو تو ابھی پہچان نہیں پائے لیکن ایس پی یقیناً اسید ہی ہو گا؟ کیا میں نے ٹھیک پہچانا، سعدیہ عابد کا ناولٹ بھی پسند

آیا، مکمل ناولوں میں مصباح نارڈ کی تحریر بے حد موثر تھی فوزیہ احسان کی تحریر کوئی خاص پسند نہیں آئی البتہ قرۃ العین رائے کی تحریر بھی سو سو تھی، افسانے سبھی اچھے تھے کتاب نگر کا سلسلہ بہت زبردست ہے، یسمی کرن بڑی محنت سے کتابوں کا انتخاب کرتی ہیں اور بڑے جامع انداز میں اس پر تبصرہ کرتی ہے یسمی جی پلیز یہ سلسلہ چلتا رہنا چاہیے، مستقل سلسلے سبھی اچھے تھے میری ڈائری میں اس بار در ثمن اور فائدہ قاسم کا انتخاب بے حد پسند آیا، بیاض میں سبھی دوستوں کا ذوق اچھا تھا رنگ حنا ہمیشہ کی طرح مسکراہٹیں بکھیرتا ہوا تھا، عین غین کی محفل بھی خوب تھی اور ہماری اس محفل کی کیا بات ہے، فوزیہ آپی سبھی کو بڑی محبتوں اور چاہتوں سے ایک لڑی میں پروئے ہوئی ہیں۔

آپی میں نے ایک تحریر بھی بھیجی تھی پلیز اس کا بھی بتا دیجئے گا، آیا شائع ہو گی یا نہیں۔

فرزانہ حبیب دل و جان سے خوش آمدید، اس سے پہلے اگر آپ کے خطوط ملے ہوتے تو ضرور شائع ہوتے، مئی کے شمارے کی پسندیدگی شکریہ آپ کی تحریر قابل اشاعت ہے انشاء اللہ جلد شائع ہو گی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا، ہم آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

نسرین خالد: سانگھڑ سے لکھتی ہیں۔

اس بار حنا آٹھ تاریخ کو مل گیا، اتنی جلدی حنا دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، اب تو پہلی ہوتے ہی حنا کا انتظار شروع ہو جاتا ہے۔

اب آتے ہیں حنا کی طرف ہر بار کی طرح اس بار بھی حنا کا ٹائٹل زبردست ہے، فہرست پر نظر دوڑاتے ہوئے اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' میں سردار انکل کی بات سے اتفاق کرتی ہوں اگر یہی جمہوریت تھی تو ہم باز آئے ایسی جمہوریت سے، جانے کتنی ماؤں بہنوں نے اپنے جوان بیٹوں اور بھائیوں کو قربان کیا ہے، جتنا خون ان پچھلے پانچ سالوں میں بہا ہے اتنا تو شاید پینسٹھ سالوں میں بھی نہیں بہا ہو گا، انسانی جان پہلے کبھی اتنی بے مول نہیں ہوئی تھی جتنی اس سو کالڈ جمہوریت میں ہوئی ہے۔

انشا جی کی تو کیا بات ہے ان کی تعریف میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

فوزیہ غزل اور سندس جبیں بہت اچھا لکھ رہی ہیں، اگر ان دونوں کا انٹرویو بھی ہو جائے تو کیا ہی بات ہے۔

''میری وحشتوں کو قرار دو'' مصباح نوشین نے بہت اچھا لکھا۔

''کس قیامت کے یہ نامے'' میں یسمی کرن کا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، یسمی جی بہت بہت شکریہ آپ جیسی ادبی شخصیت نے میری تعریف کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔

''کتاب نگر'' میں آپ کے تبصرے مجھے بہت پسند ہیں۔

نسرین خالد اس محفل میں خوش آمدید، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کے ساتھ ہم بھی دعا گو ہیں کہ اللہ پاک ہمارے پورے ملک کو امن کا گہوارہ بنا دے آمین آپ نے اپنی بہن یاسمین کا تعارف بھیجا پڑھ کر ہم بے حد متاثر ہوئے آپ کے ساتھ ہم بھی ان کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں، یاسمین کو ہمارا پیغام دیجئے گا کے وہ پہلی فرصت میں اپنی تحریر مکمل کر کے ہمیں بھیجیں ہم منتظر رہیں آپ کے جذبات یسمی کرن تک پہنچائے جا رہے ہیں ان کی طرف سے شکریہ قبول کریں، اس محفل میں آتی رہیے گا اپنی رائے سمیت شکریہ۔

رانی: نوشہرہ سے لکھتی ہیں۔

آپی مئی کے شمارے میں اپنا لیٹر پا کہ بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے میری حوصلہ افزائی کی شکریہ آپی، میں نے ایک غزل بھی بھیجی تھی جو شائع نہیں ہوئی، پلیز وہ بھی شائع کر دیں اور آپی کہانی کا طریقہ کار پلیز بتا دیں کہ جیسے یہ چیز میں آپ کو بھیج رہی ہوں وہ بھی ایسے ہی بھیجنی ہے تو میں ابھی سے لکھنا شروع کر دوں پلیز جو کہانی بھیجوں ضرور شائع کیجیۓ گا۔

''کاسہ دل'' سندس جبیں کی کہانی بہت اچھی جا رہی ہے اور ''تم آخری جزیرہ ہو'' یہ ابھی چار قسطیں پڑھی ہیں بہت پیاری لگی ام مریم صاحبہ مبارک باد قبول کیجیۓ جو رائٹرز صحت یاب نہیں ہیں انہیں خدا صحت دے آمین۔

رانی کیسی ہو چندا؟ حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، افسانہ صفحے کے ایک طرف ایک لائن چھوڑ کر لکھیۓ اور پھر اسی ایڈریس پر بھیج دیجیۓ، قابل اشاعت ہوئے تو ضرور شائع کریں گے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیۓ گا شکریہ۔

نورین شاہد: رحیم یار خان سے لکھتی ہیں۔

اس دفعہ حنا تھوڑا لیٹ ملا لیکن ٹائٹل بڑا زبردست تھا، شاہد آفریدی سے ملاقات اچھی لگی، ام مریم آپ کی تو کیا بات ہے پلیز یہ معاذ کا غصہ تھوڑا کم کریں۔

''کاسہ دل'' میرا فیورٹ ناولٹ پچھلے ماہ شامل نہیں تھا اچھا نہیں لگا لیکن اس دفعہ کی قسط نے خوش کر دیا عالی ناز اپنے انداز سے ہٹ کر ملیں ان کا افسانہ بہت بہت پسند آیا ویلڈن باقی ابھی زیر مطالعہ ہے آپی میں نے ایک تحریر ''کاغذ'' کے عنوان سے بھیجی تھی، پلیز بتا دیں کہ قابل اشاعت ہے یا نہیں اور ایک اور تحریر بھیج رہی ہوں ''فرض'' کے عنوان سے پلیز اگر قابل اشاعت لگے تو جون کے شمارے میں ہی شائع کیجیۓ گا یہ میرا تیسرا خط ہے ضرور شامل کرنا پلیز حنا کے مستقل سلسلے تمام اچھے ہیں مگر تبصرہ کے صفحات بہت کم آپی میری ڈائری سے خود کی کوئی لکھی غزل بھی شائع ہوئی ہے اب اجازت دیں اللہ آپ کو مزید کامیابیاں دے۔

نورین شاہد خوش آمدید اس محفل میں، آپ کی تحریریں موصول ہو چکی ہیں قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہوں گی اگر غزل اچھی اور توازن میں ہوئی تو ضرور شائع کریں گے کہ آپ کی پسندیدگی کا شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیۓ گا شکریہ۔

ارم: نامعلوم جگہ سے لکھتی ہیں۔

میرا نام ارم ہے میں نے بی اے کے ایگزام دیئے ہیں اور آج کل فارغ ہوں میں حنا کو دو سال سے پڑھ رہی ہوں، میں پہلی دفعہ کسی ڈائجسٹ میں خط لکھ رہی ہوں، حنا ایک اچھا اور معیاری رسالہ ہے، اس کی سب رائٹرز اچھی ہیں، سلسلہ وار ناول بھی اچھے ہیں۔

میں نے یہ خط اس لئے لکھا ہے کہ میں بھی ان رائٹرز میں شامل ہونا چاہتی ہوں، میں صرف ایک مکمل ناول لکھنا چاہتی ہوں یعنی کہ ایک سلسلہ وار ناول، پلیز مجھے ایک سلسلہ وار ناول لکھنے کی اجازت دے دیں، میں اس کے بعد کچھ نہیں لکھوں گی، یہ میرا پہلا اور آخری ناول ہوگا۔

ارم آپ نے ہمیں یاد کیا حنا کو پسند کیا شکریہ رہی بات ناول لکھنے کی تو جب تک آپ کی لکھی تحریر ہمارے سامنے نہیں آئے گی ہم کیسے آپ کو یقین دلائے کہ آپ کی تحریر شائع کریں گے آپ میں اگر لکھنے کی صلاحیت ہے تو ہمیں کوئی افسانہ وغیرہ لکھ کر بھیجیۓ پھر ہم پڑھ کر ہی کچھ بتا سکیں گے شکریہ۔

☆☆☆